www.KitaboSunnat.com

◉ اس مضمون کو تین عناوین میں تقسیم کیا گیا ہے۔
① اس کا آغاز اور ارتقاء
② اس نظریہ کی اَساسی بنیادیں
③ تطبیق کی صورتیں

منہج بحث

اس بحث میں میرا منہج مختلف پہلوؤں کا حامل ہوگا۔ میں نے طویل غوروفکر کے بعد استقراء، تحلیل اور استنتاج کے طریقوں میں تطبیق دی ہے۔ یہ غوروفکر میری زندگی کا لازمی حصہ ہے۔

میں نے اس بحث میں ہر قاعدے کے لیے نص قرآنی کو بنیاد بنایا ہے۔ شروع سے آخر تک تمام قواعد نحویہ کو قرآنی نصوص پر پیش کیا ہے۔ ان میں سے جو قرآن کے موافق ہے، ہم نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ اس کیفیت کے بعد کہ رائج نحو میں معاملہ اس کے برعکس ہو، کیونکہ عام طور پر نحوی قاعدہ عربی شعر سے مستنبط کر کے بنایا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد قرآن مجید دوسرے، تیسرے یا اس کے بھی بعد کے مرتبے میں آتا ہے، کیونکہ وہ کلام عرب کو کسی بھی دوسری نص پر ترجیح دیتے تھے اور جیسا کہ معلوم ہے کہ کلام عرب کے مختلف فنون ہیں۔ ان میں سے شعر، فنی نثر اور عربوں کے ہاں رائج نثر جو وہ روزمرہ زندگی کی بول چال میں استعمال کرتے ہیں، جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

تدوین کے دور میں جب وہ کوئی کلمہ بدوی عرب کی زبان سے سن لیتے تو پھولے نہ سماتے اور یہ سماعت نحوی یا لغوی قاعدہ بناتے وقت ان کی مددگرتی اور بسا اَوقات وہ اسے دوسری تمام نصوص پر مقدم رکھتے اگرچہ یہ نص متواتر قراءت ہی ہوتی، اس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔

میں نے اپنے سابقہ دروس میں نحویوں کے مذاہب اور مدارس میں فرق کیا ہے۔ مثلاً بصری، کوفی، بغدادی، لیکن اس بحث میں، میں اس تفریق کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ میرے نزدیک وہ تمام نحاۃ ہیں اور ان کے مدمقابل دوسرا فریق معتمد قراء اور ان کی متواتر قراءات کا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بحث دو باتوں پر قائم ہے:

① ایک طرف قراءات متواترہ کی نص قرآنی ہے۔
② دوسری طرف اپنے اختلاف کے باوجود، تمام قراء ہیں۔

اس بحث کے دوران ہم دیکھیں گے کہ نص قرآنی اور اس کے فصیح متواتر استعمال کے بارے میں نحویوں کا کیا موقف ہے۔ اس سے قرآنی نحو اور رائج نحو کے درمیان اتفاقی اور اختلافی پہلو واضح ہوجائیں گے۔

اس بحث کے محرکات: (دوافع)

اس بحث کے بہت سے محرکات ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ جس نے مجھے اس بحث کے لیے آمادہ کیا، وہ تمام میدانوں میں قرآن کریم کا دفاع کرنا ہے۔ اگرچہ یہ میدان میرے لیے کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو مثلاً نحو کا میدان، اس میں میرا تخصص ہے۔ میں نحو سے بے پناہ محبت کرتا ہوں، لیکن کتاب اللہ کا دفاع اور کسی چیز کی محبت مختلف چیز ہے۔

قرآن مجید کی نحو اور قراءات کے میدان میں تدریس کی مشغولیت کی وجہ سے میرا نحو میں شوق بہت زیادہ بڑھ گیا ہے اور اسی سے مجھے حرص پیدا ہوئی کہ نحو کے بعض قواعد کی تعدیل کروں، یہ تعدیل قرآن کریم کے تمسک پر قائم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہوگی۔نحوی قاعدہ وضع کرنے میں قرآن کریم کو مصدر اوّل بنایا جائے گا اور اسے سماع کے دیگر تمام مصادر پر مقدم رکھا جائے گا۔خاص طور پر شعر کے مصدر سے،جس سے زمانہ قدیم سے نحاۃ استدلال کرتے رہے،اسے سب سے زیادہ استعمال کیا،یہاں تک کہ یہ رائج نحو میں پہلے نمبر پر آ گیا۔یہی سے خرابی پیدا ہوئی۔اسی لیے اس کی اصلاح کرنا واجب ہوگیا اور اس کی صورت یہ ہے کہ سماع کے مصادر میں قرآن کریم کو صحیح جگہ پر رکھا جائے۔اسے شعر پر مقدم کیا جائے۔اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نحوی قاعدہ مستنبط کرتے وقت قرآن کریم کو پہلے نمبر پر رکھا جائے گا اور شعر کا مقام اس کے بعد آئے گا۔اس تقدیم و تاخیر کا فائدہ اختلاف کے وقت ظاہر ہوگا یعنی جب قرآن کریم سے مستنبط شدہ قاعدہ شعر سے مستنبط ہونے والے قاعدے کے خلاف ہوگا تو اس صورت میں ہم پر لازم ہے کہ ہم عربی شعر پر نص قرآنی کو مقدم ٹھہرائیں۔یہی وہ کوشش ہے جس کے لیے یہ مضمون لکھا گیا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ قرآن کریم کو دوسری نصوص پر مقدم رکھنے کے بارے میں اس موقف سے کوئی اختلاف رکھتا ہو۔

اَہداف

اس بحث کے متعدد مقاصد ہیں جن میں سے میری نظر میں درج ذیل اہم ہیں:

1. سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی خدمت کی جائے تا کہ ہر قسم کے قاعدے اور ضابطے کے لیے یہ مصدر اوّل بن جائے۔انہی میں سے نحو کے قواعد اور قوانین ہیں۔سوچ یہ ہے کہ ہمارے تمام دینی اور علمی معاملات میں قرآن کا فیصلہ ٹھوس بنیاد بن جائے۔قولی اور عملی طور پر اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دستور بنا لیا جائے۔
2. **عربی نحو کی خدمت:** عربی زبان کی گرائمر کی اس طرح سے حفاظت کی جائے کہ اس کی بنیاد مضبوط ہو، اس کی حفاظت کی جائے اور اس کا انحصار قرآن کریم کی نص پر ہو۔
3. **سابقہ گفتگو کا عملی فائدہ:** اب تک جو گفتگو ہوچکی ہے اس کا عملی فائدہ حاصل کیا جائے۔اس کی صورت یہ ہے کہ درس و تدریس میں مشغول علماء کے سامنے نحو قرآنی کا تصور واضح ہوجائے۔قرآنی نصوص کی روشنی میں رائج نحو کے جن قواعد کی اِصلاح کی ضرورت ہے۔ان کی اصلاح کردی جائے۔اس سے نحو بھی درست ہوجائے گی اور اس سے استفادہ بھی آسان ہوجائے گا۔
4. **عمومی طور پر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت:** اپنی عظیم الشان ہمیشہ رہنے والی وراثت کو مقدم کرنے کے ساتھ اسلام اور اہل اسلام کی خدمت ہوگی۔

تبیین و وضاحت

عربی زبان کے قواعد کی وسعت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ تمام مضبوط شواہد کو جمع کئے ہوئے ہے اور ان میں سے اہم ترین نص قرآنی ہے اور یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ نص قرآنی سے قاعدہ اَخذ کرنا اسے تاویلات اور فلسفوں سے بچاتا ہے۔ایسی تاویلات جو صدیوں سے چلی آ رہی ہیں، بعد والے پہلوں سے اسی طرح کسی تردید کے بغیر نقل کرتے چلے آ رہے ہیں۔جس سے یہ تاویلات رائج نحو کا حصہ بن چکی ہیں اور لوگ ان کے عادی بن چکے ہیں۔

نحو کی صحیح اور مضبوط بنیاد یہ ہے کہ قرآن کریم کو اصل بنایا جائے اور نحو اس کے تابع ہو۔

www.KitaboSunnat.com

قراءات کے بارے میں نحاۃ کا مؤقف

قراءات کے بارے میں نحویوں کے دو گروہ ہیں۔ان میں سے ایک جماعت قرآن مجید کی متعدد قراءات متواترہ و غیر متواترہ کو تسلیم کرتی ہے بلکہ ان میں سے بعض تو قراءت شاذہ کو بھی قبول کرتے اور استشہاد کے طور پر پیش کرتے ہیں اور فصحاء عرب کی لغات سے اس کی توثیق کرتے ہیں۔

دوسری جماعت بعض قراءات پر اعتراض پیش کرتی ہے۔اس سلسلے میں وہ قراءات متواترہ، غیر متواترہ اور شاذہ کے درمیان فرق نہیں کرتے، کیونکہ ان کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جہاں کہیں نحوی قاعدہ قراءات میں سے کسی قراءت سے متصادم ہو تو وہاں قراءت کے مقابلے میں نحوی قاعدے کا دفاع کیا جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک مومن پہلے موقف سے سکون محسوس کرتا ہے، کیونکہ کتاب اللہ اور خاص طور پر متواتر قراءات کو تسلیم کرنے کے بعد یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔یہاں میں قراءات شاذہ سے دلیل لینے والوں کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔میرا موضوع محکم قراءات سبعہ ہے۔

نہ ہی میں ایک وقت میں دو مختلف راستوں پر چلنے والے نحاۃ سے تعرض کروں گا۔مثال کے طور پر ابن جنی ہیں ان کے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ وہ بعض متواتر قراءات پر اعتراض کرتے ہیں اور بسا اوقات بڑی گرم جوشی سے شاذ قراءت کا دفاع کرتے ہیں۔میں تو صرف یہی چاہتا ہوں کہ قرآن مجید کی متواتر قراءات کا دفاع کروں اور قواعد بنانے میں اسے مصدر اوّل بنالوں۔بہت سے کہنے والے کہتے ہیں کہ کیا امر واقع میں قواعدِ نحویہ اور نص قرآنی میں اختلاف ہوا ہے؟ اور کیا قدیم و جدید علماء میں سے بھی کسی نے اس اختلاف کی نشاندہی کی ہے؟

تو اس کا جواب ہے: ہاں۔بہت سے مقامات پر یہ اختلاف ہوا ہے جبکہ قدیم و جدید علماء کی تنبیہ کے حوالے سے اس مضمون کے پہلے حصے میں گفتگو کی گئی ہے۔مختصراً بعض کبار علماء کے نام ذکر کرتا ہوں۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ [منجد المقرئین، ص۱۲۹]، فخر الدین الرازی رحمہ اللہ [تفسیر الرازي: ۱۹۳/۳، سورہ نساء]، ابن حیان رحمہ اللہ [البحر المحیط: ۱۵۶/۳]، ابی عمرو الدانی رحمہ اللہ [منجد المقرئین، ص۲۴۳]، ابن حزم رحمہ اللہ [کتاب الفصل فی الملل والأهواء والنحل لابن حزم ص ۲۹ طبع ۱۹۲۸ء]، القشیری رحمہ اللہ [إبراز المعانی لأبی شامه، ص۲۷۵، شرح شاطبیہ]، الحریری رحمہ اللہ [درة الغواص ص ۹۵]، ابن المنیر رحمہ اللہ [الانتصاف علی الکشاف: ۴۷۱/۱]، الدمامینی رحمہ اللہ [المواهب الفتحیه: ۵۴/۱ من اللغة والنحو، ص۹۷]، ابن الجزری رحمہ اللہ [منجد المقرئین، ص۲۴۱]، السیوطی رحمہ اللہ [الاقتراح: ۴۸] اور ان کے علاوہ ہر دور کے کبار علماء کرام ہیں۔میں نے اختصار کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔میں اس میدان میں اکیلا نہیں ہوں اور نہ ہی میں اس کام کا آغاز کرنے والا ہوں۔مجھ سے پہلے تاریخ کے ہر دور میں قرآن کریم کا دفاع کرنے والے موجود رہے ہیں۔جب ان علماء کی آواز ماضی کی تاریخ میں دبتی ہوئی محسوس ہوئی تو میں نے اس پیغام کو دورِ حاضر کے علماء کے سامنے پیش کیا ہے۔تاکہ وہ نص قرآنی پر اعتراض کرنے والوں کے خلاف میری مدد کریں۔

نحو کا سماعی مصادر سے تعلق

بسا اَوقات یہ بات کہی جاتی ہے کہ دنیا کی ہر معروف زبان کی خاص نحو (گرائمر) ہوتی ہے اور یہ گرائمر ایسے قواعد پر مشتمل ہوتی ہے، جسے علماء نے اس زبان کے اسلوب سے اَخذ کیا ہوتا ہے۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہماری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عربی زبان دنیا کی زبانوں میں سے سب سے اوپر ہے۔اس کی وسعت، گہرائی اور عظمت کے لیے یہ بات ہی کافی ہے کہ یہ قرآن کریم کی زبان ہے۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ عربی گرائمر کا آغاز قرآن مجید کے بعد اس وقت ہوا، جب فصیح عربی زبان میں لوگ غلطیاں کرنے لگے۔ یہ بات بھی معلوم شدہ ہے کہ عربی زبان کے قواعد حسب ذیل سماعی مصادر سے اَخذ کئے گئے۔

① قرآن کریم ② حدیث نبوی (ان دقیق شروط کے ساتھ جو علما نے عائد کی ہیں)

[تفصیل کے لیے دیکھئے، قراء ات المجمع اللغوی بالقاهرة والشروط التي وضعها لذلك]

③ کلام عرب: شعر یا نثر کی صورت میں۔

عربی زبان کے سماعی مصادر یہی تین ہیں۔ یہاں میں حدیث نبوی کو دلیل بنانے کے بارے میں علماء کے اختلاف کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا (اس موضوع کی تفصیل کے لیے دیکھئے: دراسات في العربية وتاريخها لفضيلة الشيخ محمد الخضر حسين، ص۱۶۶، موقف النحاة من الاحتجاج بالحديث الشريف، تأليف الدكتورة خديجة الحديثي) میں یہاں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ان مصادر میں سے قرآن کریم سب سے مقدم ہے اور یہ وہ حقیقت ہے جسے مسلم، غیر مسلم ہر ایک نے تسلیم کیا ہے۔ قرآن کریم نے اپنے دشمنوں کو بھی قرآن کی فضیلت کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دیا۔ ایک کہنے والا کہتا ہے: ''اللہ کی قسم تم میں سے کوئی شخص مجھ سے زیادہ شعر نہیں جانتا نہ کوئی رجز اور قصیدہ مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ اللہ کی قسم یہ سب کچھ اس (رسول اللہ ﷺ) کے قول (قرآن) کے ذرا بھی برابر نہیں ہے۔ اللہ کی قسم اس کا قول شیریں اور یہ ہر ایک سے بڑھ کر خوبصورت ہے، یقیناً یہ بلند ترین روشنی ہے، مشرق بھی اس سے کم تر ہے۔ یہ غالب ہے اور کوئی اس پر غالب نہیں آ سکتا اور یہ ہر چیز پر حاوی ہے۔'' (یہ بات ولید بن مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہی تھی۔ جب اس نے کفر کی حالت میں قرآن کریم کی تلاوت سنی تھی۔ اس طرح کی بعض دیگر روایات بھی ہیں جو مختلف مراجع میں موجود ہیں۔ [أسباب النزول للسيوطى، ص۲۲۳، تفسير القرطبى: ۶۸۶۵/۸، الروض الأنف، شرح سيرة ابن هشام للإمام عبدالرحمن السهيلي ج۳، ص۶۱] ولید رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب نہ تو وہ مسلمان ہوا تھا اور نہ ہی اس نے ایمان کی حلاوت چکھی تھی بلکہ اس کے حالات سے معلوم ہے کہ وہ کفر پر فوت ہوا۔ لیکن انصاف کے کسی لمحے میں یہ سچ اس کی زبان سے جاری ہو گیا۔

جب ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم مطلق طور پر تمام مصادر میں سب سے اوثق ہے اور دوسرے مصادر کی طرح اس سے بھی نحو اخذ کی جاتی ہے تو ایک محقق کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ نحو کو قرآن کے تابع کرے نہ کہ قرآن کو نحو کے تابع۔ جیسا کہ ہر صادق ایمان والے مسلمان پر لازم ہے کہ وہ کتاب اللہ کے بارے میں غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قراء ات متواترہ سے ہر طعن کو دور کرے اور اس کی حفاظت کرے۔ عجیب بات یہ ہے کہ نص قرآنی پر وارد ہونے والے اعتراضات تمام قراء ات پر مشتمل ہیں۔ قراء ات متواترہ میں سے کوئی بھی قراءت ایسی نہیں جو نحویوں کی طعن اور جرح سے محفوظ ہو۔

کیا یہ بات دین اور منہج کے اعتبار سے درست ہے؟

ہرگز درست نہیں ہے۔ کیونکہ دین قرآن کی حفاظت اور منہج اس کا دفاع کرتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دین قرآن پر وارد ہونے والے اعتراض کو دور کرتا ہے

دین کے بارے میں یہ بات بدیہی طور پر معلوم ہے، اس کو ثابت کرنے کے لیے کسی تفصیل اور کوشش کی ضرورت نہیں ہے۔ جب ہم قراءات متواترہ کے بارے میں اعتراض دیکھتے ہیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ کیا ہم اس طعن کو قبول کرلیں اور اپنی آراء ان کے مطابق بنالیں یا قرآن کریم کا دفاع کرنے کی کوشش کریں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلم پر واجب ہے کہ وہ قرآن کریم کا دفاع کرے اور اس بارے میں کسی قسم کی سستی، کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ نہ کرے۔

اگر ہم یہ بات فرض کرلیں کہ ہم قرآن مجید کے دفاع سے دستبردار ہوجاتے ہیں اور قراءات کے بارے میں اعتراضات کو تسلیم کرلیتے ہیں تو اس صورت میں ہم کسی قراءۃ کو منزل من اللہ اور مقدس سمجھیں گے؟ اسی وجہ سے ہم قرآن کریم کے دفاع کے لیے کھڑے ہوئے ہیں اور اس موضوع پر مختلف پہلوؤں سے گفتگو کی ہے۔

منہج بھی اس اعتراض کو دور کرتا ہے

ایک انصاف کرنے والا محقق مسلم ہو یا غیر مسلم اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ قرآن مجید پر نحوی اعتراض کو تسلیم نہ کیا جائے۔ منہج اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ قرآن مجید کو سماعی مصادر میں سب سے بلند مقام پر رکھا جائے۔ کیونکہ مشرق و مغرب کے انصاف پسند محقق اس بات پر متفق ہیں کہ یہی زمین پر سب سے زیادہ ثقہ نص ہے۔ کسی بھی دوسری نص کو یہ توثیق حاصل نہیں ہے۔

مثال کے طور پر جاہلی شعر کو دیکھئے۔ یہ بات واضح ہے کہ جاہلی شعر عربی زبان میں دلیل کے اعتبار سے اسلامی، اُموی اور عباسی دور کے شعر سے زیادہ مضبوط ہے۔ اس کا سبب واضح ہے۔ پوری دنیا سے لوگوں کے اسلام قبول کرنے سے عربی زبان کی فصاحت کمزور ہوئی لہٰذا جاہلی دور کا شعر اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اسلامی دور کے شعر پر مقدم ہے۔ اس توثیق کے ساتھ ہم دیکھتے ہیں۔ جاہلی شعر کی نسبت کے بارے میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں، اس کے باوجود جاہلی شعر کی حیثیت مسلم ہے۔ اس کے مقابلے میں قرآن مجید کی کیفیت یہ ہے کہ باطل اس کے دائیں، بائیں، آگے، پیچھے اور اُوپر نیچے سے نہیں آسکتا۔ اس کے بارے میں شک والی معمولی چیز بھی نہیں ہے۔ یہ حکیم اور حمید ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

اس منطقی بحث کا نتیجہ بھی یہی نکلتا ہے کہ قرآن مجید پر وارد ہونے والے کسی اعتراض کو تسلیم نہ کیا جائے۔

بعض شبہات اور ان کا جواب

بعض بڑے بڑے علماء قراءۃ کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ نحوی قاعدہ سے تعارض کی صورت میں اپنے ہی قول کی مخالفت کرتے ہیں۔

جواب: یہ نحوی علماء قراءۃ کے سنت ہونے پر یقین رکھتے ہیں، انہیں مطلق طور پر ان میں کوئی شک نہیں، لیکن تعارض کی صورت میں وہ بھول جاتے ہیں کہ یہی بنیادی مأخذ ہے۔ قواعد نحو یہ سے اتفاق نہ کرنے والی قراءات کی مخالفت شروع کردیتے ہیں۔ اپنے بصری، کوفی وغیرہ نحوی طبقے کے دفاع کی حرص میں قراءات کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ محض مذہبی تعصب کی وجہ سے ہے۔ جیسے مشہور قول ہے: ”العصبية تعمى وتصم“ عصبیت اندھا اور بہرہ بنا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتی ہے۔ ان علماء کی نیت بُری نہیں ہوتی بلکہ وہ حسن نیت کے ساتھ ایسا کرتے ہیں، لیکن مذہبی تعصب انہیں حق سے دور لے جاتا ہے۔ یہی بنیادی سبب ہے۔ اس کی وجہ سے ہم ان پر الحاد، زنادقہ اور اسی قسم کا حکم نہیں لگا سکتے۔

فضیلۃ الشیخ عظیمہ رحمہ اللہ نے یہ متعارض مؤقف سیبویہ رحمہ اللہ کا بیان کیا ہے۔ سیبویہ رحمہ اللہ اپنی کتاب میں کہتے ہیں: ”القراءۃ لاتخالف لأنها السنۃ“ [الکتاب:۱/۷۴] ”سنت ہونے کی وجہ سے قراءۃ کی مخالفت نہیں کی جائے گی۔“

یہ واضح موقف بھی انہیں بعض قراءات کے رد سے نہ روک سکا۔ شیخ عظیمہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اس کی مثالیں مکمل حوالوں کے ساتھ بیان کی ہیں۔ [دراسات لأسلوب القرآن الکریم:۱/۴۹]

سچی بات یہ ہے کہ قراءات کے بارے میں یہ موقف اختیار کرنے میں سیبویہ رحمہ اللہ اکیلے نحوی نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ علماء کی ایک کثیر تعداد کا یہی مؤقف ہے۔ یہ تمام جلیل القدر علماء ہیں۔ ہم ان کا احترام کرتے ہیں۔ ہمیں ان کے عقیدے کی سلامتی میں کوئی شک نہیں۔ ہم ان لوگوں کی تائید نہیں کرتے جو ان علماء کو کفر اور ارتداد کی حالت میں سمجھتے ہیں۔ [البحر المحیط:۱/۳۶۵] تعارض کی صورت میں ہم ان کی غلطی کو نحوی مذہبی عصبیت کا شاخسانہ سمجھتے ہیں۔ جنہوں نے پہلے جاہلی شعر سے قواعد بنائے پھر ان قواعد کا ٹوٹنا یا ان کی اصلاح کرنا ان پر گراں گزرتا ہے۔

گذارش

اس بحث سے حسب ذیل اَہداف اور گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں:

① اس حقیقت کو تسلیم کیا جائے کہ تقدیس صرف نصوص قرآنیہ کو حاصل ہے نا کہ قواعد نحویہ کو، اور اس ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

② قرآنی شواہد کی روشنی میں قواعد کی درستگی کی جائے۔

③ نحو قرآن کو تمام بلاد اسلامیہ میں عام کرنے کے لیے بھرپور مدد کی جائے۔ اس تعاون کے لیے علمی، دینی اور اجتماعی ہر طرح کے وسائل استعمال کئے جائیں۔ بالخصوص علمی اور اجتماعی مراکز، زبان کی تعلیم کے ادارے، عربی اور اسلامی تعلیم کے کالجز اور یونیورسٹیاں، بلاد عربیہ کی یونیورسٹیوں، دنیا بھر میں پھیلے ہوئے تحقیق کے اداروں میں اس فکر کو عام کیا جائے۔ اس کے لیے ذرائع ابلاغ کے مختلف وسائل استعمال کئے جائیں۔ اسلامی حکومتوں پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تعلیمی اداروں کے مختلف درجات میں اس کی تعلیم کا اہتمام کریں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہ علم اَوراق تک محدود ہو جائے گا اور زندگی کی غبار میں دب جائے گا۔

جب میں پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ رہا تھا تو اس دوران میں نے دیکھا کہ بعض قواعد نحویہ قراءاتِ قرآنی کے خلاف ہیں۔ اس وقت سے یہ فکر میرے سر پر سوار ہے اور میں نے اس موضوع پر کام کرنے کا تہیہ کیا۔ پھر میں نے اپنے بعض دوستوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کو دیکھا کہ ان کی آراء اسی مسئلہ میں متعارض ہیں۔ میں صمیم قلب سے ان کی ہدایت کے لیے دعا گو ہوں اور ان کے بارے میں یہی کہوں گا۔ اللهم اهد قومي فإنهم لا يعلمون

میں مشرق ومغرب میں پھیلے ہوئے علماء سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ اس نظریہ کا بھرپور تنقیدی جائزہ لیں۔ میں اپنے بڑھاپے اور کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے شاید اس کا حق اَدا نہ کرسکوں لیکن میں نے یہ موضوع سامنے رکھ دیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ میں آزادیِ اظہار رائے اور علمی تنقید کا پوری طرح قائل ہوں۔تنقید کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، اس کا فائدہ ہی ہوتا ہے۔ تحقیق وتنقید سے کسی شے کا جوہر حقیقی واضح ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ﴾

مجھے اس بات کا یقین ہے کہ فاضل علماء میری غلطیوں، کوتاہیوں سے درگزر کریں گے۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ اس میدان میں ایک اچھوتے موضوع کے بارے میں وہ وسعت سے کام لیں گے۔ ابتکار اسی چیز کا نام ہے کہ ایسی نئی چیز سامنے لانا جو پہلے رائج نہ ہو۔ محققین کو علم کی خدمت، حق کی نصرت اور قرآن کریم کے دفاع کے لیے اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔

آخر میں یہ عرض کرتا چلوں، ہمیں کسی پر الزام لگانے اور فتویٰ صادر کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے۔ اگر کسی مخلص محقق کی رائے سے ہمیں اختلاف ہو تو اس کے لیے عذر تلاش کرنا چاہئے۔ ایک تحقیق کرنے والا بھی انسان ہی ہے۔ اس سے غلطی اور صواب دونوں پہلوؤں کا امکان ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کے مصداق دونوں حالتوں میں وہ اللہ سے اجر پائے گا۔ اس موقع پر مجھے امام مالک رحمہ اللہ کا قول یاد آرہا ہے:

”كلّ إنسان يؤخذ منه ويرد عليه إلا صاحب هذا القبر ﷺ“

”رسول اللہ ﷺ کی بات کے علاوہ ہر انسان کی بات کو لیا بھی جاسکتا ہے اور چھوڑا بھی جاسکتا ہے۔“

میرا ارادہ محض قرآن کریم کے دفاع میں خالص علمی انداز سے علوم قرآنیہ کی خدمت کے کام میں شامل ہونا ہے۔ میں اپنے آپ کو کسی کمی اور کوتاہی سے مبرا نہیں سمجھتا اور کمال تو صرف قرآن کریم کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ میری اس کاوش کو خالص اپنی رضا کے لیے قبول فرمالے، قرآن مجید کی مزید خدمت کی توفیق دے اور آخرت میں ذریعہ نجات بنادے۔ وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب .

نظریہ نحو قرآنی کا آغاز اور اس کا اِرتقاء

سب سے پہلے میں یہ عرض کرتا چلوں کہ اس نظریہ کی طرف دعوت دینے والا میں پہلا شخص نہیں ہوں۔ صدیوں سے کبار علماء اس کی دعوت دے رہے ہیں۔ قرآن کریم کی متواتر قراءات کا دفاع کرنے والوں اور قواعد نحویہ کی بنیاد پر قرآن مجید پر اعتراض کرنے والوں کے درمیان یہ کشمکش شروع سے ہی جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل وکرم سے اس نظریہ کی نشاندہی کرنے اور مکمل تصور پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ میں نے چار عناصر، بحث کا میزان، محور، بنیادی ڈھانچے اور اساسی بنیادوں میں اس موضوع کا احاطہ کیا ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے سے پہلے آغاز سے لے کر آج تک اور اس درمیانی دور میں کوشش کرنے والے علماء کا تذکرہ کرتے چلیں۔

میرے علم کے مطابق اس نظریہ کی طرف دعوت دینے والے سب سے پہلے عالم ابوزکریا الفراء (ت ۲۰۷ھ) ہیں۔ ان کے دور میں فتنے اور خواہشات کی پیروی عام ہوگئی تھی، عصبیت شدت اختیار کرگئی تھی۔ قرآن کریم پر اعتراضات وارد ہونے لگے۔ ان حالات میں قرآن کریم کا دفاع ان پر لازم ہوگیا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے شہرستانی کی کتاب، الملل والنحل: ۸۱/۱، مطبعہ ازھر اور مؤلف کی کتاب ابوزکریا الفراء رحمہ اللہ ص ۹۰ دیکھئے)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نحاۃ نے بعض آیات میں بہت زیادہ اختلاف کیا، ان پر مذہبی عصبیت غالب آ گئی۔ نحو کے قراءاتِ قرآنیہ سے تعارض کی صورت میں انہوں نے قراءات کا ردّ کیا۔ [الکتاب:۱/۲۳۳، طبع بولاق] اور ان کی صفات میں ایسی باتیں کہی جو بہرحال قرآن کریم کے مناسب نہیں، کیونکہ اس کتاب کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ باطل کسی طرف سے بھی اس میں داخل نہیں ہوسکتا، یہ تو حکیم وحمید ذات کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

ان کٹھن حالات میں فراء نے قرآن کریم کے دفاع کا فریضہ ادا کیا اور کہا"إن لغة القرآن أفصح أساليب العربية على الإطلاق" [كتاب العربية یوھان نک، ترجمہ ڈاکٹر عبدالحلیم النجار، ص۵، مؤلف کی کتاب سیبویہ والقراء ات، ص۲] ایک دوسرے مقام پر کہا: "الكتاب أعرب وأقوى في الحجة من الشعر"[معانی القرآن للفراء:۱/۱۴] ''قرآن مجید دلیل میں شعر سے زیادہ مضبوط ہے۔''

امام فراء رحمہ اللہ اپنی ذکاوت اور تقویٰ میں بلند مقام پر فائز تھے۔ علماء نے آپ کی قابلیت، ذہانت اور نیکی کی گواہی دی ہے۔ امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ نے آپ کے بارے میں کہا:"ما ظننت آدميا يلد مثلك" میں نے آپ جیسا آدمی نہیں دیکھا۔ [تاريخ بغداد طبع السعادة، تهذيب التهذيب للعسقلانی:۱۱/۲۱۲ طبع حیدر آباد] امام محمد رحمہ اللہ نے یہ بات اس وقت کہی جب انہوں نے ایک فقہی مسئلہ نحو سے مستنبط کیا تھا، جب ان سے پوچھا گیا، جو سجدہ سہو میں بھول جائے وہ کیا کرے؟ تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد آپ نے فرمایا: لاشيء عليه پوچھا گیا کیوں؟ فرمایا:لأن المصفر لا يصفر اس جواب پر امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا:(ما ظنت آدميا يلد مثلك)

آپ کے بارے میں دوسرے علماء نے کہا: لو لا الفراء ما كانت اللغة [معجم الادباء:۲۰/۱۱] اگر فراء رحمہ اللہ نہ ہوتا تو لغت بھی نہ ہوتی۔ ولا كانت العربية [شذرات الذهب لابن العماد ۲/۱۹] اور نہ ہی عربی زبان ہوتی، کیونکہ انہوں نے عربی زبان کو حاصل کیا، اس کی تہذیب کی اور اسے ضبط کیا۔ [معجم الادباء:۲۰/۱۱۔ دائرہ معارف القرآن العشرين:۷/۱۳۹، شذرات الذهب:۲/۱۹،طبقات الفراء:۲/۳۷۱] اہل علم نے آپ کو بڑا مقام دیا ہے۔ فراء رحمہ اللہ کے آنے پر سعید بن سالم رحمہ اللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: قد جاء كم سيد أهل اللغة، وسيد أهل العربية [معجم الأدباء:۱۱/۲۲۷] ''تمہارے پاس اہل زبان اور اہل عرب کا سردار آیا ہے۔'' علماء نے آپ کو نحویوں کا امیر المومنین قرار دیا ہے۔ الفراء أمير المومنين في النحو [تهذيب التهذيب :۱۱/۲۱۲]

عصر حاضر کے مسلم اور غیر مسلم (تمام نے آپ کی عربی دانی کا اعتراف کیا۔ یورپی مستشرق یوھان نك نے آپ کی تعریف یوں کی:'الفراء العظيم' (العربیہ مترجم ڈاکٹر عبدالحلیم النجار) ڈاکٹر طہٰ حسین نے کہا کہ تاریخ ادب عربی میں آپ کی نظیر نہیں۔ آپ تعجب انگیز کمالات کے مالک ہیں۔ [مقدمة إحياء النحو، طبع سنہ ۱۹۵۱ء]

قدیم وجدید علماء کی رائے میں اس اہمیت کا مالک فراء وہ پہلا شخص ہے جس نے قرآن کریم کا دفاع کرتے ہوئے قواعد نحویہ پر قرآن کریم کو مقدم ٹھہرایا۔ آپ کے بعد جن علماء نے احساس اور شعور کے ساتھ ان نظریہ کو پروان چڑھایا ان کا مختصراً تذکرہ کرتے ہیں۔

ابن خالویہ رحمہ اللہ (م۳۷۰ھ) نے کہا:"قد أجمع الناس جميعا إن اللغة إذا وردت في القرآن فهي أفصح مما في غير القرآن، لا خلاف في ذلك" [ض:۱/۲۵۷، اس موضوع پر کتاب الحجة لابن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

خالویہ ص۶۱ پر بھی بحث کی ہے] ''تمام لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ جب کوئی لغت قرآن کریم میں آ جاتی ہے تو وہ غیر قرآن سے زیادہ فصیح ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

ابوعمرو دانی رحمہ اللہ (م۴۴۴ھ) نے کہا:

"وأئمة القراء ة لاتعمل من القرآن في شيء على الأفشى في اللغة، والأقيس في العربية، بل على الأثبت فى الأثر، والأصح فى النقل، والرواية إذا ثبتت عنهم لم يردها قياس عربية ولا فشو لغة، لأن القراء ة سنة متبعة، فلزم قبولها والمصير إليها"

''آئمہ قراءات قرآن مجید میں مشہور لغت اور عربی میں قیاس کے مطابق عمل نہیں کرتے بلکہ جو اثر ثابت ہو، نقل میں صحیح ہو اور روایت سے ثابت ہو تو اسے اختیار کرتے ہیں اور اسے کسی عربی قیاس یا مشہور لغت کی بنیاد پر ردّ نہیں کرتے کیونکہ قراءت پیروی کی جانے والی سنت ہے، اسے اختیار کرنا اور قبول کرنا لازم ہے۔'' [منجد المقرئين، ص۲۴۳]

ابن حزم رحمہ اللہ (م۴۵۶ھ) نے قراءات کے بارے میں نحویوں کے مؤقف پر تعجب کرتے ہوئے کہا:

"لا عجب أعجب ممن أن وجد لامرئ القيس أو لزهير أو لحرير أو الحطيئة أو الطرماح أو لأعرابى أسدى أو سلمى أو تميمي أو من سائر أبناء العرب لفظا في شعر أو في نثر جعله في اللغه وقطع به ولم يعترض عليه۔ ثم إذا وجد الله تعالىٰ خالق اللغات وأصلها كلاما لم يلتفت إليه ولا جعله حجة وجعل يصرفه عن وجهه ويحرفه عن موضعه ويتحيل فى إحالته عما أو قعه الله عليه" [كتاب الفصل فى الملل والنحل لابن حزم، ص۲۹]

''اس سے عجیب تر بات کوئی نہیں ہوسکتی ہے کہ اگر امراؤ القیس، زہیر، جریر، حطیہ، طرماح یا عرب قبائل میں سے اسد، سلم، تمیم یا پورے اہل عرب میں سے کسی کا لفظ شعر یا نثر کی صورت میں مل جائے تو اسے حتمی لغت بنا لیتے ہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا اور اگر زبانوں کے خالق اور ان کے اصل اللہ تعالیٰ کا کلام مل جائے تو اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے نہ اسے دلیل بناتے ہیں اس سے پھر جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی جو حیثیت بنائی ہے، اسے بدل دیتے ہیں۔''

قشیری رحمہ اللہ (م۴۷۵ھ) نے بعض قراءات پر اعتراض کرنے والے زجاج کا تعاقب کرتے ہوئے کہا:

"ومثل هذا الكلام مردود عند ائمة الدين لأن القراء ات التى قرأ بها أئمة القراء ثبتت عن النبىﷺ تواترا يعرفه أهل الصفة، وإذا ثبت شيء عن النبى فمن ردّ ذلك فقد ردّ على النبىﷺ واستقبح ما قرأ به وهذا مقام محذور، لا نقلّد فيه أئمة اللغة والنحو" [إبراز المعانى لأبي شامة، ص۲۷۵، شرح الشاطبية]

''آئمہ دین کے نزدیک ایسا کلام مردود ہے، کیونکہ آئمہ قراء نے جو قراءات پڑھی ہیں وہ نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ ہیں۔ جس نے اس بات کو رد کیا تحقیق اس نے نبی کریم ﷺ کو رد کیا اور آپ کی قراءت کو ناپسند جانا۔ ایسا کرنا حرام ہے۔ اس مسئلہ میں آئمہ نحو اور لغت کی تقلید نہیں کی جائے گی۔''

ایک اور دوسرے مقام پر فرمایا:

"قال قوم هذا قبح وهذا محال، لأنه ثبتت القراء ة بالتواتر عن النبىﷺ فهو الفصيح لا القبيح" [جامع أحكام القرآن للقرطبي:۹۳/۷]

''ایک قوم نے کہا یہ ناپسند اور محال ہے، کیونکہ جب نبی کریم ﷺ سے کوئی قراءۃ تواتر کے ساتھ ثابت ہو جائے تو وہی فصیح ہے نا کہ قبیح۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حریری رحمہ اللہ (م ۵۱۶ھ) نے قراءات پر اعتراض کرنے والے مبرد [تفصیل کے لیے دیکھئے الکامل للمبرد:۷۴۹/۲، شرح المفصل:۷۸/۳، درة الغواص، ص۹۵ اور مؤلف کی کتاب الدفاع عن القرآن، ص۶] کا تعاقب کرتے ہوئے کہا:

”وهذا من حملة سقطاته وعظيم هفواته، فإن هذه القراءة من السّبعة المتواتره وقد في ورطة وقع في مثلها بعض النحاة بناء على أن القراءات السّبع عندهم غيرمتواترة وأنه يجوز أن يقرأ بالرأي، وهو مذهب باطل وخيال فارغ“ [درة الغواص، ص۹۵، بتصرف يسير]

”یہ بات اس کی مردود اور بڑی حماقتوں میں سے ہے۔ یہ قراءۃ متواتر سبع قراءات میں سے ہیں۔ تحقیق وہ اور اس جیسے دوسرے نحوی ہلاکت میں گر گئے ہیں جن کے نزدیک قراءات سبعہ غیر متواتر ہیں اور قرآن مجید رائے کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ یہ باطل مذہب اور غلط سوچ ہے۔“

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (م ۶۰۶ھ) نے کہا:

”إذا جوزنا إثبات اللغه بشعر مجهول فجواز إثباتها بالقرآن العظيم أولى، وكثيرًا ما ترى النحويين متحيّرين فى تقرير الألفاظ الواردة فى القرآن، فإذا استشهدوا في تقريرها ببيت مجهول فرحوا به وأنا شديد التعجّب منهم فإنهم إذا جعلوا ورود القرآن دليلا على صحتها كان أولىٰ“ [تفسير الرازی:۱۹۳/۳، سورة النساء]

”جب ہم مجہول شعر سے لغت ثابت کرتے ہیں تو قرآن کریم کے ساتھ ثابت کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ہم بہت سے نحویوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ قرآنی الفاظ سے استدلال کرتے ہوئے حیران ہوتے ہیں اور جب مجہول شعر سے استدلال کیا جائے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔ ہمیں ان کے رویے سے شدید تعجب ہے۔ اگر وہ لغت کی صحت کے لیے قرآن کریم کو دلیل بناتے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔“

ابن المنیر رحمہ اللہ (م ۶۳۳ھ) نے کہا:

”وليس غرضنا تصحيح القراءة بقواعد العربية، بل تصحيح قواعد العربية بالقراءة“

[الانتصاف على الكشاف:۴۷۱/۱]

”ہمارا مقصد قواعد عربیہ کے ساتھ قراءۃ کی نہیں بلکہ قراءۃ کے ذریعے عربی قواعد کی تصحیح کرنا ہے۔“

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) نے کہا:

”ولم ينكر أحد من العلماء قراءة العشرة ولكن من لم يكن عالما بها أو لم تثبت عنده ...... فليس له أن يقرأ بما لا يعلمه فإن القراءة سنّة، يأخذها الآخر عن الأول ولكن ليس له أن ينكر على من علم ما لم يعلم من ذلك“ [منجد المقرئين، ص۱۲۹]

”علماء میں سے کسی نے قراءۃ عشرہ کا انکار نہیں کیا ہے۔ اس کا انکار اسی نے کیا ہے جو یا تو ان کا علم نہیں رکھتا یا اس کے نزدیک یہ ثابت نہیں ہیں ...... تو اسے اس چیز کی تلاوت نہیں کرنی چاہئے جس کا وہ علم نہیں رکھتا۔ قراءۃ سنت ہے جنہیں بعد والوں نے پہلوں سے لیا ہے کسی کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ وہ اس کے عالم کا انکار کرے۔“

ابوحیان رحمہ اللہ (م ۷۴۵ھ) نے کہا:

”ولسنا متعبدين بقول نحاة البصرة ولا غيرهم ممن خالفهم، فكم حكم ثبت بنقل الكوفيين من كلام العرب لم ينقله البصريون، وكم حكم ثبت بنقل البصرين لم ينقله الكوفين“ [البحر المحيط:۱۵۶/۳]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ہم بصرہ یا ان کے مخالف نحویوں کی بات تسلیم کرنے والے نہیں ہیں۔ عربی زبان کے کتنے ہی حکم ہیں جو کوفیوں کے نقل کرنے سے ثابت ہیں جبکہ انہیں بصریوں نے بیان نہیں کیا اور کتنے ہی احکام ہیں جنہیں کوفیوں نے نقل نہیں کیا اور بصریوں کے نقل کرنے سے ثابت ہیں۔''

امام دمامینی رحمہ اللہ (م ۸۲۷ھ) نے کہا:

"لايكون نقل القراء...... أوّل من نقل ناقلي العربية والأشعار والأقوال، فكيف يطعن فيما نقله الثقات بأنه لم يجيىء مثله؟ ولو نقل ناقلون عن مجهول الحال لقبلوه، فقبول هذا أولى" [المواهب الفتحية: ۵۴/۱ نقلا عن اللغه والنحو، ص ۹۷]

''قول کا نقل کرنا...... عربی اشعار اور اقوال نقل کرنے والوں سے کچھ نہیں ہے۔ ثقہ راویوں کے نقل کرنے میں کس طرح اعتراض کیا جاسکتا ہے؟ محض اس بات پر کہ انہوں نے (نحویوں) کی مثل بیان نہیں کیا اگر یہ نحوی مجہول الحال کی بات کو قبول کر لیتے ہیں تو ان قراء کی بات کو قبول کرنا اولیٰ ہے۔''

ابن جزری رحمہ اللہ (ت ۸۳۳ھ) فرماتے ہیں:

"كل قراءة وافقت العربية ولو بوجه ووافقت أحد المصاحف العثمانية ولو احتمالًا وصح سندها في القراءة الصحيحة، لايجوز ردّها ولا يصحّ إنكارها" [النشر: ۹/۱]

''ہر قراءۃ جو عربی کی کسی بھی صورت کے موافق ہو اور مصاحف عثمانیہ میں سے کسی کے موافق ہو چاہے احتمالا، اور اس کی سند صحیح ہو تو وہ قراءۃ صحیحہ ہے۔ اس کا ردّ کرنا جائز نہیں اور اس کا انکار کرنا صحیح نہیں ہے۔''

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فكل ما ورد أنه قرئ به جاز الاحتجاج به في العربيه، سواء أكان متواترا، أم آحادا، أم شاذا" [الاقتراح، ص ۴۸]

''قراءت میں جو کچھ بھی بیان کیا گیا، عربی زبان میں اس سے دلیل پکڑنا جائز ہے، چاہے وہ متواتر ہو، احاد ہو یا شاذ ہو۔''

عصر حاضر میں بھی اس نظریہ کے حامی بہت سے علماء کرام ہیں۔ ہم اختصار کے لیے صرف ایک کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ شیخ رشید رضا بعض آیات کے اعراب میں تفصیل بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"والقرآن فوق النحو والفقه والمذاهب كلّها فهو أصل الأصول، ما وافقه فهو مقبول وما خالفه فهو مردود مرذول وإنما يهمنا ما يقوله علماء الصحابة والتابعين فيه فهو العون الأكبر لنا على فهمه" [تفسير المنار عند قوله تعالىٰ: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ﴾ [المائدة: ۱۰۶]

''قرآن مجید، نحو، فقہ اور مذاہب تمام سے برتر ہے۔ یہ اصل الاصول ہے۔ جو اس کے موافق ہے وہ مقبول اور جو اس کے مخالف ہے وہ مردود اور ضائع ہے۔ ہمارے لیے علماء، صحابہ اور تابعین کے اقوال اہم ہیں اور قرآن مجید کے سمجھنے میں سب سے بڑے مددگار ہیں۔''

صدیوں پر محیط تاریخ کے اوراق میں سے یہ چند ایک نصوص ہیں جو آپ کے سامنے پیش کی ہیں وگرنہ اس بارے میں علماء کے بہت زیادہ اَقوال موجود ہیں۔ میں نے تو مطبوع کتابوں کا بھی احاطہ نہیں کیا جب کہ ہزاروں مخطوطوں میں بہت سا علم موجود ہے۔ بہرحال علماء کے ان اَقوال سے ان کا موقف، احساس اور تصور واضح ہوتا ہے۔ لیکن اس نظریہ کی حقیقت، استنباط کے عناصر اور خصائص کی تفصیل نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان باتوں کو کھول کر بیان کیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جائے گا لیکن وہاں علماء کی باتوں میں ایک حرف کا بھی اضافہ نہیں ہوگا۔

نظریہ نحو قرآنی کی اساس اور اس کے بنیادی اُرکان

اس بحث کی تفصیل میں جانے سے پہلے ہم ایک سوال پیدا کرتے ہیں۔

کیا نحو قرآنی کا تصور ہے؟

اگر اس کا جواب ہاں ہے تو وہ کس حد تک قرآنی نحو سے متفق اور کس حد تک رائج نحو کے خلاف ہے؟

اب ہم اس سوال کا مکمل اطمینان کے ساتھ جواب دیتے ہیں کہ ہاں نحو قرآنی ہر اعتبار سے مکمل اور کامل ہے۔نحو قرآنی اور رائج نحو میں اتفاق اور اختلاف کو درج ذیل تقسیم کے ذریعے واضح کرتے ہیں:

1. وہ قسم جسے نحوی تسلیم کرتے ہیں، کلام عرب کی نظائر کی طرح ہے۔ وہ اس کی موافقت کرتے ہیں۔
2. وہ قسم جسے نحوی تسلیم نہیں کرتے۔ وہ اس کی تاویل کرتے ہیں یا پھر صریح یا مخفی طور پر اس پر اعتراض کرتے ہیں۔

ہم ان دونوں قسموں پر بات کریں گے۔اولیٰ سے شک کے بغیر یہ دونوں نحو قرآنی کا حصہ ہیں۔البتہ دوسری قسم ہماری بحث کا اصل محور ہے۔اس پر تفصیل سے بات ہوگی۔ اسی میں نحوی اختلاف کرتے ہیں۔ پہلی قسم پر تو الحمدللہ تمام ہی اتفاق کرتے ہیں۔

دوسری قسم جس کے بارے میں بعض نحوی اعتراض کرتے یا ان کی تاویل کرتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ان پر لازم ہے کہ وہ اسے قبول کریں اور اس پر اعتماد کریں۔ کیونکہ قرآن کریم پر مطلق ایمان اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کے تمام اسالیب اور استعمالات کو قبول کریں۔ تمام قواعد اور قوانین کو اس کے تابع بنائیں۔نحو کی قرآن کی بنیاد پر تصحیح کریں، نا کہ نحو کی بنیاد پر قرآن کی تصحیح کی جائے، کیونکہ قرآن کریم مطلق طور پر صحیح ترین ماخذ ہے۔قواعد نحویہ کو مستنبط کرنے میں دیگر ماخذ کی نسبت قرآن کریم اولیٰ ہے۔قواعد نحویہ اور آیاتِ قرآنیہ میں اختلاف کی صورت میں نحو قرآنی کی معرفت کے لیے بڑا دقیق پیمانہ ہے۔جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اس نظریہ کے مشتملات: یہ نظریہ چار عناصر سے تشکیل پاتا ہے۔

① بحث کا میدان	② محور
③ اختلافی مقامات	④ ربط پیدا کرنے والی بنیادیں

اس نظریہ میں بحث کا میدان قرآن کریم ہے جو مضبوط ترین مصدر ہے اور اسے قانون سازی میں پہلے نمبر پر ہونا چاہئے۔ اس بحث کا مرکز و محور قواعد نحویہ کا قرآنی آیات سے اختلاف ہے۔اختلافی مقامات وہ ہیں جہاں پر نحوی قاعدہ قرآنی آیت سے متصادم ہے۔ یہ اختلاف اس نظریہ کی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔

نحویوں کے غور وفکر کے مسالک

میں سمجھتا ہوں۔قراءات متواترہ پر اعتراض کرنے والے نحویوں نے درج ذیل طریقہ اور اسلوب اختیار کیا ہے۔

جب انہوں نے نحو کی طرف توجہ دی تو قواعد نحویہ کو ایک طرف رکھا اور قراء اتِ قرآنیہ کو دوسری طرف، پھر انہوں نے قراءات کا جائزہ لیا ان میں سے جو قواعد نحویہ کے موافق تھیں انہیں قبول کیا اور ان پر اعتماد کیا اور جو قواعد کے مخالف تھیں ان پر اعتراض کیا یا اگر وہ تاویل کو قبول کرتی تھیں تو ان کی تاویل کی۔ جو قراءات تاویل قبول نہ کرتی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان میں واضح یا مخفی طور پر اعتراض کیا۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

صریح مخالفت کی مثال کلمہ (آئمة) میں دونوں ہمزوں کو تحقیق کے ساتھ پڑھنا ہے۔ اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَقَاتِلُوْا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ ﴾ [سورة التوبہ:۱۲] قراءات سبعہ میں دونوں ہمزوں کو تحقیق کے ساتھ پڑھا گیا ہے بلکہ متعدد متواتر قراء ات میں اسی طرح ہے۔ اس کے باوجود نحویوں نے اسے لحن قرار دیا۔ [الخصائص لابن جنی:۱۴۳/۳] انہوں نے دلیل یہ پیش کی ہے کہ یہ قیاس کے مطابق نہیں ہے، حالانکہ وہ یہ بات بھول گئے کہ متواتر صحیح سماع ہر قسم کے قیاس سے بالاتر ہے، کیونکہ لغت قیاس سے پہلے صحیح سماع سے ہی ثابت ہوتی تھی۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے: مقياس الترجيح هو السّماع الصحيح۔ ترجیح کا معیار صحیح سماع ہی ہے۔

نحویوں نے لغت کے اس اصول میں شک کیا، انہوں نے ہمزتین کو تحقیق کے ساتھ پڑھنے کی قراءت کو خطا قرار دیا اور کہا، قیاس کا تقاضا ہے کہ دوسرے ہمزہ کو یاء سے بدلا جائے اور جب اسی طرح قیاس کے موافق ابدال والی قراءت آتی ہے تو وہ اسے بھی وہ لحن قرار دیتے ہیں۔ [تفسیر الكشّاف للزّمخشری:۱۴۲/۲] حالانکہ یہ قیاس کے موافق ہے، صحیح سماع سے ثابت ہے، متعدد متواتر قراءات سے روایت کیا گیا ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود وہ اسے لحن سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

انہوں نے کہا: اگر دونوں ہمزہ عین کلمہ میں نہ ہوں تو انہیں تحقیق سے پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ابن جنی رحمہ اللہ نے کہا:

”فالهمزتان لا تلتقيان في كلمة واحدة إن لم تكونا عينين نحو سأل وسأر...... لكن التقاؤها في كلمة واحدة غير عينين لحن“ [الخصائص لابن جنی:۱۴۳/۳]

’’دو ہمزہ ایک کلمہ میں جمع نہیں ہوتے اگر وہ سأل اور سأر کی طرح عین کلمہ میں نہ ہوں۔ لیکن عین کلمہ کے علاوہ ایک کلمہ میں دو ہمزوں کا جمع ہونا لحن ہے۔‘‘

ہم ان لوگوں کے ساتھ نہیں ہیں جو (أئمة) اور اس جیسی مثالوں میں ہمزہ کو تحقیق کے ساتھ پڑھنے کو لحن کہتے ہیں، کیونکہ یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ قراءات سبعہ میں اسی طرح پڑھا گیا ہے۔ حفص نے عاصم سے، حمزہ، ابن عامر اور کسائی رحمہم اللہ نے اسی طرح پڑھا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: السبعة لابن مجاهد، ص۳۱۲) دو ہمزوں کو تحقیق کے ساتھ پڑھنے کی حسب ذیل مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا﴾ [السجدة:۲۴]، ﴿وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ﴾ [القصص:۵]، ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ أَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾ [القصص:۴۱]، ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ أَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ﴾ [الأنبياء:۷۳]

قرآن مجید کی یہ واضح آیات ہم نے دیکھ لیں۔ یہ بات نامعقول ہے کہ ہم نصوص قرآنیہ کو نظر انداز کرتے ہوئے نحو کے قیاس کو تسلیم کر لیں بلکہ معقول اور مقبول بات یہ ہے کہ ہم قواعد وضع کرتے وقت مکمل طور پر نص قرآنی پر اعتماد کریں۔

دو ہمزوں کو تحقیق کے ساتھ پڑھنے کے بارے میں ہم نے نحاۃ کا مؤقف دیکھ لیا۔ اب ابدال کے بارے میں ان کا مؤقف دیکھیں۔ تحقيق الهمزتين کا مطلب ہے، دونوں ہمزوں کو سختی کے ساتھ الگ الگ ہمزہ کی آواز کے ساتھ پڑھنا اور ’آئمه‘ کے کلمہ میں ابدال کے ساتھ پڑھا گیا تو انہوں نے اسے بھی لحن قرار دیا۔ زمخشری رحمہ اللہ کہتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے:

’’فأما التصريح بالياء فليس بقراء ة ولا يجوز أن تكون قراء ة ومن صرح بها فهو لاحن محرف‘‘ [تفسير الكشاف للزمخشري:۱۴۲/۲]

’’یاء کو صراحت کے ساتھ پڑھنا قراءۃ نہیں ہے اور نہ ہی اس کا قراءۃ ہونا جائز ہے۔ جس نے ایسا کیا وہ غلطی کرنے والا اور تحریف کرنے والا ہے۔‘‘

دیکھئے کس طرح یہ لوگ متواتر قراءات سبعہ میں سے قراءۃ کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تین معروف قراء کی قراءت ہے۔ نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ انکار میں سختی کا انداز اختیار کرتے ہیں ’’ولا يجوز أن تكون قراء ة‘‘ اس موقع پر ابوحیان رحمہ اللہ کی یہ بات یاد آتی ہے:

’’وكيف يكون ذلك لحنا و قد قرأ به راس البصريين النحاة أبو عمرو، وقارى مكة ابن كثير، وقارى مدينة الرسول نافع‘‘ [البحر المحيط:۱۵/۵]

’’یہ لحن کیسے ہوسکتا ہے؟ جبکہ بصرہ کے نحویوں کے سردار ابوعمرو رحمہ اللہ، مکہ کے قاری ابن کثیر رحمہ اللہ اور مدینۃ الرسول کے قاری نافع رحمہ اللہ نے اس طرح پڑھا ہے۔‘‘

سابقہ گفتگو سے یہ بات واضح ہوئی کہ اس کلمہ میں دو لغات ہیں، دونوں ہمزہ تحقیق کے ساتھ اور دوسرا ہمزہ یاء سے بدل کر اور دونوں قراءات متواترہ میں وارد ہوئی ہیں۔ اس صورت میں ان میں سے کسی کا انکار کرنا یا اسے لحن سے تعبیر کرنا کسی طور پر درست نہیں ہے۔

ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ ابن مجاہد نے ان دونوں قراءات کی توثیق کی ہے، فرمایا:

”اختلفوا فى الهمزتين وإسقاط إحداهما من قوله (أئمة) فقرا ابن كثير وأبو عمرو ونافع، (أيمه) بهمز الألف وبعدها ياء ساكنه، غير أن نافعا يختلف عنه فى ذلك ...... وقال القاضى إسماعيل عن قالون همزة واحدة وقرأ عاصم وابن عامر وحمزه والكسائى (أئمة) همزتين“ [كتاب السبعة،ص۳۱۲]

’’قراء نے (أئمة) کے دو ہمزہ پڑھنے اور ایک کو ساقط کرنے کے بارے میں مختلف مؤقف اختیار کئے ہیں۔ ابن کثیر رحمہ اللہ، ابوعمرو رحمہ اللہ اور نافع رحمہ اللہ نے (أيمه) ہمزہ کے بعد یائے ساکنہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نافع رحمہ اللہ سے دوسری قراءت بھی مروی ہے۔ قاضی اسماعیل رحمہ اللہ نے قالون رحمہ اللہ سے ایک ہمزہ بیان کیا ہے۔ عاصم، ابن عامر، حمزہ اور کسائی رحمۃ اللہ علیہم نے (أئمه) دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے۔

ہم اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ قرآن مجید مضبوط ترین مصدر ہے۔ جب ہم اس حقیقت کو جانتے ہیں تو قراءۃ متواترہ پر اعتراض اور اسے لحن قرار دینا کس طرح قبول کر سکتے ہیں۔ محض اس بنیاد پر کہ اس قراءۃ نے قواعد نحویہ کی ایک بات کی مخالفت کی ہے کیا یہ بات درست نہیں ہے کہ ہم قراءۃ پر اعتراض کو تسلیم کرنے کی بجائے کہیں، قاعدہ نحویہ کی اصلاح کی جائے اور اسے قرآن کے مطابق بنایا جائے۔

اسی طرح دوسری مثال اس آیت کریمہ کی ہے: ﴿إِنَّ هٰذٰانِ لَسٰحِرٰنِ﴾ [سوره طٰهٰ :۶۳] قراءات متواترہ میں یہ آیت کریمہ نون کے تشدید کے ساتھ (إن) اور الف کے ساتھ (هذان) پڑھا گیا ہے۔ بعض نحویوں نے اس قراءۃ پر اعتراض کیا بلکہ واضح طور پر اس کا انکار کرتے ہوئے اسے کاتب کی غلطی قرار دیا ہے اور کہا یہ قرآن میں سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نہیں ہے۔[البحر المحیط:۲۵۵/۶، الشذوذ ،ص۴۲]

جب ان کے پاس دوسری قراءۃ یاء کے ساتھ (هذين) آئی تو انہوں نے اس پر اعتراض کیا اور اسے بھی کاتب کی غلطی قرار دیا"غلط من الكاتب"[تأويل مشكل القرآن لابن قتيبه، ص۳۶]

قراء میں سے نافع، ابن عامر، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے نون کے تشدید کے ساتھ (إنّ) اور الف کے ساتھ (هذان) پڑھا ہے۔[البحر المحیط:۲۵۵/۶، المهذب،ص۱۴۳، الحجة لابن خالويه،ص۲۱۷،كتاب السبعة لابن مجاهد)

ابوعمرو بن العلاء رحمہ اللہ نے نون تشدید کے ساتھ (إنّ) اور یاء کے ساتھ (هذين)، (إن هذين لسٰحرٰن) پڑھا ہے۔[المهذب،ص۱۴۳، البحر:۲۵۵/۶) یہ بھی محکم قراءت ہے۔ اسلاف میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا،حسن بصری، ابن جبیر، الاعمش، النخعی، الجحدری اور ابن عبید رضی اللہ عنہم نے اسی طرح پڑھا ہے۔ [البحر المحیط:۲۵۵/۶]

امام حفص رحمہ اللہ نے نون کے سکون کے ساتھ (إنْ) اور الف کے ساتھ (هذان) پڑھا ہے۔امام حفص رحمہ اللہ کی اس قراءۃ میں نحویوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ابوعمرو رحمہ اللہ کی قراءت (إن هذين لسٰحرٰن) متواتر قراءت ہے۔ہمیں اس سبعہ قراءت کی ایک قراءت کو قبول کرنا ہے جب کہ نحوی اس کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں۔فراء نے یاء والی قراءت کا تعاقب کرتے ہوئے کہا:"ولست أجترى على ذلك"[معانی القرآن للفراء:۲۹۳/۲]''میں اس (قراءۃ) کی جرأت نہیں کرسکتا۔''

زجاج نے اس قراءت کا ردّ کرتے ہوئے کہا:

"لا أجيز قراءة أبى عمرو لأنها خلاف المصحف"[البحر المحيط:۲۵۵/۶]

''میں ابوعمرو رحمہ اللہ کی قراءت کو جائز قرار نہیں دے سکتا کیونکہ یہ مصحف کے خلاف ہے۔''

ان نحویوں کی آراء سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوعمرو رحمہ اللہ نے سند کے بغیر اپنی طرف سے یہ قراءۃ بنا کر قرآن مجید میں شامل کردی ہے اور ابوعمرو رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ وہ ثقہ، عادل، ضابط اور سنت کی پیروی کرنے والے ہیں، وہ قرآن مجید کے بارے میں کمی بیشی کرنے والے نہیں ہیں۔

بعض نحویوں نے جمہور قراء کی قراءت کا بھی انکار کیا ہے۔انہوں نے کہا:''إنها ليست من القرآن"یہ قرآن میں سے نہیں ہے۔انہوں نے اس بارے میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب اقوال کا سہارا لیا ہے حالانکہ وہ ان اقوال سے بری ہیں۔[تفصیل کے لیے دیکھئے:البحر المحيط:۲۵۵/۶)، الشذوذ ص۴۲]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے قرآن مجید کی اس قراءۃ کا دفاع کرتے ہوئے ایک مستقل رسالہ "الكلام على قوله تعالىٰ **إن هذان لسٰحرٰن**"[مجله مركز البحث العلمى والتراث الإسلامى بمكة المكرمة،العدد الثانى عام۱۳۹۹ھ] لکھا ہے: جس میں انہوں نے نحویوں کی طرف سے اس قراءۃ کو کاتب کی غلطی،لحن یا خطا قرار دینے کے موقف کا بھرپور رد کیا ہے۔(الكلام على قوله تعالىٰ **ان هذان لساحران**،ص۲۷۰،۲۷۱) اور اس قراءت کو افصح قرار دیا ہے۔[كتاب الصاحبى لابن فارس،ص۲۱]

اہل عرب کی لغت بھی اس قراءۃ کی تائید کرتی ہے۔ابوحبان رحمہ اللہ نے اس کی تخریج کرتے ہوئے کہا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”والذی نختاره في تخريج هذه القراء ة أنها جاء ت على لغة بعض العرب من إجراء المثنى بالألف دائما، وهی لغة لكنانه، حكى ذلك أبو الخطاب، وبنى الحارث بن كعب وخثعم وزبير، وأهل تلك الناحيه، حكى ذلك عنهم الكسائي وبني العنبر وبني الهجيم ومراد وعذره۔ وقال أبو زيد سمعت من العرب من يقلب كل ياء ينفتح ماقبلها ألفاً“

[البحر المحيط:۶/۲۵۵]

”اس قراءۃ کی تخریج کرتے ہوئے ہم نے جس بات کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ بعض عرب کی لغت میں تثنیہ کو ہمیشہ الف کے ساتھ ہی استعمال کیا گیا ہے اور یہ کنانہ کی لغت ہے جسے ابوالخطاب رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ بنی حارث بن کعب، خثعم، زبیر رضی اللہ عنہم اور اس علاقہ کے لوگوں سے یہ لغت کسائی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔ بنی عنبر، بنی ھجیم، مراد اور عذرہ کی بھی یہی لغت ہے۔ ابوزید رحمہ اللہ نے کہا میں نے بعض عرب کو سنا ہے وہ ہر یاء ماقبل مفتوح کو الف سے بدل دیتے ہیں۔“

امام جاربردی رحمہ اللہ نے کہا:

”إن للحارث بن كعب و خثعما و زبيدا و قبائل من اليمن يجعلون ألف الاثنين فی الرّفع والنصب والخفض على لفظ واحد“ [شرح الجاربردی علی شافية لا بن الحاجب:۱/۲۷۷]

”حارث بن کعب، خثعم رضی اللہ عنہم، زبیدا اور یمن کے کچھ قبائل تثنیہ کے الف کو رفعی، نصبی اور جری تینوں حالتوں میں ایک ہی طرح (الف کے ساتھ) پڑھتے ہیں۔“

اس سے قراءات سبعہ کے بارے میں نحویوں کے موقف کا اندازہ ہوجاتا ہے وہ دونوں قراءتوں کو ہی کاتب کی غلطی قرار دے رہے ہیں تو باقی کیا بچا؟ ہم تو قراءات متواترہ کی صورت میں قرآن مجید سے بہتر اور اَوثق مصدر نہیں جانتے ہیں۔

اہل علم نے قرآن کریم کے دفاع میں جو کچھ کہہ دیا ہمارے لیے وہی کافی ہے اس میں مزید اِضافے کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن مجید کی حفاظت کے بارے میں امام فخرالدین الرازی رحمہ اللہ نے واضح طور پر کہہ دیا ہے:

”إن المسلمين أجمعوا على أن ما بين الدفتين كلام الله، وكلام الله لايجوز أن يكون لحنا وغلطا“ [مفاتيح الغيب:۶/۲۹]

”مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو کچھ دفتین کے درمیان ہے وہ کلام اللہ ہے اور کلام اللہ لحن اور غلط نہیں ہوسکتا۔“

المعارضة الخفيه

نحویوں کے قراءات پر اعتراض کرنے کی دوسری قسم ’المعارضة الخفيه‘ مخفی اعتراض ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب نحوی قراءۃ پر اعتراض کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ایسی مثال پیش کرتے ہیں جو پوری طرح آیت کے مطابق ہوتی ہے لیکن وہ آیت کی نص ذکر نہیں کرتے۔ اسی طرح آیت کا حوالہ دیئے بغیر آیت پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ جب بات یہاں تک پہنچ جائے تو پھر صراحت اور اشارے میں فرق نہیں رہتا۔

متقدمین نحاۃ میں سے سیبویہ کی کتاب میں مخفی اعتراضات کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ان میں سے چند ایک کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثال کے طور پر آیت کریمہ ﴿يَأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ﴾ [التحریم:۱] ''اسی طرح لفظ نبی قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر آیا ہے'' میں لفظ 'النبی' اور آیت کریمہ ﴿أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ [البینہ:۷] میں لفظ 'البریة'، امام نافع رحمہ اللہ نے ان دونوں کلموں میں ہمزہ کو تحقیق کے ساتھ پڑھا ہے، لیکن سیبویہ رحمہ اللہ نے ان آیات کا تذکرہ کئے بغیر اس قراءۃ پر اس طرح اعتراض کیا ہے:

”وقالوا نبي وبرية فألزمها أهل التحقيق البدل، وليس كل شيء نحوهما يفعل به ذا، إنما يؤخذ بالسمع، وقد بلغنا أن قوما من أهل الحجاز من أهل التحقيق يحققون نبيء، وبريئة، وذلك قليل ردي“ [الکتاب:۱۶۳/۲]

''اہل تحقیق نے نبی اور بریہ میں بدل کو لازم قرار دیا ہے اور ان جیسی ہر چیز کے ساتھ ایسے نہیں کیا جائے گا، کیونکہ دلیل سماع ہے اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اہل حجاز کے بعض محققین ان دونوں کلموں نبی، اور بریئۃ کو تحقیق کے ساتھ پڑھتے ہیں، یہ بہت ہی کم اور بے کار ہے۔''

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ آیت کی نص ذکر کئے بغیر اس کا رد ہو رہا ہے۔ جو مثال بیان کی گئی ہے وہ پوری طرح آیت کے مطابق ہے۔ اسی لیے ہم اسے معارض خفی کہتے ہیں۔ اس کی بہت ساری مثالیں الکتاب میں موجود ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے، الکتاب (هولاء بناتي هن أطهر لكم) اس آیت میں 'أطهر' کی نصب والی قراءۃ کے بارے میں: ۳۹۷/۱، (كن فيكون) میں (يكون) کے نصب کے بارے میں ۴۲۳/۱، (إلى بارئكم) میں ہمزہ کے سکون والی قراءۃ کے بارے میں ۲۹۷/۲) اختصار کی خاطر ہم صرف ایک مثال بیان کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ، وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ، وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ﴾ [الانشقاق:۳،۲،۱]

(السماء) کے اِعراب کے بارے میں ذہن فوراً اس بات کی طرف جاتا ہے کہ یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اس کے بعد جملہ (انشقت) اس کی خبر ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں الارض مبتدا اور مدت اس کی خبر ہے۔ بعض کبار علماء نے یہی بات کہی ہے (ان میں اخفش رحمہ اللہ، فراء رحمہ اللہ اور عام کوفی شامل ہیں) جبکہ جمہور نحویوں نے اس فطری اِعراب کا انکار کیا ہے اور آیات کی ایسی تاویلیں کی ہیں جن سے آیات کی سلاست باقی نہیں رہتی۔ انہوں نے کہا: یہاں تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ إذا انشقت السماء انشقت۔ وإذا مدت الأرض مدت۔ السماء فعل محذوف کا فاعل ہوگا اور الارض محذوف فعل مدت کا نائب فاعل ہوگا۔ نحویوں کی یہ کاوش محض تکلف ہے جو انہوں نے آیاتِ کریمہ کو قواعد نحویہ کے تابع بنانے کے لیے کی ہے۔ نحوی قاعدہ ہے: إذا شرطیہ کی جملہ فعلیہ کی طرف اِضافت واجب ہے۔ (تفصیل کے لیے نحو کی اُمہات الکتب دیکھئے خاص طور پر ألفية ابن مالك کی شروح باب الاضافہ)

ابن مالک رحمہ اللہ نے کہا: ”وألزموا إذا إضافة إلى جمل الأفعال كهن إذا اعتلى [الفیہ ابن مالک، باب الاضافہ]“ البتہ ابن مالک رحمہ اللہ کا اس موقف سے رجوع ثابت ہے۔ [شرح الاشمونی: ۱۹۵/۲، باب الاضافہ، متن التسہیل لابن مالک، ص ۱۵۹ تحقیق ڈاکٹر کامل برکات] لیکن پہلی بات کے زبان زد خاص وعام ہونے کے بعد اس رجوع کا کیا فائدہ؟

جب نحاۃ کے پاس یہ آیت اور اس جیسی دوسری مثالیں آئیں جس میں حرف شرط کے فوراً بعد مرفوع اسم آیا تو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے غور وفکر شروع کیا کہ اس اسم کو فعل مذکور، فعل مقدر یا کسی اور چیز نے رفع دیا ہے۔

ابن الانباری رحمہ اللہ نے کتاب الانصاف، مسئلہ نمبر ۳۵ میں حرف شرط کے بعد مرفوع اسم کے بارے میں تین آراء پیش کی ہیں۔ہم اس مسئلہ کے بارے میں حسب ذیل آراء پیش کرتے ہیں:

① جمہور بصریوں کا خیال ہے کہ اس سے قبل فعل محذوف مانیں گے یہ اسم اس کا فاعل بن کر مرفوع ہوگا اور بعد والا فعل اس کی تفسیر ہوگا۔اس طرح یہ جملہ فعلیہ ہوگا اور جملہ تفسیریہ ہونے کی وجہ سے اس کا کوئی اعراب نہیں ہوگا۔

② اخفش رحمہ اللہ، فراء رحمہ اللہ کی ایک رائے اور سیبویہ رحمہ اللہ کی ایک رائے [شرح ابن عقیل:۶۱/۲] کے مطابق یہ اسم مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس کے بعد والا جملہ اس کی خبر ہوگا۔

③ کوفیوں کی رائے کے مطابق مرفوع اسم میں عامل اس کی طرف لوٹنے والا فعل ہوگا یعنی اس کے بعد فعل میں ایک ضمیر مستتر ہوگی جو مقدم اسم پر عمل کرے گی۔[الانصاف لابن الانباری المسالة:۸۵] یہ رائے انتہائی ضعیف ہے۔

④ فراء رحمہ اللہ کی ایک رائے کے مطابق اس میں فعل مذکور عامل ہوگا۔فراء کے نزدیک اس جیسی صورت میں فاعل کو فعل پر مقدم کرنا جائز ہے۔ یہ رائے بھی ضعیف ہے۔

⑤ ابن جنی کی رائے میں یہاں پر متکلم خود عامل ہے۔ وہ خود رفع، نصب یا جر دینے والا ہے، لیکن کلمات میں یہ اُصول نہیں ہوتا۔[الخصائص لابن جنی:۱۰۹/۱]

⑥ بعض نحویوں کے مطابق اس میں عامل عربوں کا استعمال ہے۔انہوں نے اسی طرح رفع، نصب، جر کے ساتھ پڑھا ہے، لیکن اس موقف کے لیے لغت سے دلیل چاہئے اور علماء نے پڑھنے والوں کی آسانی کے لیے لفظی اور معنوی عوامل بیان کئے ہیں ان میں سے کوئی عامل ہونا چاہئے۔

⑦ ابن مضاء نے کہا: یہاں پر خود اللہ تعالیٰ عامل ہیں۔

یہاں پر ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح نحوی قواعد نحویہ کی بنیاد پر ان آیات میں تاویل کرتے ہیں اور اس مرفوع اسم کے لیے مقدر عبارات نکالتے ہیں۔بعض نحویوں نے اس کے فطری اعراب یعنی مبتدا خبر کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن ان کا زیادہ زور نحوی قاعدے کو بچانے پر صرف ہو رہا ہے۔قرآن مجید کو حق مانتے ہوئے اور اس کی اتباع کرتے ہوئے اس کے فطری اعراب مبتدا خبر کو تسلیم کرنا چاہئے۔قرآن مجید میں اس کی بے شمار مثالیں بھری ہوئی ہیں ہم ان میں سے بعض یہاں پر پیش کرتے ہیں:

۱۔ فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَت	سورة المرسلات	آیت:۸
۲۔ وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَت	سورة المرسلات	آیت:۹
۳۔ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَت	سورة المرسلات	آیت:۱۰
۴۔ وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَت	سورة المرسلات	آیت:۱۱
۵۔ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ	سورة التكوير	آیت:۱
۶۔ وَإِذَا النجومُ انكَدَرَتْ	سورة التكوير	آیت:۲
۷۔ وَإِذَا الجبالُ سُيِّرَت	سورة التكوير	آیت:۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۸۔ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ	سورۃ التکویر	آیت:۴
۹۔ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ	سورۃ التکویر	آیت:۵
۱۰۔ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ	سورۃ التکویر	آیت:۶
۱۱۔ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ	سورۃ التکویر	آیت:۷
۱۲۔ وإذا الْمَوْءُ ودَةُ سُئِلَتْ	سورۃ التکویر	آیت:۸
۱۳۔ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ	سورۃ التکویر	آیت:۱۰
۱۴۔ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ	سورۃ التکویر	آیت:۱۱
۱۵۔ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ	سورۃ التکویر	آیت:۱۲
۱۶۔ وَإِذَاالْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ	سورۃ التکویر	آیت:۱۳
۱۷۔ إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ	سورۃ الانفطار	آیت:۱
۱۸۔ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ	سورۃ الانفطار	آیت:۲
۱۹۔ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ	سورۃ الانفطار	آیت:۳
۲۰۔ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ	سورۃ الانفطار	آیت:۴
۲۱۔ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ	سورۃ الانشقاق	آیت:۱
۲۲۔ وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ	سورۃ الانشقاق	آیت:۳

اس کے علاوہ بیسیوں اشعار اس قاعدے کی تائید میں پیش کئے جاسکتے ہیں۔اس تفصیل اور وضاحت کے بعد کیا ہمارے لیے جائز ہے کہ ہم ایک ناقص نحوی قاعدے کے ساتھ چمٹے رہیں اور ان مضبوط شواہد کو چھوڑ دیں۔ان تمام شواہد میں سب سے اوپر قرآنی آیات ہیں،جن میں باطل کی مداخلت کا کوئی امکان نہیں اور وہ محفوظ ترین مصدر ہیں۔

قواعد نحویہ کے نصوص قرآن سے ٹکرانے کی یہ محض ایک مثال ہے۔تعارض کی صورت میں ہی نحویوں کی تاویل سامنے آتی ہے تاکہ وہ اس تعارض کو ختم کرسکیں اور نحوی قاعدہ کو غالب کردیں۔اس کے لیے وہ جو طریقہ کار اختیار کرتے ہیں اسے کم سے کم الفاظ میں ظاہری یا مخفی تعارض کہہ سکتے ہیں،اس کے برعکس ہم یہ کہتے ہیں کہ اس غیرضروری تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اس کا حل یہ ہے کہ اس قاعدے کو نص قرآنی کی روشنی میں درست کرلیا جائے۔نیت صاف ہو اور ہم اس بات کی طرف توجہ کریں تو یہ آسان راستہ ہے۔دراسات قرآنیہ کے حوالے سے ہم یہی دعوت دیتے ہیں کہ قرآن کریم کو ہر پہلو سے بنیادی مصدر قرار دیا جائے اور رائج نحو کی بجائے قرآنی نحو پر اعتماد کیا جائے۔

قواعد نحویہ کے نصوص قرآنی سے ٹکراؤ کی مثالیں اور ان کی اصلاح کی صورت

① **نحوی قاعدہ:** اسم ظاہر کا مجرور ضمیر پر حرفِ جر کے بغیر عطف ڈالنا جائز نہیں۔

صحیح قاعدہ: اسم ظاہر کا مجرور ضمیر پر حرفِ جر کے اعادہ کے بغیر عطف ڈالنا جائز ہے۔

قرآن مجید سے دلیل: ﴿تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ﴾ امام حمزہ نے اَلْأَرْحَامِ پڑھا ہے،جو متواتر قراءت ہے۔

کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین میں سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ،حسن بصری رحمہ اللہ [شرح الرضي على

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

الکافیة:۳/۱۱۷، شرح المفصّل:۳/۷۸، إبراز المعاني ص۲۸۴] نخعی، قتادہ، الاعمش ﷭[البحر المحیط:۳/۱۵۷]
وغیرہ نے بھی اسی قراءت کو اختیار کیا ہے۔ ابوحیان ﷫ نے امام حمزہ ﷫ کی اس قراءت کے بارے میں کہا:
”قراءة متواترة عن رسول الله ﷺ قرأ بها سلف الأمة واتصلت بأكابر قرآء الصحابة عثمان وعلي وابن مسعود وزيد بن ثابت وأقرأ الصحابة أبي بن كعب“[البحر المحیط:۳/۱۵۷]

”یہ رسول اللہ ﷺ سے مروی متواتر قراءت ہے۔ امت کے اسلاف نے اس کے موافق پڑھا ہے۔ اکابر قراء صحابہ کرام جیسے سیدنا عثمان، علی، ابن مسعود، زید بن ثابت اور صحابہ کے سب سے بڑے قاری سیدنا ابی بن کعب ﷡ نے اس طرح پڑھا ہے۔“

اس واضح تصریح کے بعد ہونا تو چاہئے کہ نحوی قاعدہ کی اصلاح کردی جائے تاکہ وہ قرآنی فصاحت و بلاغت کو اپنے اندر سمو سکے لیکن نحاۃ نے اسے رد کیا، اسے ضعیف قرار دیا۔ [شرح المفصل:۳/۷۸] اور اسے غلط قرار دیتے ہوئے اس کے مطابق قراءت کو حرام قرار دیا ہے۔ [شرح المفصل :۳/۷۸] اسی لیے مبرّد نے کہا: ”لو أنني صليت خلف إمام يقرؤها لقطعت صلاتي“[درة الغواص في أوهام الخصاص للحریری، ص۹۵]

”اگر میں ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھوں جو اس طرح (بروایت امام حمزہ ﷫) قراءۃ کرے تو میں نماز توڑ دوں گا۔“

اس قراءت کے بارے میں اتنا شدید ردعمل ظاہر کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ رائج نحو کے خلاف ہے۔ اس میں حرف جر کے اعادہ کے بغیر مجرور پڑھا گیا ہے، حالانکہ قرآن مجید میں اس کے علاوہ بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً ﴿وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [البقرۃ:۲۱۷] لفظ (المسجد) کا عطف (به) پر ہے اور حرف جر کے اعادہ کے بغیر اسے جر دیا گیا ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ﴾ [الحجر:۲۰] اس میں کلمہ (من) کا عطف (لکم) پر ہے اور حرف عطف کے بغیر ہے۔ کلام عرب میں سے قطرب روایت کرتے ہیں ”ما فيها غيره وفرسه“[البحر المحيط: ۲/ ۱٤۷، الحجّة لابن خالويه ص۹٤] اتنے واضح دلائل کے بعد ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ قراءت متواترہ کو صحیح سمجھتے ہوئے بنیاد بنایا جائے اور اس کے مطابق نحوی قاعدے کی اصلاح کردی جائے۔

۲ **نحوی قاعدہ:** نثر کی صورت میں مرکب اضافی کے درمیان فاصلہ لانا جائز نہیں۔
صحیح قاعدہ: مرکب اضافی میں مفعول بہ کا فاصلہ لانا جائز ہے۔

قرآن مجید سے دلیل: ﴿وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ﴾ قراء میں سے امام ابن عامر ﷫ نے «وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ ...... قَتْلُ أَوْلَادَهُمْ شُرَكَائِهِمْ» پڑھا ہے۔ جو کہ متواتر قراءت ہے۔ قرآن مجید سے اس کی دوسری مثال: مُخْلِفَ وَعْدَهُ رُسُلِهِ [ابراہیم:۴۷] جیسا کہ بعض اسلاف نے پڑھا ہے اس میں مرکب اضافی میں اسم مفعول کا فاصلہ لایا گیا ہے۔

۳ إنَّ کے محل پر خبر مکمل ہونے سے پہلے رفع کا عطف ڈالنا جائز نہیں ہے۔ خبر مکمل ہونے کے بعد اجماعی طور پر جائز ہے۔
صحیح قاعدہ: إن کے محل پر خبر مکمل ہونے کے بعد رفع کا عطف بالاجماع جائز اور خبر مکمل ہونے سے پہلے راجح قول کے مطابق جائز ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قرآن مجید سے دلیل: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ قراء کا (الصّٰبِئُون) کے رفع پر اجماع ہے، حالانکہ یہ خبر مکمل ہونے سے پہلے آیا ہے۔اس قراءت پر قراء کا اجماع اس قاعدے کی دلیل ہے۔

④ **نحوی قاعدہ:** (سواء) نصب کے ساتھ کمزور لغت ہے، اصل لغت رفع ہے۔[الکتاب لسیبویہ:۲۳۳/۱]

صحیح قاعدہ: کلمہ (سواء) میں رفع اور نصب دونوں لغات ہیں۔نصب دینا درست ہے۔

قرآن مجید سے دلیل: ﴿سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ﴾ [الجاثیۃ:۲۱] قراء سبعہ میں سے تین قراء نے اس طرح پڑھا ہے۔[البحر المحیط:۴۷/۸، المهذّب:۲/۳۵۳، هدی البریة:ص۵۵] قرآن مجید سے اس کی دیگر مثالیں: ﴿الَّذِي جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ﴾[الحج:۲۵] اور ﴿سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ﴾ [الجاثیہ:۲۱] دونوں مقامات پر کلمہ (سواء) منصوب پڑھا گیا ہے۔

⑤ **نحوی قاعدہ:** دو ساکنوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔اگر پہلا ساکن حرف مدہ یا لین ہو تو پھر جائز ہے۔ جیسے ﴿اَلضَّآلِّيْنَ﴾ اگر پہلا صحیح ساکن حرف ہو تو پھر ممنوع ہے جیسے ﴿إِذْ تَّلَقَّوْنَهُ﴾ [النور:۱۵] ابن کثیر رحمہ اللہ کی قراءت کے مطابق [ملخص من کتاب سیبویہ:۴۰۷/۲]

صحیح قاعدہ: دو ساکنوں کو جمع کرنا جائز ہے۔ پہلا حرف مد ولین ہو یا ساکن صحیح ہو۔مثلاً ﴿إذ تلقونه﴾ ابن کثیر کی قراءت میں یہ اور اس کی طرح دیگر مثالیں موجود ہیں۔قراءت متواترہ میں اکتیس مرتبہ اسی طرح آیا ہے۔اسے قراء کی اصطلاح میں (تائے بزی) کہتے ہیں۔

⑥ **نحوی قاعدہ:** اگر فاء کے بعد مضارع ہو اور وہ جواب نہ ہو تو اس میں صرف رفع پڑھیں گے۔[الکتاب:۴۲۳/۱] نصب ضعیف ہے، بلکہ لحن ہے۔[البحر المحیط:۳۶۵/۱، الدر اللقیط:۳۶۵/۱]

صحیح قاعدہ: جب فاء کے بعد مضارع واقع ہو اور وہ جواب نہ ہو تو اس میں دو وجہیں جائز ہیں۔رفع اکثر ہے اور نصب قلیل ہے۔بغیر کسی لحن کے۔

قرآن مجید سے دلیل: ﴿إِنَّمَآ أَمْرُهٗٓ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾[یٰس:۸۲] قراء میں سے ابن عامر رحمہ اللہ اور کسائی رحمہ اللہ نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔یہ متواتر قراءۃ ہے۔

⑦ **نحوی قاعدہ:** دو کلموں میں اس وقت ادغامِ مثلین جائز نہیں جب مدغم سے پہلے صحیح ساکن ہو اور جو قراءت ابو عمرو رحمہ اللہ میں (شَهْر رَّمَضَان) آیا ہے وہ ضعیف ہے: [الاتحاف، ص۱۵۴] بلکہ ممنوع ہے۔ [البحر المحیط:۳۹/۲، الاتحاف،ص۱۵۴، الدرّ اللقیط:۳۹/۲]

صحیح قاعدہ: دو کلموں میں ادغام مثلین جائز ہے جب پہلے حرف سے پہلے حرف معتل ہو [البحر المحیط:۳۹/۲] یا ساکن صحیح ہو مثلاً (شهر رمضان) جیسا کہ ابو عمرو رحمہ اللہ کی قراءت میں ہے اور وہ محکم متواتر قراءت ہے۔ [المهذب،ص۸۵]

⑧ **نحوی قاعدہ:** ایجاب کے بعد استثناء مفرغ لانا جائز نہیں ہے۔

صحیح قاعدہ: ایجاب کے بعد استثناء مفرغ لانا جائز ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قرآن مجید سے دلیل: قرآن مجید میں اس طرح کی تقریباً اٹھارہ آیات ہیں (یہ ڈاکٹر عضیمہ کے بیان کے مطابق ہے۔[المقدمة، ص۸] مثلاً ﴿وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ﴾، ﴿لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ﴾
﴿وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ﴾ [البقرة:۴۵]
﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ﴾ [آل عمران:۱۱۲]
﴿وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ﴾ [الأنفال:۱۲]
ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام مثالوں میں ایجاب کے بعد استثناء مفرغ لایا گیا ہے۔اتنی واضح آیات کے مقابلے میں ایک نحوی قاعدے کی حیثیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

⑨ **نحوی قاعدہ:** یائے متکلم کو فتحہ دینا واجب ہے۔ بمصرخی جیسی صورت میں کسرہ دینا درست نہیں ہے۔
صحیح قاعدہ: یائے متکلم کو فتحہ دینا اکثر ہے اور کسرہ دینا قلیل ہے۔مثلاً بمصرخي۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿مَا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ﴾ [سورہ ابراہیم:۲۲] امام حمزہ رحمہ اللہ کی قراءت میں (مصرخی) یاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

⑩ **نحوی قاعدہ:** (معایش) میں ہمزہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔جہاں ایسے آیا ہے وہ خطاء ہے۔[ملخص من المنصف علی التعریف:۱/۳۰۷، حاشية استهاب على تفسير البيضاوي:۴/۱۵۲]
صحیح قاعدہ: (معایش) میں ہمزہ پڑھنا غلطی نہیں بلکہ جائز ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ﴾[الاعراف:۱۰] قراء سبعہ میں سے نافع رحمہ اللہ خارجہ کی روایت میں اور ابن عامر رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق (معائش) ہمزہ کے ساتھ ہے۔ ان کے علاوہ الاعرج، زید بن علی رحمہ اللہ اور الاعمش رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح پڑھا ہے۔[القراء ات واللهجات، ص۱۷۹]

⑪ **نحوی قاعدہ:** دو ہمزہ اگر عین کلمہ میں ہوں تو انہیں تحقیق کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ایسے پڑھنا لحن ہے جیسے (أئمة)[الخصائص:۳/۱۴۳]
صحیح قاعدہ: دو ہمزوں کو تحقیق کے ساتھ پڑھنا جائز ہے چاہے وہ دونوں عین کلمہ میں ہوں یا اس کے علاوہ ہوں۔
قرآن مجید میں دلیل: ﴿فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ أئمة میں تحقیق کے ساتھ، جیسا کہ بہت سی قراءات میں آیا ہے۔حفص عن عاصم، حمزہ، ابن عامر اور کسائی رحمہم اللہ نے اس طرح پڑھا ہے۔

⑫ **نحوی قاعدہ:** (أئمة) میں دوسرے ہمزہ کو یاء سے بدلنا جائز نہیں ہے۔جو بدلے گا وہ تحریف کرنے والا ہے [مستفاد من كلام الزمخشري في الكشاف:۲/۱۴۲]
صحیح قاعدہ: (أئمة) میں دوسرے ہمزہ کو یاء سے بدلنا جائز ہے۔یہ علم الصرف میں قیاس کے مطابق ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿فَقَاتِلُوا أيمة الْكُفْرِ﴾ [التوبہ:۱۲] ہمزہ کے بعد دوسرے ہمزہ کو یاء سے بدل کر پڑھنا متواتر قراءات سے ثابت ہے۔قراء میں سے ابن کثیر، ابو عمرو رحمہما اللہ اور ایک روایت کے مطابق نافع رحمہ اللہ نے اسی طرح پڑھا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

⑬ **نحوی قاعدہ:** (نَبِي و بَرِيَّة) میں ہمزہ تحقیق کے ساتھ پڑھنا کمزور ہے۔[مستفاد من الکتاب ۲/۱۶۳،۲/۱۷۰]
صحیح قاعدہ: (نَبِيّ و بَرِيَّة) میں ہمزہ تحقیق کے ساتھ پڑھنا صحیح لغت ہے اس میں کوئی کمزوری نہیں۔
قرآن مجید سے دلیل: امام نافع رحمہ اللہ نے دونوں جگہوں پر ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ پڑھا ہے۔سورہ تحریم میں ﴿يَأَيُّهَا النَّبِيءُ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ﴾ اورسورہ البینہ میں: ﴿أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيئَةِ﴾
⑭ **نحوی قاعدہ:** مجزوم فعل سے متصل ہاء کو ساکن پڑھنا جائز نہیں ہے مثلاً (يُؤَدِّهْ)، (نُوَلِّهْ) اور (نُصْلِهْ) ایسا پڑھنا غلط ہے یا قراء کا وہم ہے۔
صحیح قاعدہ: فعل مجزوم سے متصل ہاء کو ساکن پڑھنا جائز ہے جیسا کہ اس میں اشمام، اشباع اور اختلاس جائز ہے۔
[کتاب السبعة: ص۲۰۷، المهذّب: ص۱۲۷]
قرآن مجید سے دلیل: قراء میں سے ابوعمرو، عاصم اور امام حمزہ رحمہم اللہ نے اس طرح پڑھا ہے۔
⑮ **نحوی قاعدہ:** اضافت کے ساتھ (کلّ) کا نکرہ کا مفعول بہ بن کر آنا ممنوع ہے۔
صحیح قاعدہ: اضافت کے ساتھ (کلّ) کا نکرہ کے لیے مفعول بہ بن کر آنا جائز ہے۔شیخ عضیمہ نے ۳۶ مقامات بیان کئے ہیں جن میں اس طرح آیا ہے۔
قرآن مجید سے دلائل: ﴿وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا﴾[الانعام:۲۵]، ﴿وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ [الأنعام:۸۰]
⑯ **نحوی قاعدہ:** إذا شرطیہ کی جملہ فعلیہ کی طرف اضافت لازم ہے جملہ اسمیہ کی طرف اضافت جائز نہیں۔
صحیح قاعدہ: إذا شرطیہ کی اضافت جملہ فعلیہ کی طرف اکثر اور جملہ اسمیہ کی طرف قلیل ہے۔اس کے بارے میں بیس سے زیادہ آیات موجود ہیں۔
⑰ **نحوی قاعدہ:** جو کلمات شَنَئَانُ کے وزن پر آئے ہیں، ان میں دوسرے حرف کو حرکت دینا واجب ہے۔
صحیح قاعدہ: شَنَئَانُ کے وزن پر آنے والے کلمات میں دوسرے حرف کو حرکت دینا جائز اور اکثر ہے جبکہ ساکن کرنا بھی جائز ہے اور یہ قلیل ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ﴾ [المائدة:۵] شنآن میں نون ساکن کے ساتھ ابن عامر رحمہ اللہ نے پڑھا ہے۔[کتاب السبعة،ص۲۴۲] اور یہ متواتر قراءات ہے۔
⑱ **نحوی قاعدہ:** (تَأْمُرُونِّي) اور اس جیسی مثالوں میں نون کو مشدد پڑھنا واجب ہے۔تخفیف کے ساتھ پڑھنا لحن ہے۔
صحیح قاعدہ: (تَأْمُرُونِّي) اور اس جیسی مثالوں میں نون مشدد پڑھنا اکثر ہے اور مخفف پڑھنا جائز اور قلیل ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿قُلْ أَفَغَيْرَ اللهِ تَأْمُرُونِّي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ﴾ [الزمر:۶۴] امام نافع رحمہ اللہ اور ابن عامر رحمہ اللہ نے اپنی ایک روایت میں نون تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ متواتر قراءات ہے۔
⑲ ﴿أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ میں ہمزہ کو کسرہ دینا ممنوع ہے۔
صحیح قاعدہ: ارشاد باری تعالیٰ ﴿أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ میں (أن) ہمزہ کو کسرہ دینا جائز ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: اس آیت کریمہ میں امام ابوعمرو رحمہ اللہ اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے (إن) ہمزہ کو کسرہ کے ساتھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑھا ہے۔

⑳ آیت کریمہ ﴿فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ﴾[الانعام:۹۰] میں وصل کی صورت میں ہاء کو باقی رکھنا جائز نہیں ہے۔
صحیح قاعدہ: ارشاد باری تعالیٰ ﴿ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ﴾ میں وصل کی حالت میں ہاء کو باقی رکھنا جائز ہے۔ جیسا کہ بہت سی متواتر قراءات میں آیا ہے۔

㉑ **نحوی قاعدہ:** اسم فاعل نکرہ، حال یا مستقبل کے معنی میں ہو تو بعد والے کو نصب دیتا ہے اور اگر ماضی کے معنی میں ہو تو پھر یہ عمل نہیں کرتا۔
صحیح قاعدہ: اسم فاعل نکرہ حال یا مستقبل کے معنی میں ہو تو بعد والے اسم پر عمل کرتا ہے اور اگر ماضی کے معنی میں ہو تو اس کا عمل کرنا قلیل ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ﴾ [الکھف:۱۸] یہ متواتر قراءۃ بالکل واضح ہے۔ کسی قسم کی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔

㉒ **نحوی قاعدہ:** (الْوَلَايَةُ) میں واؤ کو فتح دینا واجب ہے۔ کسرہ دینا جائز نہیں بلکہ لحن ہے۔
صحیح قاعدہ: (الْوَلَايَةُ) میں واؤ کا فتحہ اکثر ہے اور کسرہ جائز ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ﴾ واؤ کے کسرہ کے ساتھ قراءۃ متواترہ سے ثابت ہے۔
[النشر في القراء ات لابن الجزری:۲۷۷/۲]

㉓ (ءَ أَنْذَرْتَهُمْ) میں دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر دو ساکنوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔
صحیح قاعدہ: (ءَ أَنْذَرْتَهُمْ) میں دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر دو ہمزوں کو جمع کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ دونوں ہمزوں کو تحقیق کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَ أَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ ﴾[البقرۃ:۶] قراءۃ متواترہ میں دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر پڑھنا ثابت ہے۔ [غیث النفع ص۲۶، البحر:۴۷/۱]

㉔ **نحوی قاعدہ:** دو ہمزوں کو اس طرح جمع کرنا کہ ان کے درمیان الف ہو، جائز نہیں ہے، (ضِيَآء) یا اس جیسے کلمات میں اس طرح پڑھنا مردود ہے۔
صحیح قاعدہ: دو ہمزوں کو اس طرح جمع کرنا کہ ان کے درمیان الف ہو، جائز ہے، کیونکہ صحیح سماع سے یہ ثابت ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُورًا ﴾[یونس:۵] امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے (ضِيَاءً) کو دو ہمزوں کے ساتھ (ضِئَاءً) پڑھا ہے۔ [کتاب السبعۃ ص۳۲۳] جو کہ متواتر قراءت ہے۔

㉕ **نحوی قاعدہ:** جب فعل ماضی ہو اور قد سے پہلے نہ ہو تو حال کا جملہ فعلیہ لانا جائز نہیں ہے۔ [الإنصاف مسئلہ نمبر۳۲]
صحیح قاعدہ: حال کا جملہ فعلیہ لانا جبکہ فعل ماضی ہو مطلق طور پر جائز ہے۔ قد سے پہلے ہونا اکثر ہے اور قد کے بعد ہونا قلیل ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ ﴾ [النساء:۹۰] اس کے علاوہ دیگر بہت سی آیات ہیں جو قراءات متواترہ سے ثابت ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۲۶ **نحوی قاعدہ:** ثُمَّ کے ساتھ لامِ امر متحرک لایا جائے گا، ساکن لانا جائز نہیں ہے، ایسا کرنا قبیح ہے۔
صحیح قاعدہ: ثُمَّ کے ساتھ لامِ امر متحرک یا ساکن دونوں طرح لایا جا سکتا ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ ﴾ [الحج:۲۹] قراءات سبعہ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

۲۷ کلمہ (لیکة) جو کہ غیر منصرف ہے، اسے منصرف کا اعراب دینا جائز نہیں ہے۔
صحیح قاعدہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ [الشعراء:۱۷۶]
امام ابن کثیر، نافع اور ابن عامر رحمہم اللہ نے اس کلمہ کو منصرف پڑھا ہے، تین آئمہ کا متواتر قراءۃ میں اسے اختیار کرنا اس کے جواز کی واضح دلیل ہے۔

۲۸ **نحوی قاعدہ:** ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، اللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ میں کلمہ (احد) کو تنوین دینا جائز نہیں ہے۔
صحیح قاعدہ: کلمہ احد کو تنوین دینا جائز ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ ﴾ میں احد کو تنوین کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ بہت سے قراء نے اس قراءت کو اختیار کیا ہے۔ [تفسیر طبری: ۱۹۶/۳۰]

۲۹ **نحوی قاعدہ:** (نُنجِي) کلمہ کو ایک نون، جیم مشدد اور یاء مفتوحہ کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں۔
صحیح قاعدہ: کلمہ (نجی) کو ایک نون، جیم مشدد اور یاء مفتوحہ کے ساتھ پڑھنا جائز ہے اس میں کوئی غلطی نہیں۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿ حَتّٰى إِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوْا جَاءَ هُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَشَاءُ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ [یوسف:۱۱۰] امام ابن عامر اور امام عاصم نے ابوبکر اور حفص رحمہم اللہ کی روایت کے مطابق اسی طرح پڑھا ہے۔ [کتاب السبعة، ص۲۸۸]

۳۰ **نحوی قاعدہ:** (مِائَة) کو واحد کی طرف مضاف کیا جائے گا۔ جمع کی طرف اس کی اضافت جائز نہیں۔
صحیح قاعدہ: (مِائَة) کی اضافت مفرد کی طرف اکثر اور جمع کی طرف قلیل ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةِ سِنِيْنَ﴾ [الکهف:۲۵] مائة کی اضافت سنین کی طرف ہے [کتاب السبعة، ص۳۹۰]، امام کسائی اور حمزہ رحمہم اللہ نے اسے اختیار کیا ہے۔ ﴿ ثَلَاثَ مِائَةِ سِنِيْنَ ﴾

۳۱ **نحوی قاعدہ:** (أَرْجِئْهُ) میں ہمزہ ساکن کے بعد ہاء کو کسرہ دینا جائز نہیں ہے۔ جہاں کہیں ایسا ہے وہ غلط اور مردود ہے۔
صحیح قاعدہ: (أرجئه) کی ھاء کو کسرہ دینا مطلق طور پر جائز ہے، اس سے پہلے ہمزہ ساکن ہو یا متحرک ہو۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿ قَالُوْا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حٰشِرِيْنَ ﴾ [الأعراف:۱۱۱] (أرجئه) امام ابن عامر رحمہ اللہ نے ہمزہ ساکن اور ہاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جو کہ متواتر قراءات ہے۔
[کتابُ السّبعة ص۲۸۸]

۳۲ **نحوی قاعدہ:** اسم ذات کی خبر اسم معنی لانا جائز نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح قاعدہ: اسم ذات کی خبر لانا مطلقاً جائز ہے۔ خبر کا اسم ذات ہونا اکثر اور اسم معنی ہونا قلیل ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ ﴾ [الاسراء:۴۷] اسم ذات (هُمْ) کی خبر اسم معنی (نجوىٰ) کے ساتھ آئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی مثالیں ہیں مثلاً ﴿ أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا ﴾ [الکھف:۴۱]

۳۳ **نحوی قاعدہ:** وصل کی حالت میں دو ساکنوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ ﴿فَمَا اسْطَاعُوا﴾ [الکھف:۹۷] امام حمزہ رحمہ اللہ کی قراءت میں طاء مشدد کے ساتھ پڑھا گیا ہے: ﴿فَمَا اسْطَّاعُوا﴾
صحیح قاعدہ: آیت کریمہ ﴿ فَمَا اسْطَاعُوا ﴾ میں وصل کی حالت میں دو ساکن جمع کرنے جائز ہیں۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿فَمَا اسْطَاعُوا﴾ امام حمزہ رحمہ اللہ نے طاء مشدد کے ساتھ پڑھا ہے جو کہ متواتر قراءت ہے۔

۳۴ **نحوی قاعدہ:** الوعد کو (فَاعَلَ) کے وزن پر لانا جائز نہیں۔ الف کے بغیر (وَعَدَ) کہا جائے گا۔
صحیح قاعدہ: الوَعْد کو الف کے ساتھ (وَاعَدَ) اور الف کے بغیر (وَعَدَ) دونوں طرح لانا جائز ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿ وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ ﴾ [البقرۃ:۵۱] قراء سبعہ میں ابوعمرو رحمہ اللہ کے علاوہ باقی چھ قراء نے (وَاعَدَ) الف کے ساتھ پڑھا ہے۔

۳۵ **نحوی قاعدہ:** ﴿ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ ﴾ میں راء کا لام میں ادغام جائز نہیں ہے۔
صحیح قاعدہ: آیت کریمہ ﴿ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ ﴾ وغیرہ کلمات میں راء کا لام میں ادغام جائز ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ﴾ [البقرۃ:۲۸۴] امام ابوعمرو رحمہ اللہ نے راء کے لام میں ادغام کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ متواتر قراءت ہے۔ [کتاب السبعۃ، ص۱۹۵]

۳۶ **نحوی قاعدہ:** (من راق) میں ادغام کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ نون کے اظہار کے ساتھ پڑھنا عیب ہے۔
صحیح قاعدہ: جس طرح ادغام جائز ہے اسی طرح نون میں اظہار بھی جائز ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ﴾ [القیامۃ:۲۷] امام عاصم نے نون کے اظہار (مع سکتہ) کے ساتھ پڑھا ہے جو کہ متواتر قراءت ہے۔

۳۷ **نحوی قاعدہ:** ارشاد باری تعالیٰ ﴿لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ﴾ میں کلمہ (بَيْن) پر نصب پڑھنا جائز نہیں ہے۔ رفع پڑھا جائے گا۔
صحیح قاعدہ: کلمہ (بَيْن) میں رفع کی طرح نصب بھی جائز ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ ﴾ [الأنعام:۹۴] قراء میں سے امام نافع، کسائی اور حفص عن عاصم رحمہم اللہ نے (بَيْنَ) نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔

۳۸ **نحوی قاعدہ:** ارشاد باری تعالیٰ ﴿ نَخْسِفْ بِهِمُ ﴾ میں فاء کا باء میں ادغام جائز نہیں ہے۔ اصل وجہ اظہار ہے۔
صحیح قاعدہ: ﴿ نَخْسِفْ بِهِمُ ﴾ میں اظہار کی طرح ادغام بھی جائز ہے۔
قرآن مجید سے دلیل: ﴿إِنْ نَشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْأَرْضَ﴾ [السّبا:۹] امام کسائی رحمہ اللہ نے فاء میں باء کے ادغام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کے ساتھ پڑھا ہے جو کہ متواتر قراءات ہے۔[کتاب السبعة ص۲۵۷، الإتحاف ص۳۵۷]

㊴ **نحوی قاعدہ:** (فِعْلَیٰ) کے وزن پر (ضِیزَیٰ) جیسی مثالوں میں ہمزہ لانا جائز نہیں ہے کیونکہ جب ہمزہ لایا جائے گا تو وہ صفت بن جائے گا اور فِعْلَیٰ صفت نہیں ہوتی۔

صحیح قاعدہ: فِعْلَیٰ کے وزن پر (ضِیزَیٰ) جیسی مثالوں میں ہمزہ لانا جائز ہے کیونکہ یہ سماع سے ثابت ہے۔

قرآن مجید سے دلیل: ارشاد باری تعالیٰ ﴿ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزٰى ﴾ [النجم:۲۲] امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ہمزہ کے ساتھ (ضیزی) پڑھا ہے۔

㊵ **نحوی قاعدہ:** جب اسم ثلاثی، صحیح العین، مفتوح الفاء ہو تو (فَعل) کی جمع (أفعال) کے وزن پر لانا جائز نہیں۔

صحیح قاعدہ: جب ثلاثی اسم، صحیح العین، مفتوح الفاء ہو تو (فعل) کی جمع (أفعال) کے وزن پر لانا جائز ہے۔

قرآن مجید سے دلیل: ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق:۴] یہاں پر (حَمل) کی جمع (أَحْمَال) آئی ہے جو متواتر قراءات ہے۔

عمومی جائزہ

سابقہ مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عام طور پر بصری، کوفیوں سے قراءات کی مخالفت میں آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ قراءات کو لحن، کمزور، خطا اور نامناسب القابات سے نوازنے میں وہ نسبتاً بے باک ہیں۔ اس کی ایک وجہ غالباً یہ ہے کہ وہ سماع پر قیاس کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ جو اس بارے میں مزید تفصیلات چاہتا ہے وہ ”اعتبار القیاس في المدرسة البصرية“ (یہ مولف کا ایک مضمون ہے جو مجلّہ کلية الآداب، جامعہ القاھرہ، جلد۲۴ جز ثانی دسمبر۱۹۶۲ء میں شائع ہوا ہے) اور ”الموازنة بين المناهج البصرية“ (مؤلف کا ہی ایک دوسرا مضمون ہے جو سابق مصدر میں ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا)

کیا قراءات متواترہ پر اعتراض اور طعن کے وقت خاموش رہنا چاہئے؟

بغیر کسی استثناء کے تمام قراءات پر اعتراضات کئے گئے۔ ان کی وجوہ میں سے کسی نہ کسی وجہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا۔ اس طرح ایک بھی قراءت ایسی نہیں بچی جسے یہ نحوی متواتر اور صحیح تسلیم کریں۔ اس صورت حال میں اپنے دین اور کتاب کے بارے میں غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے، قراءات پر اس طعن کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور کتاب اللہ کا دفاع ہر پہلو سے ہم پر لازم ہو جاتا ہے۔

شیخ عضیمہ رحمہ اللہ اس مسئلے کی حساسیت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ عنوان قائم کرتے ہیں ”القراء السبعة ونصيب كل منهم في تلحيين قراءته“ [مقدمة دراسات لأسلوب القرآن الكريم ص۳۴، جزء اوّل]

”قراءسبعہ اور ان میں سے ہر ایک کی قراءت میں غلطی کا حصہ“

اس عنوان کے تحت انہوں نے ہر ایک قاری پر کئے گئے اعتراضات جمع کئے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

① امام ابن عامر رحمہ اللہ (ت ۱۱۸ھ) کی قراءت میں ۱۸ غلطیاں بیان کی گئی ہیں۔

② امام حمزہ رحمہ اللہ (ت ۱۵۰ھ) کی قراءت میں ۱۵ غلطیاں بیان کی گئی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ امام نافع رحمہ اللہ (ت ۱۶۹ھ) کی قراءت میں ۱۲ غلطیاں بیان کی گئی ہیں۔
④ امام کسائی رحمہ اللہ (ت ۱۸۰ھ) کی قراءت میں ۱۱ غلطیاں بیان کی گئی ہیں۔
⑤ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (ت ۱۲۰ھ) کی قراءت میں ۹ غلطیاں بیان کی گئی ہیں۔
⑥ امام ابی عمرو رحمہ اللہ (ت ۱۵۴ھ) کی قراءت میں ۷ غلطیاں بیان کی گئی ہیں۔
⑦ امام عاصم رحمہ اللہ (ت ۱۲۷ھ) کی قراءت میں ۷ غلطیاں بیان کی گئی ہیں۔

یہ صرف وہ اعتراضات ہیں جو قراءات سبعہ پر وارد کئے گئے، دیگر قراءات پر کئے جانے والے اعتراضات ان کے علاوہ ہیں۔ اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کے ہاں کوئی ایک بھی قراءت ایسی نہیں جسے تقدس حاصل ہو، تمام لوگ اس کا احترام کریں اور وہ غلطی سے مبّرا ہو۔

ان کے ان اعتراضات کو کسی صورت میں تسلیم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ان کی جراءت پر خاموشی اختیار کی جاسکتی ہے۔ خاص طور پر جب کے یہ تمام اعتراضات بے بنیاد اور بغیر کسی علمی سند کے ہیں۔ ہر شخص کو قرآن کریم پر اعتماد کرنا ہوگا اور اسے مصدر اوّل بنانا ہوگا۔ اس صورت میں قراءات متواترہ ان اعتراضات سے محفوظ رہ سکتی ہیں۔

ہم نے اس بحث کے ذریعے معروف نحو کی فطری طور پر حفاظت کی ہے۔ باوجود اس بات کے کہ ہم نے اس کے بہت سے ابواب میں اصلاح کی کوشش کرتے ہوئے قواعد کو درست کیا ہے۔ قواعد کی یہ درستگی محض اس بنیاد پر ہے کہ ہر اصول کی طرح نحو کی اصل بھی قرآن مجید ہے۔ لہٰذا اس کی متواتر قراءات میں جو کچھ موجود ہے وہی نحو کی اساس ہے۔ اگر کہیں معاملہ اس کے برعکس ہے تو یہ قراءت کی نہیں نحاۃ کی غلطی ہے کہ انہوں نے یہ قاعدہ قرآن مجید کے موافق کیوں نہ بنایا یا علم ہو

نے کے بعد اس کی اصلاح کیوں نہ کردی۔ اب بھی اگر کسی جگہ پر معروف نحو کا قاعدہ قرآنی آیت کے معارض معلوم ہو تو قرآن مجید کی محبت، عظمت، حفاظت، دینی حمیت اور نحو کی خدمت کا طریقہ یہ ہے کہ اس قاعدہ کو تبدیل کرکے قرآن مجید کے موافق بنا دیا جائے۔ اس سے قرآن مجید کی عظمت بھی برقرار رہے گی اور نحو بھی صحیح اسلوب اختیار کرلے گی۔ جس سے اس کی فصاحت و بلاغت میں اضافہ ہوجائے گا اور یہ نحو کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد آصف ہارون*

تواتر کا مفہوم اور ثبوتِ قرآن کا ضابطہ

زیر نظر مضمون کو مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور کے فاضل رکن محمد آصف ہارون ﷿ نے قراء ات متواترہ کے تواتر کے سلسلہ میں تحریر کیا ہے، جس میں انہوں نے جہاں 'خبر متواتر' کی تعریف متعین کرنے کی کوشش کی ہے وہیں اس بات کا بھی اظہار کیا ہے کہ تواتر کی تعریف کے ضمن میں موجود اِختلاف کا تعلق تدوین میں تصورات کی فنی ضابطہ بندی میں اصطلاحات کے فرق سے ہے، جو کہ حقیقی اختلاف شمار نہیں ہوتا۔ انہوں نے بتایا ہے کہ کسی حدیث کے قبولیت وردّ کا اصل معیار عددی اکثریت یا اقلیت نہیں، بلکہ راوی کا کردار، ضبط اور اتصال سند وغیرہ ہے، چنانچہ معتزلہ اور بعض متاخر اُصولیوں کا اِن بنیادی شرعی معیارات سے قطع نظر روایت کو افراد کی کثرت وقلت (تواتر واحاد) کے معیارات پر پرکھنا سلف صالحین کے متفقہ تعامل سے انحراف ہے۔ موصوف نے بعض معاصر اہل علم کے برخلاف یہ رائے بھی پرزور پیش کی ہے کہ تواتر وآحاد کی تقسیم محدثین کرام کے فن ہی کا حصہ ہے اور امام خطیب بغدادی ﷫ کے بعد سے عصر حاضر تک تمام محدثین عظام نے بالاتفاق اس اصطلاح کو اپنی فن مصطلح کی کتب میں پیش کرکے قبول فرمایا ہے۔ اُن کی رائے میں محققین کے ہاں چونکہ تواتر اسنادی کا اصطلاحی تصور عملاً موجود نہیں، اس سے بعض لوگ اس مغالطہ کا شکار ہوئے ہیں کہ خبر متواتر کا تصور شائد فن حدیث میں اجنبی ہے، حالانکہ تواتر کا لفظ محدثین کرام کے ہاں عددی وسندی تواتر کے علاوہ دیگر معانی میں عام مستعمل ہے، یہی وجہ ہے کہ قراء ات عشرہ تواتر اسنادی کے علاوہ دیگر اقسامِ تواتر پر پورا اترنے کی وجہ ہی سے 'متواترہ' کہلائی جاتی ہیں۔ [ادارہ]

سردست ہم 'تواتر' کا لغوی معنی واصطلاحی مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

لغوی مفہوم

تواتر باب تفاعل سے مصدر ہے جس کا معنی ہے (کسی چیز کا) تسلسل، لگاتار، اور یکے بعد دیگرے آنا۔ اور یہ 'و، ت، ر' سے مشتق ہے۔

علامہ ابن منظور الافریقی ﷫ 'تواتر' کے لغوی مفہوم کے بارے میں رقمطراز ہیں:

”قال ثعلب: هي من التواتر أي التتابع وما زال على وتيرة واحدة أى على صفة واحدة ...... قال أبو عبيدة، الوتيرة المداومة على الشيء وهو مأخوذ من التواتر والتتابع“ [لسان العرب: ۲۷۳/۶]

”ثعلب نے کہا ہے: یہ (چیز) تواتر سے ماخوذ ہے یعنی مسلسل، پے در پے، باری باری اور جو چیز ایک وتیرہ یعنی ایک

* فاضل کلیة الشریعة، جامعہ لاہور الاسلامیہ ورکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

صفت پر ہمیشگی رکھے......ابوعبیدہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ 'وتیرة' سے مراد، کسی چیز پر مداومت اختیار کرنا اور یہ تواتر متتابع سے اَخذ شدہ ہے۔''

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''ليس فيها تواتر أى ليس فيها توقف ولا فتور''[ایضاً]

''اس میں تواتر نہیں ہے یعنی اس میں کوئی وقفہ و بندش نہیں ہے۔''

اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

''تواتر المطر:إذا تتابع نزوله''[ایضاً]

''بارش،تواتر سے برسی: جب اس کا نزول تسلسل کے ساتھ ہو۔''

'تترا' بھی 'وتر' سے مشتق ہے چنانچہ قرآن کریم میں مرقوم ہے:

﴿ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا﴾[المؤمنون:۴۴]

''پھر ہم نے پے درپے اپنے رسولوں کو بھیجا۔''

یعنی ایک رسول کے بعد دوسرا رسول بھیجا اور ان کے درمیان کوئی وقفہ نہیں تھا۔

اصطلاحی مفہوم

تواتر یا متواتر کے اصطلاحی مفہوم کے متعلق علمائے حدیث کے دو گروہ ہیں:

① عام اُصولی محدثین کے نزدیک چونکہ خبر دو اقسام (متواتر و واحد) میں منقسم ہوتی ہے لہٰذا اس گروہ کے نزدیک تواتر کا اِصطلاحی مفہوم اس طرح ہوگا۔

''هو ما رواه جمع تحيل العادة تواطئوهم على الكذب، عن مثلهم من أول السند إلى منتهاه على أن لا يختل هذا الجمع فى أى طبقة من طبقات السند''[أصول الحديث:ص۳۰۱]

''متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو ایک ایسی جماعت روایت کرتی ہو جس کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً وعادةً محال ہو اور وہ جماعت جس دوسری جماعت سے روایت کرتی ہو وہ بھی اسی طرح کی ہو، اور یہ وصف سند کے آغاز سے، وسط اور آخر میں موجود رہے۔''

◉ علامہ طیبی رحمہ اللہ خبر متواتر کی تعریف اس طرح لکھتے ہیں:

''هو خبر بلغت روايته فى الكثرة مبلغا أحالت العادة تواطئوهم على الكذب''

''متواتر وہ خبر ہے جس کی روایت کثرت کے اعتبار سے اس درجہ کو پہنچے کہ عادةً اس کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔''[الخلاصة:۳۲]

◉ مشہور اُصولی ملاجیون رحمہ اللہ تواتر کا اصطلاحی مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں:

''هو الخبر الذى رواه قوم لايحصى عددهم ولا يتوهم تواطئوهم على الكذب''

''ایسی خبر کو کہتے ہیں جس کو اتنے افراد روایت کریں کہ جن کا شمار ناممکن ہو اور جس کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔''

[نور الأنوار بتحقيق الزاهدى:۲۱۵/۳]

تعین عدد میں اختلاف

جن لوگوں نے متواتر کے اِصطلاحی مفہوم میں عدد کو بنیاد بنایا ہے ان کے مابین عدد کے تعین میں اختلاف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔درست رائے کے مطابق عدد کو متعین کرنا غلط ہے چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’متواتر کے بارے میں صحیح رائے وہی ہے جو جمہور کی ہے اور وہ یہ ہے کہ متواتر کے مفہوم میں عدد کا تعین ٹھیک نہیں ہے بلکہ جب رواۃ کی خبر سے علم حاصل ہوگا تو اس وقت خبر متواتر ہوگی۔‘‘[فتاوی ابن تیمیة:۴/۴۰]

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

’’جہاں تک عدد کا تعلق ہے کہ جس سے تواتر حاصل ہو جائے تو بعض لوگوں نے اس کے لئے ایک مخصوص عدد مقرر کیا ہے پھر جنہوں نے مخصوص عدد مقرر کیا ہے ان میں بھی اس عدد کی تعیین میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک چار سے زائد، بعض کے نزدیک بارہ، بعض کے ہاں چالیس، بعض ستر، بعض تین سو اور بعض تین سو تیرہ کے عدد کو تواتر کے حصول کی بنیاد بناتے ہیں۔اس کے علاوہ بھی کچھ اَقوال ہیں، لیکن یہ سب اَقوال باطل ہیں کیونکہ یہ دعوی میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں جبکہ صحیح قول یہ ہے کہ تواتر کا کوئی عدد مقرر نہیں ہے (یعنی یہ ایک آدمی سے بھی ہوسکتا ہے اور بعض اوقات ستر سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔‘‘[فتاوی ابن تیمیة:۴/۴۷]

◉ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ عدد کے تعین کے بارے اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فلا معنی لتعیین العدد علی الصحیح“ [نزھة النظر:ص۱۰]

’’درست رائے کے مطابق عدد کا تعین بے معنی چیز ہے۔‘‘

◉ علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ولا یعتبر فیه عدد معین فی الأصح“ [قواعد الحدیث:۱/۱۰۷]

’’صحیح ترین قول کے مطابق تواتر کے مفہوم میں عدد کے تعین کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔‘‘

◉ مشہور اُصولی امام رازی رحمہ اللہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ

’’حق بات یہی ہے کہ مذکورہ گروہ کے نزدیک جو عدد، علم کا فائدہ دیتا ہے وہ غیر معلوم ہے، کیونکہ جب بھی عدد کا تعین ہوگا تو اس وقت ان (رواۃ کی کثرت) سے جھوٹ کے صدور کا اِمکان عقلاً غیر بعید ہوگا۔‘‘

◉ امیر صنعانی رحمہ اللہ صاحب سبل السلام کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے کہ تواتر میں عدد کو متعین نہیں کیا جائے گا فرماتے ہیں:

”ولا یشترط له عدد معین عند المحققین کما عرف فی الأصول“[توضیح الأفکار:۱/۱۹]

’’محققین کے نزدیک تواتر کو عددِ معین سے مشروط نہیں کیا جائے گا جیسا کہ اُصول میں معروف ہے۔‘‘

◉ ڈاکٹر صبحی صالح مذکورہ موقف کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’ہم نے متواتر کی تعریف میں ”یحیل العقل والعادة تواطئوھم علی الکذب“ کی قید اس لیے لگائی ہے تاکہ ان مخالف نظریات سے بچ سکیں جو رواۃ کی تعداد کی تعیین میں بغیر کسی دلیل کے پیش کئے جاتے ہیں ......لہٰذا تواتر حدیث کی تعریف میں راجح قول یہ ہے کہ جماعت کی تعداد مقرر کرنے کی بجائے یہ کہہ دیا جائے کہ عقل ان کے جھوٹ پر جمع ہونے کو محال قرار دیتی ہے جب کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ’’صحیح قول کے مطابق تعداد مقرر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔‘‘ [علوم الحدیث:ص۴۷]

④ بعض محدثین اور علمائے اُصول نے تقسیم خبر میں خبر واحد اور خبر متواتر کی مروّج تعریفات سے قطع نظر، قطعیت وظنیت کے لحاظ سے تواتر کا مفہوم متعین کیا ہے، یعنی اس گروہ نے تواتر کے مفہوم میں ’عدد‘ کو بنیاد نہیں بنایا بلکہ ان کے نزدیک عدد کی بنیاد پر روایت کا ظاہری مطالعہ فضول چیز ہے۔ان کے نزدیک تواتر کا مفہوم یہ ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

"كل ما أفاد القطع فهو متواتر"[الفصول فی مصطلح حديث الرسول:ص۱۳]
''ہر وہ (خبر) جو قطعیت کا فائدہ دے وہ متواتر ہے۔''
اس تعریف کو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، امام الحرمین رحمہ اللہ اور امام ابن الاثیر رحمہ اللہ نے اپنا لیا ہے۔
اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ
"وهذا قول الجمهور"[ایضاً]
''یہ جمہور کا نقطۂ نظر ہے۔''
مشہور اُصولی ملاجیون رحمہ اللہ اس نقطۂ نظر کے بارے میں رقمطراز ہیں:
"بل كل مايحصل به العلم الضروری، فهو من أمارة التواتر"
[نور الأنوار بتحقيق الزاهدی:۲۲۰/۳]
''بلکہ ہر وہ (خبر) جس کے ساتھ علمِ ضروری حاصل ہوتا ہے وہ متواتر کے حکم میں ہوتی ہے۔''
الاستاذ ثناء اللہ زاہدی حفظہ اللہ کہتے ہیں:
''تواتر کے معنی و مفہوم کی تحقیق کے بارے میں مذکورہ بالا نقطۂ نظر جمہور اُصولیین کے نزدیک قابل اعتماد ہے۔''
اور اس کی وضاحت حسب ذیل کتب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

① كشف الأسرار از بخاری رحمہ اللہ [۶۵۸/۲]
② جامع الأسرار از کاکی رحمہ اللہ [۶۳۷/۳]
③ جمع الجوامع از سبکی رحمہ اللہ [۴۸۳/۲]
④ الإحكام از آمدی رحمہ اللہ [۲۷/۲]
⑤ التقرير والتحبير از ابن امیر الحاج رحمہ اللہ [۳۱۱/۲]
⑥ العدة از ابویعلی رحمہ اللہ [۸۵۵/۳]
⑦ البحر المحيط از زرکشی رحمہ اللہ [۲۳۲/۴]

[بحوالہ نور الأنوار بتحقيق الزاهدی:۲۲۰/۳]

یہ متقدمین محدثین کا موقف ہے جبکہ ابھی کتب مدون نہیں ہوئی تھیں۔ اس دور میں جبکہ ابھی اصطلاح سازی کا تصور سامنے نہیں آیا تھا۔ اس وقت کے علماء دو ہی چیزوں سے واقف تھے کہ روایت دو قسم کے ذریعوں سے ثابت ہوتی ہے قطعی ذریعہ، ظنی ذریعہ، جب علوم تدوین پا گئے تو بعد از تدوین فن حدیث بھی اہل علم میں یہ رجحان پایا جاتا رہا کہ توار کی تعریف میں اصل چیز ''قطعیت'' ہے نا کہ کافی سارے رواۃ کی روایت متقدمین اہل علم کے اس تصور کی توضیح اور وضاحت پر فن حدیث کی قدیم وجدید کتب میں بہت کچھ چھپ چکا ہے۔ ابھی پیچھے جن دو کتب کا میں حوالہ دے چکا ہوں، اس ضمن میں ان میں انتہائی مفید بحثیں موجود ہیں ان لوگوں نے اپنی کتب میں اس موضوع بہت خوب بحث کی ہے کہ تواتر میں متاخر محدثین میں معتزلہ اور ان سے متاثر بعض فقہاء کی وجہ سے فلسفیانہ رنگ آ گیا ہے جس کے مصداق کا تعین کرنا انتہائی مشکل ہے اس طرح امام مصطلح الحدیث حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ اور تمام شارحین نے بھی متواتر حدیث کی عام تعریف جس کا تعلق تواتر اسنادی سے ہے پر خوب ہی کلام فرمائی ہے کہ مروجہ تعریف تواتر میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محدثین کے بجائے بعض متاخرین اصولیوں نے رنگ آمیزی کی ہے کیونکہ جو تعریف عام طور پر تواتر الاسناد ذکر کی جاتی ہے اس کا مصداق تلاش کرنا امر واقعہ صرف ایک حدیث ”من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار“ [صحیح بخاری:۱۰۷] شائد بن سکے۔ مقدمہ ابن الصلاح کے شارحین نقلاً حافظ عراقی رحمہ اللہ وغیرہ نے وضاحت کی کہ حافظ صاحب رحمہ اللہ اور عام محدثین امام حاکم، حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ، امام سیوطی رحمہ اللہ وغیرہ جس تواتر کو مانتے ہیں وہ اسنادی یا بالفاظ دیگر عددی تواتر نہیں، بلکہ تواتر الاِشتراک ہے ایسا تواتر مختلف 'اخبار آحاد' کے مجموعہ میں الفاظ بامعانی کے اعتبار سے موجود قدر مشترک سے حاصل ہوتا ہے چنانچہ تواتر الاِسناد تو اوّلاً محدثین کی کوئی مسلمہ اصطلاح ہی نہیں اور جس اصطلاح کو میں اصل چیز عددی یا اسنادی تواتر نہیں بلکہ تواتر الاِشتراک ہے جو روایت وخبر کے پہلو سے درحقیقت خبر واحد اور نتیجہ کے اعتبار سے ایسی روایت ہوتی ہے جس میں موجود شے علم قطعی سے ثابت ہوتی ہے۔

خبر واحد محتف بالقرائن

مشہور مقولہ ہے ”تعرف الأشیاء بأضدادھا“ لہٰذا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ تواتر کے مفہوم کے ضمن میں خبر واحد کی لغوی واصطلاحی مفہوم کے ساتھ ساتھ خبر واحد محتف بالقرائن کے حکم کو بھی نقل کر دیا جائے۔

خبر واحد

لغوی مفہوم: خبر واحد کے لغوی معنی یہ ہیں کہ وہ خبر جسے روایت کرنے والا صرف ایک ہی شخص ہو۔ واحد کی جمع آحاد ہے جیسے حجر کی جمع احجار آتی ہے۔

اِصطلاحی مفہوم: عام محدثین اور علمائے اُصول کی اِصطلاح میں خبر واحد سے مراد وہ حدیث ہے جس میں متواتر کی تمام شروط وصفات نہ پائی جائیں خواہ اس کو روایت کرنے والا تنہا ایک شخص ہو یا ایک سے زیادہ ہوں۔

[الکفایة للخطیب:۳۱/۱]

محدثین کے نزدیک متواتر کے علاوہ باقی تمام اخبار پر اخبار آحاد کا ہی اطلاق ہوتا ہے۔

[تحفة أھل الفکر:ص۹]

چنانچہ جناب ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمہ اللہ صاحب فرماتے ہیں:

”وکلھا سوی المتواتر آحاد“......”متواتر کے علاوہ باقی تمام اَحادیث آحاد ہیں۔“

[قواعد فی علوم الحدیث للتھانوی:ص۳۳]

خبر واحد کی یہ تعریف اس گروہ کے نزدیک قابل اعتبار ہے جس نے تواتر کی تعریف عدد کثیر کے اعتبار سے کی ہے جب کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ خبر واحد جو صحیح الثبوت ہو اس کی مزید دو قسمیں ہیں:

① خبر واحد محتف بالقرائن ② خبر واحد غیر محتف بالقرائن

وہ خبر واحد ہے جو علم نظری وظنی کا فائدہ دیتی ہے یعنی ایسا علم جس میں تحقیق ونظر کی ضرورت ہوتی ہے اور تحقیق کے بعد اس میں بھی سچ وجھوٹ میں سے ایک پہلو قطع ہو جاتا ہے۔

ایسی خبر جو محتف بالقرائن ہو جمہور محدثین اور جمہور علماء اُصول کے نزدیک علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے اور حافظ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بارے میں النکت علی ابن الصلاح وغیرہ میں وضاحتاً لکھا ہے کہ اہل الحدیث کے ہاں ایسی خبر متواتر حدیث کی طرح علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے یا بالفاظ دیگر ایسی خبر سے جو علم حاصل ہوتا ہے اسے متاخرین کی اصطلاحات میں اگرچہ تواتر تو قرار نہیں دیا جاتا، کیونکہ تواتر اسنادی کے لئے کم ازکم چار افراد کا ہر طبقے میں پایا جانا ضروری ہے، لیکن اس کے باوجود یہ قسم تواتر کی طرح ہے، کیونکہ قرائن سے اسے ایسی قوت بخش دیتے ہیں کہ یہ قطعیت کا درجہ حاصل کر لیتی ہے اہل الحدیث کے ہاں یہ قرائن کافی قسم کے ہوتے ہیں جن کی تفصیل کتب مصطلح میں موجود ہے ان میں سے ایک قرینہ جیسے تقریباً تمام فقہی مکاتب فکر کے ہاں مقبولیت حاصل ہے یہ ہے کہ ایسی صحیح روایت جس کی صحت پر جمیع اہل فن کا اتفاق ہو جائے، جسے اصطلاحات میں تلقی بالقبول کہتے ہیں تو یہ اتفاق اسے قطعیت کے مقام پر فائز کر دیتا ہے صحیحین کو دیگر کئی قرائن کے ساتھ صرف اسی ایک قرینہ نے امت کے ہاں قطعیت کے مقام کر دیا ہے عام طور پر علماء احناف خبر واحد کی بنا پر واجب اور فرض میں، حرام اور مکروہ تحریمی میں اور تخصیص عام اور تقیید اطلاق وغیرہ کی مباحث میں جمہور سے مختلف ہیں اور اس کی وجہ وہ یہی قرار دیتے ہیں کہ خبر واحد ظنی ہوتی جبکہ خبر متواتر علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے جب کہ ذیل کی سطور میں چند وضاحتیں کی جارہی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی تین اَقسام ہیں:

① وہ خبر جس کی تخریج شیخین نے بالاتفاق کی ہو اور وہ حد تواتر کو نہ پہنچی ہو۔

② وہ خبر جو مشہور ہو اور اس کے کئی طرق ہوں اور سب طرق ضعف وعلل سے محفوظ ہوں۔

③ وہ خبر جسے اَئمہ، حفاظ اور متقنین نے بیان کیا ہو اور وہ غریب نہ ہو اور دوسری جگہ فرماتے ہیں، ایسی خبر جسے اَئمہ حدیث نے بیان کیا ہو اور اُمت کی طرف سے اسے تلقی بالقبول حاصل ہوا ہو۔تلقی بالقبول کے بارے میں کہتے ہیں کہ بلاشک کسی خبر کے صحیح ہونے پر اجماع اُمت، قرائن محتفہ اور مجرد کثرتِ طرق سے حاصل ہونے والے علم سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔[نزھة النظر :۵۱،النکت:۳۷۸/۱]

◉ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ایسی خبر واحد جس کو 'تلقی بالقبول' حاصل ہو علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے اور یہی جمہور احناف مالکیہ، شوافع اور اصحاب احمد کا قول ہے۔ اکثر اشاعرہ کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ استاذ اسفرائینی رحمہ اللہ اور ابن فورک رحمہ اللہ وغیرہ ہیں۔

[فتاوی ابن تیمیة:۴۱/۱۸]

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا جات کے مدلول میں چار یا اس سے زائد رواۃ کی کثرت بھی شامل ہے جسے عموماً تواتر الإسناد کہتے ہیں اور چار سے کم رواۃ میں پائے جانے والی صفات کی قوت بھی شامل ہے جسے اصطلاح محدثین میں خبر واحد محتف بالقرائن کہتے ہیں ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اگر جھوٹ کا احتمال تین یا اس سے کم رواۃ میں ختم ہو جاتا ہے تو محدثین کے بالاتفاق ایسی شے بھی علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے اس مثال میں ہم صحیح بخاری کے سلسلة الذھب کو پیش کر سکتے ہیں سلسلة الذھب سے مراد سونے کی وہ سند ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ اپنے استاد احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اور وہ نقل کریں امام شافعی رحمہ اللہ سے اور وہ نقل کریں اپنے استاد امام مالک رحمہ اللہ سے اور وہ روایت کریں نافع رحمہ اللہ، یا سالم رحمہ اللہ سے اور وہ روایت کریں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے۔ اس سند میں موجود تمام افراد کو امیر المؤمنین فی الحدیث کا لقب حاصل ہیت اور ہر ہر آدمی اپنی ثقاہت میں متعدد ثقہ راویوں کے برابر قوت رکھتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

’’متواتر کی اصطلاح سے اصل مقصود علم یقینی کا حصول ہے جبکہ بعض لوگ متواتر اس کو کہتے ہیں جس کو ایک بہت بڑی تعداد نے نقل کیا ہو اور علم یقینی صرف ان کی کثرت تعداد کی بنیاد پر حاصل ہو رہا ہو۔ان کا یہ کہنا کہ ایک مخصوص تعداد جب ایک واقعہ میں علم یقین کا فائدہ دیتی ہے تو وہ تعداد ہر واقعہ میں علم یقین کا فائدہ دے گی اور یہ قول ضعیف ہے۔ صحیح قول جمہور علماء کا ہے جس کے مطابق بعض اوقات علم یقینی مخبرین کی تعداد سے حاصل ہوتا ہے جبکہ بعض اوقات مخبرین کی (اعلی) دینی صفات اور ضبط سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح بعض اوقات خبر کے ساتھ کچھ ایسے قرائن ملے ہوئے ہوتے ہیں کہ جن کی موجودگی میں علم یقینی حاصل ہو رہا ہوتا ہے جبکہ بعض اوقات ایک گروہ کو ایک خبر سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے اور دوسرے کو نہیں ہوتا ہے۔‘‘[فتاوی ابن تیمیة:۴/۴۷]

◉ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ان لوگوں کے رد میں جو خبر واحد محتف بالقرائن کو مفید علم یقینی نہیں سمجھتے، فرماتے ہیں:

’’ایسی خبر جس کی اُمت نے تصدیق کی ہو اور اپنے ردعمل کے ذریعے سے اسے قبولیت سے نوازا ہو تو وہ خبر جمہور علماء سلف وخلف کے نزدیک مفید علم یقینی ہوتی ہے یہ وہ موقف ہے جسے اُصول فقہ کے جمہور مصنفین نے ذکر کیا ہے۔ جیسے احناف میں سے شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے، مالکیہ میں قاضی ابویعلی رحمہ اللہ اور ابوالخطاب رحمہ اللہ نے، اشاعرہ میں سے اکثر اہل کلام کی بھی یہی رائے ہے، جیسے ابواسحاق اسفرائینی، ابوبکر بن فورک، ابومنصور تمیمی ابن سمعانی، ابوہاشم جبائی اور ابوعبداللہ بصری رحمہم اللہ وغیرہ۔

فرماتے ہیں کہ یہ تمام محدثین کا مذہب ہے اور ابن الصلاح رحمہ اللہ نے المدخل إلی علوم الحدیث میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کا بھی یہی مفہوم ہے انہوں نے یہ استنباطاً ذکر کیا ہے کہ جس میں مذکورہ ائمہ ان سے موافقت رکھتے ہیں اور اس میں ان لوگوں نے مخالفت اختیار کی ہے جن کا خیال یہ ہے کہ جمہور، ابن الصلاح رحمہ اللہ کی رائے کے خلاف ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ)ان لوگوں نے مخالفین جیسے ابوبکر باقلانی غزالی رحمہ اللہ، ابن عقیل رحمہ اللہ وغیرہ کی تصانیف کے علاوہ دوسری کتب سے واقفیت حاصل نہیں کی، کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خبر واحد مطلقاً مفید علم نہیں ہے اور اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ مجرد خبر واحد مفید علم نہیں ہے۔ (بلکہ وہ خبر واحد جو محتف بالقرائن ہوگی وہ علم یقینی کا فائدہ دے گی)‘‘[النکت:۱/۳۷۴، ۳۷۷]

◉ مشہور اُصولی ملا جیون رحمہ اللہ کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے۔[نور الأنوار:۳/۲۲۰]

◉ علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ نے اس بارے میں تین مذاہب بیان کیے ہیں:

① خبر واحد مطلق طور پر قطعیت کا فائدہ دیتی ہے اگرچہ اس کو شیخین نے تخریج نہ بھی کیا ہو۔ یہ ابن طاہر مقدسی رحمہ اللہ کا نقطۂ نظر ہے۔

② صحیحین میں یا دونوں میں سے کسی ایک میں تخریج کی گئی ہو تو خبر واحد قطعیت کا فائدہ دیتی ہے یہ ابن الصلاح رحمہ اللہ کا نقطۂ نظر ہے۔

③ ایسی خبر واحد جو صحیحین میں ہو، یا مشہور ہو جس کے کئی طرق ہوں اور وہ سبب علل سے پاک ہو یا وہ خبر جو مسلسل بالائمہ ہو، قطعیت کا فائدہ دیتی ہے۔ یہ نقطۂ نظر ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا ہے۔

[قواعد التحدیث:۸۹]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دوسرے اور تیسرے مذہب کے مطابق ایسی خبر واحد جو محتف بالقرائن ہو وہ علم قطعی ویقینی کا فائدہ دیتی ہے۔ متاخر حنفی محدث انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ بھی اس نقطۂ نظر کے حامل ہیں کہ خبر واحد محتف بالقرائن علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

”حاصله أنه يفيد القطع إذا احتف بالقرائن كخبر الصحيحين على الصحيح“

[فيض الباري:۴/۵۰۶]

''ماحاصل یہ ہے کہ ایسی خبر واحد جو محتف بالقرائن ہے وہ علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے جیسا کہ صحیح قول کے مطابق صحیحین کی خبر ہوتی ہے۔''

مذکورہ بالا تصریح سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ چند سطحی نظر فقہاء کے بالمقابل جلیل القدر فقہاء ومحدثین نے خبر واحد محتف بالقرائن کی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو استدلال میں وہ مقام دیا ہے جو متواتر کو دیا جاتا ہے یعنی اس کو تواتر کی قبیل سے شمار کیا ہے۔

تواتر کے مفہوم میں صحیح مؤقف

یہ بات ذہن نشین رہے کہ تواتر کے مفہوم کو سمجھنے سے پہلے تدوین واِصطلاح کا معنی ومفہوم سمجھنا ازحد ضروری ہے، کیونکہ اس کا مفہوم تواتر کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

تدوین کے معنی درج کرنے قلمبند کرنے اور ترتیب دینے کے ہیں یعنی بکھری ہوئی چیزوں کو ایک دیوان میں جمع کردینے کا نام تدوین ہے۔ دیوان فارسی لفظ سے معرب بنایا گیا ہے جس کا معنی کاپی اور دفتر کے ہیں۔ مختلف صحف کو ایک کتاب میں جمع کرنا بھی تدوین سے ہے۔ اسی طرح تدوین، تصنیف وتالیف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

''اب تک دستور یہی رہا ہے کہ کوئی چیز پہلے وجود میں آتی ہے بعد میں مدوّن ہوتی ہے۔ تدوین اس کے وجود کو بتلاتی ہے، خود اس کو وجود نہیں بخشتی۔ جیسے علم نحو اور منطق میں ہوا ہے۔ عرب اپنے کلام میں فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیتے تھے اور نحو کی اسی قسم کے دوسرے قاعدے علم نحو کی باقاعدہ تدوین سے پہلے جاری وساری تھے اسی طرح منطق کی تدوین اور اس کے قاعدوں کی باقاعدہ ترتیب سے پہلے بھی عقلاء آپس میں مباحثے کرتے تھے اور بدیہیات سے استدلال کرتے تھے۔'' [الوجيز في أصول الفقه:۱/۳۷]

لفظ اصطلاح کا مادہ 'صلح' ہے یعنی اصطلاح سے مراد یہ ہے کہ اہل علم یا اہل فن کی اس بات پر صلح ہوگئی ہے کہ آئندہ جب وہ یہ لفظ استعمال کریں گے تو اس لفظ سے ان کی مراد کوئی مخصوص تصور ہوگا۔ مثلاً علماء نے اس بات پر اتفاق کرلیا ہے کہ جب وہ 'کتاب اللہ' بولیں گے تو اس سے مراد ان کے نزدیک قرآن مجید ہوگا۔ اِصطلاح کو علامتی نام یعنی codifieation بھی کہا جاتا ہے یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ تدوین مٹتے یا ناپید ہوتے ہوئے تصورات کو محفوظ کرنے اور دوبارہ اُجاگر کرنے کی غرض سے ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرونِ اُولی میں تدوین کی زیادہ ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ جتنی بعد کے زمانوں میں پیش آئی۔

جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے کہ اصطلاحات پہلے سے موجود تصورات کو علامتی نام دے کر (بذریعہ کتابت) محفوظ کرنے کا نام ہے۔ چنانچہ اہل فن نے اس تصور اور منہج کو جو کہ قرونِ اولی اور سلف اول میں تحقیق خبر کے حوالے سے ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اتفاقی تعامل کی صورت میں موجود تھا، الفاظ کا جامہ پہنا کر اِصطلاحات کی زبان میں بیان کر دیا۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ کتاب وسنت اور ان کے فہم کے حوالے سے سلف صالحین کی متفقہ تعامل کی روشنی میں جو شے أظہر نشرح ہے وہ یہ ہے کہ تحقیق روایت کا اصلی منہج صرف یہی ہے کہ کسی بھی روایت کی صحت وضعف کے مابین امتیاز کرنے کے کچھ ضابطے بروئے کار لاکر قبولیت یا رد کا فیصلہ کر لیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ فن حدیث کا اصل موضوع، خبر مقبول اور مردود کی بحث ہے جو کہ عموماً خبر واحد کے ضمن میں زیر بحث آتی ہے۔ رہی خبر متواتر تو یہ فن حدیث کا مستقل موضوع نہیں ہے۔

الغرض تحقیق روایت کا وہ منہج جو کتاب وسنت اور اسلاف کے مسلمہ تعامل کی روشنی میں سامنے آیا ہے اس کے بنیادی تصورات، راوی کا کردار (اصطلاحاً عدالت)، روایت کو محفوظ طریقے سے نقل کرنے کی صلاحیت (اصطلاحاً ضبط واتقان) اور اتصال سند وغیرہا ہیں۔ کسی روایت کا قطعی ہونا یا کثرتِ رواۃ سے مروی ہونا ہر دو بحث، فن حدیث میں تحقیق کا اصل معیار نہیں تاہم عمل تحقیق میں اضافی معاون کی حیثیت ضرور رکھتی ہیں۔ مثلاً کسی روایت کے کم از کم ثابت ہونے کے لئے اس کا قبولیت حدیث کے معیار پر اترنا ضروری ہے جس میں روایت کا متواتر ہونا یا قطعی الثبوت ہونا کسی طور پر لازم شرط کے طور پر داخل نہیں ہے۔ چنانچہ اس پس منظر میں تو کسی روایت کے قبولیت ورد کا اصل معیار تواتر احادیث یا قطعیت وظنیت کو بنانا نہ کتاب وسنت کی رو سے صحیح ہے اور نہ ہی سلف صالحین کے تعامل ومسلمہ آراء کے مطابق ہے، جنہیں بعد ازاں فن حدیث کی صورت میں مدوّن کر دیا گیا ہے۔ فن حدیث کی رو سے قبولیت ورد کی اصل بحث تقسیم الخبر إلى المتواتر والآحاد کو بنانا ایک غلط رویہ ہے جس کے نہ سلف اول قائل تھے اور نہ ہی ائمہ تدوین۔ البتہ قطعیت کے ثبوت کے قرائن بشمول تواتر اِصطلاحی (تواتر عددی) کے مقبول روایت میں اِضافی طور پر قوت پیدا ضرور کرتی ہیں۔

اس پہلو سے غور کیا جائے تو تواتر کی تعریف میں عدد کی تعیین وعدم تعیین کا موقف ہو یا قطعی الثبوت کو متواتر کہنے کا موقف، ہر ایک میں ظاہری اختلاف سے قطع نظر اس بات پر تمام اہل فن متفق ہیں کہ مثلاً ایک غریب صحیح روایت پر رواۃ کی عددی کثرت کی کوئی نسبت بھی ہو (چاہے عزیز یا مشہور ہی کیوں نہ ہو) بہر حال اضافی طور پر ثبوت کی قوت میں ضرور اِضافہ کرتی ہیں۔

اب رہا مسئلہ تواتر کے حوالے سے اہل فن کے اس اختلاف کا کہ تواتر سے مراد کیا ہے تو اس مسئلے میں ہم یہ ذکر کرنا چاہیں گے کہ تدوین اور علوم کی ضابطہ بندی واِصطلاحات سازی یا بالفاظ دیگر علوم کی فنی اَسالیب میں منتقل کرنے کی نوعیّتوں سے جو لوگ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اِصطلاحات میں بسا اَوقات اہل فن کے ہاں متعدد اَسالیب ایک ہی تصور کو بیان کرنے کے لئے اختیار کر لئے جاتے ہیں جیسا کہ مشہور مقولہ ہے ”لا مناقشة فی الإصلاح“ چنانچہ عام اہل فن کا تواتر اسنادی کی فنی تعریف بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات پر اتفاق ہے کہ وہی قطعیت جو تواتر سے حاصل ہوتی ہے قرائن سے مقرون خبر واحد سے بھی حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ عام کتب فن میں ثبوت روایت میں علم قطعی کے حصول کے دو ضابطے موجود ہیں:

① متواتر ② خبر واحد محتف بالقرائن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس کے بالمقابل وہ اہل علم جو علم قطعی والی روایت ہی کو متواتر کہہ کر بیان کرتے ہیں ان کا اپنا ایک خاص اُسلوب ہے کہ ان کے ہاں ''الخبر الواحد المحتف بالقرائن'' بھی متواتر ہی کہلائی جائے گی،لیکن مذکورہ دونوں اَقوال باہم متضاد نہیں بلکہ ان میں صرف اِصطلاح کا فرق پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ تمام وہ اہل علم جو متواتر اس روایت کو کہتے ہیں کہ جو علم قطعی کا فائدہ دے وہ بھی متواتر کی پہلی تعریف (یعنی عدد کثیر کے لحاظ سے) کا انکار نہیں کرتے۔ جبکہ عام اہل فن دوسری تعریف (یعنی علم قطعی کے لحاظ سے) کا باقاعدہ اقرار تو نہیں کرتے، لیکن اسے حقیقت تواتر میں بھرپور طور پر شامل کرتے ہیں۔

رہا تواتر کی تعریف میں کسی عدد کا تعین کرنا تو یہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اس قسم کے لوگوں کی تعریف میں متواتر روایت اس حیثیت سے زیر بحث ہوتی ہے کہ مقبول روایت میں قوت کا اِضافہ کرتی ہے ورنہ عدد کی تعیین سے تواتر کی تعریف کرنا تواتر کی حقیقت سے عدم آشنائی ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ تواتر کی حقیقت یہ ہے کہ ثبوت روایت میں امکان خطا مستحیل قرار پائے۔ برابر ہے کہ عددی کثرت سے ہو (جیسے عددی تواتر کہتے ہیں) یا مقبول صحیح روایت مقرون بالقرائن سے ہو (جیسے قطعی تواتر کہتے ہیں)

عام تعریف تواتر میں فنی تعریف کی تو شاید جامعیت پائی جائے، لیکن تصور تواتر یا حقیقت تواتر کی جامعیت بہرحال نہیں کیوں کہ تصور تواتر اس تعریف سے خارج میں بھی موجود ہے لہٰذا اس لحاظ سے تواتر کی تعریف ثانی یعنی ''ما أفاد القطع فهو متواتر'' حقیقت تواتر اور تصور تواتر کی بہترین عکاسی ہے جبکہ پہلی تعریف میں تدوین کے عمومی اَسالیب اور دیگر تصورات کی طرح تواتر کی بھی ایک فنی تعریف مقرر کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن اس فنی تعریف کا قطعی لازمہ یہ نہیں کہ حقیقت تواتر صرف صیغۂ تواتر کی حد تک محدود ہے بلکہ اصل شے تعریف متواتر میں بھی قطعیت ہے چنانچہ اسے ہر حال میں مدنظر رکھنا چاہیے۔

حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے کہ محدثین میں تصور تواتر تو موجود تھا مگر انہوں نے عددی تواتر کے ساتھ اس تصور کو معلق نہیں کیا جیسا کہ عام اہل فن اور بعض اہل اُصول نے کیا ہے وہ اس لیے کہ ذخیرۂ اَحادیث میں مکمل تلاش وبسیار کے بعد ایک ہی ایسی مثال ملتی ہے جو عددی تواتر پر پوری اترتی ہے۔ اور وہ حدیث «مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ» ہے لہٰذا تواتر کو عددی تواتر کے خاص نام جو کہ خاص مفہوم پر دلالت کرتا ہے سے متعلق کرنا بہرصورت ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ متقدم محدثین میں تصور تواتر اور حقیقت تواتر تو ضرور موجود تھا مگر وہ اس خاص نام اور خاص مفہوم میں موجود نہیں تھا جس کو عام اہل فن اور بعض اہل اُصول نے بیان کیا ہے۔

[التقييد والإيضاح: ص۲۲۵، ۲۲۶]

ثبوتِ قرآن کا ضابطہ

ثبوتِ قرآن کی وضاحت سے پہلے یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ علماء اُصول ثبوتِ قرآن کے لیے متواتر کی شرط لگاتے ہیں جبکہ متاخرین علماء وائمہ فن قراءۃ نے ثبوت قرآن کے لیے صرف صحت سند اور قبولیت عامہ کی شرط عائد کی ہے۔ اگر متواتر سے مراد علماء اصول کے نزدیک اسنادی تواتر ہے تو پھر قرآن کا ثبوت ایسے تواتر سے ممکن نہیں۔ اگر اس تواتر سے مراد حصولِ علم قطعی ویقینی ہے تو پھر اس اعتبار سے قرآن بعض اوقات خبر واحد المحتف بالقرائن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بھی ثابت ہوجاتا ہے، کیونکہ ایسی خبر واحد جو محتف بالقرائن ہو وہ استدلال میں تواتر سے کسی لحاظ سے بھی کم نہیں ہے اور تواتر کی اصطلاحی تعریف کے ضمن میں ذکر کردہ دوسرے گروہ نے اسی خبر واحد کو تواتر سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

پس منظر

امام القراء ابوالخیر ابن الجزری رحمہ اللہ نے اس پس منظر کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

''جب ضبط کا اہتمام کم ہوگیا، دورِ رسالت کافی پیچھے رہ گیا اور قریب تھا کہ حق باطل کے ساتھ ملتبس ہوجاتا تو اس وقت اُمت کے مایہ ناز علماء اور علم وفن میں یکتائے روزگار ائمہ اٹھے۔ انہوں نے حق کو واضح کیا، حروف اور قراءات مشہورہ اور شاذہ کے درمیان امتیاز کے لئے واضح اُصول اور اَرکان قائم کرکے ان کو ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے الگ کردیا۔'' [النشر فی القراء ات العشر:۹/۱]

ضابطہ

امام سیوطی رحمہ اللہ کے بقول جس شخص نے اس سلسلہ میں سب سے خوبصورت اور عمدہ تحقیق پیش کی ہے وہ امام القراء علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

''ہر وہ قراءات جو لغت عربی کی وجہ کے ساتھ موافق ہو، مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے مطابق ہو (اور وہ موافقت خواہ حقیقی ہو یا تقدیری) نیز اس کی سند صحیح ہو تو یہ قراءۃ صحیح ہے (وہ بذریعہ تواتر منقول ہو تو یہ قراءۃ متواتر اور قطعی ہے) اس کا انکار جائز نہیں، بلکہ یہ حروف سبعہ میں سے ہے جن پر قرآن نازل ہوا تھا۔ لوگوں پر اس کو قبول کرنا واجب ہے...... اور جب کسی قراءۃ میں مذکورہ تین اَرکان میں سے کوئی ایک رکن بھی مفقود ہوگا تو اس قراءۃ پر ضعیفہ، شاذہ یا باطلہ کا اطلاق ہوگا۔ یہی مذہب سلف وخلف ائمہ تحقیق کے نزدیک صحیح ہے۔ اسی کی وضاحت امام دانی رحمہ اللہ، مکی بن ابی طالب قیسی رحمہ اللہ، ابن عمار مہدوی رحمہ اللہ اور ابوشامہ رحمہ اللہ نے کی ہے اور یہی سلف صالحین کا مذہب ہے ان میں سے کسی سے بھی اس کے خلاف مروی نہیں ہے۔'' [منجد المقرئین:ص۱۵، النشر:۹/۱]

یہ وہ معیار اور کسوٹی ہے جو ائمہ قراء نے صحیح اور شاذ قراءات میں امتیاز کرنے کے لئے قائم کی ہے کہ جس قراءۃ میں مذکورہ تین اَرکان میں سے کوئی ایک بھی ناپید ہوگا، اسے قراءت شاذہ قرار دیا جائے گا۔ اس ضابطے کے اَرکان حسب ذیل ہیں:

① مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے ساتھ موافقت
② عربی وجہ کے ساتھ موافقت
③ صحت سند

اب مذکورہ اَرکان ثلاثہ کی انتہائی مختصر تشریح ذیل کی سطور میں پیش کی جاتی ہے۔

رکن اوّل

مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے ساتھ موافقت ہو یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف نقل کرکے مختلف علاقوں میں قراء صحابہ رضی اللہ عنہم کی معیت میں بھیجے تھے، کسی قراءت کے صحیح ہونے کے لئے یہ معیار ہے کہ وہ ان میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سے کسی ایک کے رسم کے مطابق ہو اور یہ مطابقت حقیقی طور پر بھی ہو سکتی ہے اور احتمالی و تقدیری طور پر بھی ہو سکتی ہے۔
موافقت حقیقی کی مثال سورۃ توبہ میں ابن کثیر رحمہ اللہ کی قراءۃ ﴿جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ 'من' کے اضافہ کے ساتھ ہے اور یہ اس مصحف میں ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ کی طرف بھیجا تھا۔
موافقت تقدیری کی مثال سورۃ فاتحہ کی آیت ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کے لفظ 'ملك' میں دو قراءتیں ہیں الف کے ساتھ یعنی 'مالك' اور الف کے بغیر یعنی 'مَلِكِ' لیکن یہ لفظ تمام مصاحف عثمانیہ میں الف کے بغیر 'مَلِكِ' لکھا ہوا ہے اب اس میں 'مَلِكِ' کی قراءت تو رسم عثمانی کے ساتھ واضح اور حقیقی طور پر موافق ہے جبکہ 'مٰلِكِ' کی قراءۃ تقدیری طور پر موافق ہے۔

رکن ثانی

عربی وجہ کے ساتھ موافقت ہو، مطلب یہ ہے کہ قراءۃ ان قواعد عربیہ کے موافق ہو جو فصیح عربی کلام سے مشتق ہو اور ان ماہرین علم نحو کی آراء سے مطابقت رکھتی ہو جو اپنے فن میں درجہ امامت پر فائز ہیں۔ مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ نے مطلقاً موافقتِ عربی کو اس سلسلہ میں معیار قرار دیا ہے جبکہ علامہ ابن جزری رحمہ اللہ نے 'ولو بوجه' کی قید لگائی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی لفظ یا جملے میں نحوی قواعد کے اعتبار سے متعدد وجوہ ہوں تو قراءت ان میں سے کسی ایک وجہ کے موافق ہونی چاہیے خواہ وہ وجہ درجہ فصاحت میں کم ہو یا اعلی یا وہ قواعد نحاۃ کے نزدیک متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ۔ مثلاً امام حمزہ رحمہ اللہ کی قراءۃ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ﴾ میں 'الأرحام' جری حالت میں ہے اور یہ کوفیوں کے مذہب کے مطابق 'بہ' کی ضمیر مجرور پر عطف ہے یا بصریوں کے مذہب کے مطابق حرف جار کو دوبارہ لوٹایا گیا ہے، لیکن معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے یا 'أرحام' کی تعظیم اور صلہ رحمی کی ترغیب دینے کے لئے قسم کی بنا پر زیر دی گئی ہے۔ تو یہاں امام حمزہ رحمہ اللہ کی قراءۃ میں دونوں وجہیں لغت کے اعتبار سے درست ہیں۔
حقیقت یہی ہے کہ کسی قراءت کا تواتر (قطعیت) کی موجودگی میں عربی لغت کا کوئی قاعدہ اور قانون کسی قراءت کو رد نہیں کرسکتا۔ چنانچہ امام ابوعمرو بصری دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''ائمہ قراء حروفِ قرآن کے سلسلہ میں اس بات پر اعتماد نہیں کرتے کہ وہ لفظ لغوی لحاظ سے عام مستعمل ہے یا عربی قاعدہ کے زیادہ مطابق ہے بلکہ اس پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ حرف نقل و روایت کے اعتبار سے صحیح ترین اور ثبوت کے اعلی معیار پر ہو، کیونکہ قراءۃ میں رسول اللہ ﷺ سے ائمہ تک کے سلسلہ تواتر (قطعیت) کی اتباع کی جائے گی اور اس کی طرف لوٹنا اور اسے قبول کرنا ضروری ہے۔''
>
> [جامع البیان فی القراءات السبع: ض ر ۱۷۷/ب، بحوالہ قراءات شاذہ: ۱۰۶]

امام ابن جزری رحمہ اللہ نے اس حقیقت کی صراحت ان الفاظ میں کی ہے کہ

> ''تواتر (قطعیت) ہی درحقیقت قراءۃ کی بہت بڑی بنیاد اور ایک عظیم رکن ہے۔ لغت عربی کے ساتھ موافقت کے سلسلے میں محققین آئمہ کے نزدیک یہی مذہب مختار ہے۔ متعدد قراءات ایسی ہیں جن کا بعض یا اکثر نحویوں نے انکار کیا ہے، لیکن ان کے اس انکار کا اعتبار نہیں کیا گیا، بلکہ آئمہ سلف نے بالاتفاق ان قراءات کو قبول کیا ہے۔'' [النشر: ۱۰/۱]

اس سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ وجۂ عربی کے ساتھ مطابقت کی شرط صحت سند یا تواتر (قطعیت) کی طرح ایسا رکن نہیں ہے کہ اس کو معیار قرار دیا جائے بلکہ یہ شرط تو مزید حزم و احتیاط کے لئے لگائی گئی ہے تاکہ قراءاتِ شاذہ کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قراءات متواترہ کے ساتھ آمیزش کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوجائے۔البتہ اس لحاظ سے اسے ایک ضابطہ قرار دیا جا سکتا ہے کہ جوقراءت تواترقطعیت) سے ثابت ہو وہ لازماً کسی نہ کسی عربی وجہ کے بھی مطابق ہوگی۔

رکن ثالث

کسی قراءت کے صحیح ہونے کی تیسری شرط یہ ہے کہ اس کی سند نہ صرف صحیح، متصل ہو بلکہ وہ تواتر (یعنی قطعی الثبوت خبر اور خبر واحد محتف بالقرائن) سے ثابت ہو اور ساتھ اس کو ائمہ فن کے نزدیک قبولیت عامہ بھی حاصل ہو یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ قرآن خبر واحد محتف بالقرائن سے بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ قوت استدلال میں خبر متواتر کے مترادف ہی ہوتی ہے،اور علم قطعی ویقینی کا فائدہ دیتی ہے،اس لحاظ سے قرآن کے ثبوت اور صحیحین کے ثبوت میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ دونوں علم قطعی والی خبر سے حاصل ہوتے ہیں۔چنانچہ ائمہ فن ثبوت قراءت کے لئے جب بھی تواتر کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے مراد یہی ہے کہ وہ قطعی الثبوت خبر سے یا خبر واحد محتف بالقرائن سے منقول ہو، کیونکہ اگر اس تواتر سے تواتر عددی مراد لیا جائے تو پھر پورے قرآن کو ثابت کرنا اور بعید از امکان ہو جائے گا۔

اسی وجہ سے علامہ ابن جزری رحمہ اللہ نے بھی منجد المقرئین میں تواتر کی اصل تعداد رواۃ کی بجائے حصولِ علم کو قرار دیا ہے۔پس علماء قرآن کو متواتر کہتے ہیں تو ان کی تواتر سے مراد تعداد رواۃ نہیں ہوتی بلکہ علم یقینی کا حصول ہوتا ہے۔امام سرخسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”جان لو! کتاب اللہ سے مراد وہ قرآن ہے جو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے مصاحف کے گتوں کے درمیان لکھا گیا ہے اور ہم تک معروف احرف سبعہ کے ساتھ تواتر سے منقول ہے۔“[أصول السرخسی:۲۷۹]

اسی طرح امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”کتاب اللہ کی تعریف یہ ہے کہ جو مصحف کے دوگتوں کے درمیان معروف اُحرف سبعہ کے ساتھ ہم تک متواتر منقول ہے۔“ [المستصفی:۱/۸۱]

ان دونوں جلیل المرتبت فقہاء نے قرآن کی تعریف میں قراءات متواترہ کو بھی شامل کیا ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قراءات متواترہ کا تواتر،تعداد رواۃ کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ ایسی سند کی بنیاد پر ہے جو یقینی وقطعی طور پر ثابت ہے۔

اسی طرح تواتر کی طرف امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ،امام الحرمین رحمہ اللہ ،اور امام ابن الاثیر رحمہ اللہ وغیرہ اہل علم نے ”ما أفاد القطع“ کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

ثبوت قراءات کے سلسلہ میں ایک تواتر وہ ہے جو کہ عام طور پر نہیں پایا جاتا اس لیے عام اہل الحدیث اس سے واقف بھی نہیں۔اسے اہل قراءات کی اصطلاحات میں تواتر طبقہ کا نام دیا جاتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن کریم متعبد بالتلاوۃ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ خواص میں پڑھا پڑھایا جاتا رہا، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر شخص کا تعلق قرآن سے تعلق رہا، یہی حال تابعین وتبع تابعین میں رہا حتی کہ آج تک امت میں سے ہر آدمی قرآن کو پڑھتا ہے جبکہ حدیث کا معاملہ اس سے مختلف ہے عام لوگوں کا علم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حدیث سے صرف اتنا تعلق رہا کہ اہل علم سے مسائل پوچھتے رہے اورحدیث کے باقی علم کو اہل الحدیث کے سپرد کر کے اپنے دنیاوی امور میں مشغال ہو رہے۔ اس اعتبار سے اگر جائزہ لیا جائے تو قرآن کریم صحابہ، تابعین وتبع تابعین سے لے کر آج تک ہر دور میں پڑھا جا رہا ہے اورمختلف ممالک میں ہمیشہ سے مختلف قراءات رائج رہی ہیں چنانچہ وہ لوگ جو مدارس میں قراءاتِ قرآنیہ کے محافظین ہیں اگر وہ ہر دور میں ہزاروں میں رہے ہیں تو معاشرہ میں انہی قراءات کو پڑھنے والے عوم الناس ہر زمانہ میں لاکھوں، کروڑوں رہے ہیں۔ اب مثلاً مدارس میں روایت حفص سینکڑوں لوگ اسانید سے اخذ کر کے آگے نقل کر رہے ہیں جبکہ صرف پاکستانی معاشرہ میں سولہ کروڑ عوام بھی اسی روایت پر اختلاف اتفاقی تعامل سے عمل پیدا ہے یہ مدارس میں پڑھائی جانے والی روایت حفص کا انتہائی قرینہ کہ اس بنیاد پر خبر واحد کو وہی تقویت مل جاتی ہے جو تلقی بالقبول کے ذریعے سے قراءات کو ملی ہے آج اگر امت میں ساری قراءتیں متداول نہیں ہیں تو بھی اسی قسم کا تواتر بڑا فائدہ دیے ہے کیونکہ قراء عشر تک تو اہل فن کے ہاں بھی تواتر اسنادی موجود ہے معاملہ اس کے بعد کا ہے اور قراء عشر کے دور میں تمام سبعہ احرف عوام وخواص میں متداول تھے چنانچہ آئمہ عشر تا رسول اللہ ﷺ تواتر طبقہ موجود ہے۔

غرض یہ کہ قراءات کی صحت کے لئے اس کی سند کا اتصال اورنقل ہونا تمام ائمہ، قراء اورفقہاء کے نزدیک ایک مسلمہ رکن اور بنیادی عنصر ہے البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ قراءات کے لئے صرف صحت سند ہی کافی ہے یا تواتر ضروری ہے۔ اس کے متعلق ابن جزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''بعض متاخرین نے اس میں تواتر کی شرط لگائی ہے سند کی صحت کو کافی نہیں سمجھا ان کا خیال یہ ہے کہ قرآن تواتر ہی سے ثابت ہوتا ہے۔'' [النشر :۱۳/۱]

لیکن ابن جزری رحمہ اللہ نے متاخرین کی اس رائے کو ناپسند کیا ہے لکھتے ہیں:

''اس میں جو خرابی ہے وہ ظاہر ہے، کیونکہ جب کوئی قراءت تواتر سے ثابت ہو جائے تو پھر باقی دو اَرکان یعنی موافقت رسم مصحف اورعربی قاعدہ کی موافقت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس لیے کہ جو اختلافی وجوہ نبی کریم ﷺ سے بطریق تواتر ثابت ہیں ان کا قبول کرنا واجب اوران کی قرآنیت کا پختہ یقین کرنا لازمی ہے خواہ وہ رسم کے موافق ہو یا مخالف اورجب تمام وجوہ میں تواتر کی شرط لگا دیں گے تو بہت سی وہ اختلافی وجوہ ختم ہو جائیں گی جو قراء سبعہ سے ثابت ہیں۔'' [حول القراءات الشاذۃ:۳]

واضح رہے کہ امام ابن جزری رحمہ اللہ نے حقیقت تواتر یا تصور تواتر کا انکار نہیں کیا بلکہ انہوں نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو قراءات کے ثبوت کے لئے تواترِ عددی یا تواتر اسنادی کی شرط لگاتے ہیں۔ پہلے وہ خود بھی اس موقف کے قائل تھے مگر بعد میں جب اس کی خرابی ظاہر ہوئی تو انہوں نے ائمہ سلف کے موقف کو اپنا لیا۔ اس لحاظ سے انہوں نے ان تمام قراءات کے تواتر کو محفوظ کر دیا ہے جو خبر واحد محتف بالقرائن سے ثابت ہیں اور علم قطعی ویقینی کا فائدہ دیتی ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ثبوت قراءات کا ایک چوتھا ذریعہ بھی ہے جو تواتر کی ایک مخصوص قسم ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید کا ایک ایک کلمہ، ایک ایک آیت اور ایک ایک سورت کو بھی تواتر حاصل ہے۔ لیکن یہ تواتر سند وعدد والا تواتر نہیں بلکہ وہ تواتر ہے جسے محدثین 'تواتر' کے مطلق نام کے مصداق کے طور پر پہچانتے وبیان کرتے ہیں۔ تواتر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسنادی کے بارے میں تو پیچھے واضح ہو چکا ہے کہ محدثین اس کے انکاری ہیں، انہوں نے زیادہ سے زیادہ اس کی اگر کوئی مثال پیش کی بھی ہے تو وہ صرف ایک حدیث " من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار " ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث بھی تواتر اسنادی کی تعریف پر پورا نہیں اترتی، کیونکہ دیگر روایات کی طرح اس روایت کے بھی ہر طبقہ میں کثرت عدد موجود نہیں۔ بلکہ متعدد اخبار آحاد میں اس حدیث کے مذکورہ الفاظ مشترک طور پر وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ یہ روایت ان مشترکہ الفاظ کے اتفاق کے ساتھ درجہ یقین کو پہنچتی ہے۔ اس وضاحت کی رو سے یہ روایت بھی تواتر اسنادی کے بجائے تواتر اشتراکی ہی ہے۔ بعض لوگوں نے مکمل روایت میں الفاظ کے اشتراک کی بنا پر حاصل ہونے والے تواتر کو تواتر لفظی اور روایات میں قدر اشتراک کی بنا پر حاصل ہونے والے تواتر کو تواتر معنوی کا نام دیا ہے۔ بعض لوگوں نے مذکورہ تصور کی بنا پر اخبار آحاد کی رو سے ثابت ہونے والی پانچ دیگر روایات کو بھی تواتر لفظی قرار دیا ہے جن میں ایک روایت "أنزل القرآن علی سبعة أحرف" [صحیح بخاری:۴۹۹۱] بھی ہے۔ ان روایات کی تفصیل کے لئے الوجیز فی اصول الفقه از ڈاکٹر عبدالکریم زیدان کے اردو ترجمہ جامع الاصول از ڈاکٹر احمد حسن، میں بحث سنت کا مطالعہ فرمائیں۔ اسی طرح متعدد طرق میں مشترکہ طور پر '' إنما الأعمال بالنیات'' [صحیح البخاری:۱] کے الفاظ موجود ہیں اگرچہ یہ روایت اپنی اصل کے اعتبار سے خبر غریب ہے۔

اسی اشتراکِ الفاظ کے بنا پر بعض حضرات نے اس روایت کو بھی " من کذب علی متعمداً" کی طرح متواتر لفظی بنایا ہے اور بعض لوگ اس روایت کو متواتر معنوی شمار کرتے ہیں، کیونکہ اس روایت میں وارد '' نیت'' کا مضمون مختلف روایات میں آیا ہے جن میں الفاظ کے اختلاف سے قطع نظر نیت کی فرضیت مشترک ہے۔ بعض محدثین تواتر اشتراکی کو تواتر معنوی بھی کہتے ہیں۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ قدر مشترک کا معاملہ کسی مضمون میں بھی ہوسکتا ہے اور متعدد روایات میں ثابت الفاظ میں بھی۔ اس تناظر میں اگر ہم قراءات عشرہ متواترہ صغریٰ وکبریٰ کا جائزہ لیں تو یہ تمام آیاتِ قرآنیہ تواتر الاشتراك فی الفاظ امر الاشتراك فی الآیات کے اعتبار سے متواتر ہیں۔ مثال سے یہ بات یوں سمجھیں کہ قرآن کے کسی لفظ کو اہل قراءات کے ہاں چھ سے زائد اندازوں سے نہیں پڑھا گیا۔ جبکہ قراءات قرآنیہ متواترہ اس طرق کے ساتھ مروی ہیں۔ گویا قرآن کریم آج امت کے پاس سبعہ احرف سمیت اسی اسانید کے ساتھ موجود ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی مجموعہ قراءات اس طرق سے ثابت ہیں تو ۹۵ فیصد متفق علیہ اسی روایات میں مشترک الفاظ کے اتفاق کے ساتھ متواتر لفظی بنے۔ علی ہذا القیاس، جو کلمہ چھ اندازوں سے پڑھا گیا ہے تو وہ تقریباً تیرہ تیرہ اخبار آحاد میں موجود مشترک الفاظ کی بنا پر متواتر لفظی میں شامل ہوا۔

یاد رہے کہ چھ اندازوں سے جن کلمات کو پڑھا گیا ہے وہ ایک دو ہیں۔ جنہیں پانچ طرح سے پڑھا گیا ہے وہ اس سے کچھ زیادہ ہیں۔ چار طرح سے پڑھے جانے والے کلمات مزید کچھ زیادہ ہیں۔ اکثر کلمات میں دو یا تین طرح ہی سے پڑھنے کا اختلاف مروی ہے۔ الغرض اسی اعتبار سے دیکھیں تو مروجہ قراءات قرآنیہ عشرہ متواترہ میں موجود تمام آیات، کلمات اور سوَر متواتراً ثابت ہیں اور محدثین کے ہاں تواتر سے بالعموم تواتر الاِشتراک ہی مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ محدثین کے معیار تواتر پر قرآن بہر حال ثابت ہے۔ المختصر قرآن کریم کے ثبوت میں پانچ طرح کے تواتر اور قطعیت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کے ذرائع موجود ہیں۔

تواتر طبقہ:

اس قسم کا تواتر آئمہ عشرہ سے قبل تو تمام قراءات کے حاصل رہا، البتہ عصر حاضر میں یہ تواتر صرف متداول چار قراءات اور روایات کو حاصل ہے۔ نیز تواتر کی یہ قسم صرف قرآن مجید کے ساتھ خاص ہے۔

تواتر اسنادی

قرآن مجید کے ثبوت میں اسنادی تواتر موجود ہے البتہ ائمہ عشرہ تک ہے۔ اگرچہ اس سے آگے تواتر اسنادی وتواتر عددی موجود نہیں۔ کیونکہ ائمہ عشرہ سے قبل اختلاط وروایات کا دور دورہ تھا۔

تلقی بالقبول

اس اعتبار سے قرآن قطعی الثبوت طریقہ سے ثابت ہے جسے بعض لوگ تواتر سے تعبیر کرتے ہیں۔ قراءات عشرہ متواترہ کو جمیع فنون کے ماہرین نے ہر دور میں بالاتفاق قبولیت سے نوازا ہے۔ پوری دنیا، جمیع مدارس اور جمیع اہل علم جو قرآن یا قراءات قرآنیہ کو نقل کرنے والے ہیں وہ تمام اس بات پر متفق ہیں کہ مروجہ قراءات عشرہ قرآن ہیں۔

الخبر الواحد المحتف بالقرائن المفيد للعلم القطعي

چوتھی بات جو ہم بیان کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر ایک قراءت صحت سند سے ثابت ہو اور اس میں رسم عثمانی کی موافقت اور لغات عرب کے مطابق شروط بھی پائی جائیں تو ایسی روایت خبر واحدۃ مقرون بالقرائن کے قبیل سے ہو کر علم قطعی کا فائدہ دے گی۔

تواتر الإشتراك

تواتر اسنادی کا تصور چونکہ آئمہ محدثین کے ہاں صرف خیالی تصور ہے جس کی مثال محدثین کے بقول عملاً موجود نہیں او رتصور تواتر بقول حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ بعض متاخر اصولیوں کی طرف سے پیش کردہ ہے جسے صرف خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اصولیوں سے متاثر ہو کر فن حدیث میں پیش کر دیا۔[التقیید الایضاح،ص۲۲۵،۲۲۶]

چنانچہ علم مصطلح الحدیث میں تواتر کے جس تصور سے محدثین مانوس ہیں وہ تواتر الاشتراک ہی ہے۔ تواتر کے اس تصور کی رو سے جمیع قراءات قرآنیہ حتمی طور پر متواترہ ثابت ہیں۔

هذا ماعندی والله أعلم بالصواب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاری عبدالباسط منشاوی ☆

نماز میں قراءاتِ متواترہ کی تلاوت

قرآن کریم کے متنوع لہجات وقراءات چونکہ قرآن مجید ہی میں شامل ہیں، چنانچہ انہیں نماز وغیر نماز ہر دو میں بطور تلاوت پڑھنے میں بہرحال کوئی حرج نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح احادیث میں موجود ہے کہ صحابہ کرام نمازوں میں مختلف اندازوں سے قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ رمضان المبارک کے قیام اللیل میں ایک رات ایک قراءت کے ساتھ پڑھاتے اور دوسری رات دوسری قراءت میں۔ متعدد قراءتوں کے ذیل میں داخل اسالیبِ بلاغت کے متنوع اندازوں سے کلام الٰہی میں جو معنویت پیدا ہوتی ہے، ہمارا مشاہدہ ہے کہ معانی قرآن کو سمجھنے والے لوگ اس سے انتہائی محظوظ ہوتے ہیں۔ مدیر ماہنامہ رُشد جناب ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی حفظہ اللہ کا پچھلے ایک عشرہ سے کویت اور دبئی میں قیام اللیل کے ضمن میں یہی معمول ہے کہ وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے طریقہ کی اتباع میں ہزاروں اہل عرب کو ہر رات مختلف قراءات میں نمازِ تراویح کی امامت فرماتے ہیں۔ مختلف لہجوں اور کلام کے متعدد اسالیب میں موجود معنویت کی حلاوت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ستائیسویں شب تک نمازیوں کا مختلف قراءات سننے کا یہ شوق اس عروج پر پہنچ جاتا ہے کہ موصوف ہر سال رمضان المبارک کی ستائیسویں رات کو متنوع چھوٹی سورتوں میں تمام قراءات کی تلاوت ایک ہی رات میں تلاوت کرتے ہیں۔ ان کا یہی حسن ذوق اور مہارت ہے کہ ہر سال انہیں بین الاقوامی سطح پر تراویح کے لئے مدعو کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اگرچہ ہمیں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور علامہ ابن باز رحمہ اللہ کے اس فتویٰ سے مکمل اتفاق ہے کہ جن علاقوں میں لوگ ان قراءات سے مانوس نہ ہوں، وہاں نماز وغیر نماز میں عوام الناس میں ان کی تلاوت کرنے سے سدًا للذّريعة بچنا چاہئے یا کم از کم عوام الناس کو ان قراءات کا تعارف کروا کر تلاوت کی عادت ڈالنی چاہئے۔ [ادارہ]

قراءات قرآنیہ کے بارے میں سب سے بنیادی چیز جس کا ثبوت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کیا یہ قراءات ان شرائط پر پوری اترتی ہے جن سے قرآن کا ثبوت ہوتا ہے، جب یہ ثابت ہو جائے تو پھر یہ بحث اضافی ہے کہ ان کو نماز میں پڑھنا چاہئے یا نہیں۔

اس بارے میں امت کے جمیع طبقات میں اجماع رہا ہے اور آج بھی ہے کہ قراءات متواترہ ان تمام شروط پر پوری اترتی ہیں جن سے قرآن کا ثبوت ہوتا ہے اور ان کا انکار قرآن کریم کا انکار ہے اور منکر قراءات دائرہ اسلام سے خارج ہے لیکن باوجود اس کے بعض حضرات نماز میں قراءات متواترہ کی تلاوت کے بارے میں واضح رائے کا اظہار نہیں کرتے۔ ہم ایسے حضرات کی تشفی کے لیے احادیث اور آئمہ کے فتاویٰ جات سے وضاحت کرنے کی کوشش کریں

☆ سابق متعلّم کلّیۃ القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ ومدرس کلّیۃ القرآن، جامعہ محمدیہ، لوکو ورکشاپ، لاہور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گے کہ صحابہ، تابعین اور آئمہ سلف بغیر کسی تفریق کے جمیع قراءات متواترہ کو نماز میں تلاوت کرتے تھے۔

قراءات نماز میں پڑھنے کا صحیح اَحادیث کی روشنی میں ٹھوس ثبوت

حدیث عمر وہشام رضی اللہ عنہما

عن عمر بن الخطاب يقول سمعت هشام بن حكيم يقرأ سورة الفرقان فى حياة رسول الله، فاستمعت لقرأته فاذا هو يقرأ على حروف كثيرة لم يقرئنيها رسول الله فكدت أساوره فى الصلوة فتصبرت حتى سلم، فلببته بردائه فقلت من أقرأك هذه السورة التى سمعتك تقرأ قال أقرأنيها رسو ل الله، فقلت كذبت فإن رسول الله قد أقرأنيها على غير ما قرأت، فانطلقت به إلى رسول الله، فقلت إنى سمعت هذا يقرأ بسورة الفرقان علىٰ حروف لم تقرئنيها، فقال رسول الله أرسله (اقرأ يا هشام) فقرأ عليه القراء ة التى سمعته يقرأ فقال رسول الله كذلك انزلت، ثم قال (اقرأ يا عمر) فقرأت القراء ة التى اقرأنى، فقال رسول الله كذلك انزلت، ان هذا القرآن انزل على سبعة احرف فاقرئوا ما تيسر منه۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں، میں نے ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کو (حالت نماز میں) سورۃ الفرقان پڑھتے ہوئے پایا۔ میں نے سنا کہ ہشام رضی اللہ عنہ ان حروف کثیرہ پر تلاوت کررہے تھے کہ وہ حروف (یعنی قراءات) مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں ان پر نماز میں لپکتا۔ میں نے صبر کیا حتیٰ کہ انہوں نے سلام پھیر دیا میں انہی کی چادر سے انہیں کھینچتے ہوئے پوچھنے لگا کہ یہ سورت جو میں نے تجھے ابھی پڑھتے ہوئے سنا ہے کس نے پڑھائی ہے؟ وہ کہنے لگے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھائی ہے۔ میں نے کہا آپ غلط کہہ رہے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس طرح نہیں پڑھائی۔ پس میں انہیں کھینچتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا، میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے (ابھی ابھی) سنا ہے کہ ہشام رضی اللہ عنہ ان حروف پر تلاوت کررہے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ! ہشام رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہشام رضی اللہ عنہ کو پڑھنے کا حکم دیا۔ ہشام رضی اللہ عنہ نے اسی قراءت کے مطابق پڑھا جیسے میں نے سنا تھا۔ (ہشام رضی اللہ عنہ کی قراءت سننے کے بعد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اسی طرح نازل کی گئی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ! تم پڑھو۔ پس جس قراءت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھایا اسی کے مطابق میں نے پڑھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اسی طرح نازل کی گئی ہے۔ بے شک یہ قرآن سات حروف (لغات یا وجوہ) پر نازل کیا گیا ہے پس جو تمہیں آسان لگے اسے پڑھ لو۔''

[صحيح البخاري، کتاب فضائل القرآن، باب أنزل القرآن على سبعة أحرف]

وضاحت

اس حدیث سے جہاں بیشتر مسائل اَخذ کیے جا سکتے ہیں ان میں سے ایک واضح اور نمایاں مسئلہ نماز میں (حروف کثیرہ پر) ہشام رضی اللہ عنہ کا قراءت کرنا ہے۔ وہ حروف میں کس نوعیت کا اختلاف تھا اس بارے میں کوئی وضاحت نہیں ملتی۔ البتہ حروف کثیرہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ سیدنا ہشام رضی اللہ عنہ حالت نماز میں مختلف قراءت کی تلاوت کررہے تھے، نہ کہ آیات کی تفسیر وتشریح یا احکام وغیرہ بیان کررہے تھے۔

جیسا کہ بعض کو غلطی بھی لگی ہے۔ دوسرا عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث میں لفظ ''القراء ۃ'' استعمال کیا ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ اعتراض بالکل نہیں کیا کہ ہشام رضی اللہ عنہ فلاں فلاں آیت کا ترجمہ وتشریح اس طرح کررہے تھے جس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح نہ تو آپ بیان کرتے ہیں نہ ہمیں آپ نے کبھی بتایا ہے۔بات بالکل واضح ہے کہ نماز میں قرآن مجید کے متن کی تلاوت کی جاتی ہے نہ کہ تفسیر یا احکام ومسائل۔

ہشام رضی اللہ عنہ کی نماز کا حکم

❶ آپ ﷺ کا دونوں صحابیوں کی قراءت سننے کے بعد یہ فرمانا کہ ہشام رضی اللہ عنہ! جوکچھ تم نے پڑھا ہے وہ وحی ہے اور اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے اور اے عمر رضی اللہ عنہ! جو آپ نے تلاوت کر کے سنایا ہے وہ بھی اللہ ہی نے نازل کیا ہے۔چنانچہ ''هكذا أنزلت'' کے الفاظ نے یہ ثبوت دیا ہے کہ کلماتِ قرآنیہ میں اختلاف پایا جاتا ہے وہ بھی قرآن ہے، کیونکہ اسے بواسطہ جبریل علیہ السلام نبی ﷺ پر اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے۔لہٰذا اگر وحی ایک طرح کا تلفظ سکھائے تب بھی اور تلفظ میں سات طرح کے تغیرات عطا کرکے تب بھی اسے قرآن ہی کا مرتبہ حاصل ہوگا۔لہٰذا یہ بات ہمیشہ ذہن میں رہے کہ جب ''قراءات کا قرآن ہونا اسی حدیث سے ثابت ہورہا ہے تو کون انہیں نماز میں پڑھنے سے منع کرسکتا ہے۔

❷ چونکہ حضرت عمر وہشام رضی اللہ عنہما دونوں اپنے تلفظ میں پائے گئے فرق اور اختلاف کو نبی ﷺ کی وضاحت کے بعد اچھی طرح سمجھ گئے کہ ہم دونوں قرآن کو درست پڑھنے والے ہیں تو اس کے بعد حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کو ''اپنی نماز درست ہونے کا فتویٰ'' پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی، نہ تو حضرت ہشام رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز کو لوٹانے کا فتویٰ مانگا اور نہ نبی ﷺ نے انہیں دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم جاری کیا اور ہشام رضی اللہ عنہ جو عمر رضی اللہ عنہ کے تلفظ کے خلاف سورۃ الفرقان کی قراءت کررہے تھے وہ اپنی مرضی کے ساتھ نہیں بلکہ نبی ﷺ کی دی ہوئی اجازت اور پڑھائے ہوئے طریقہ پر تلاوت کر رہے تھے، کیونکہ دونوں صحابیوں نے دوران مخاصمہ یہ کہا تھا کہ ''مجھے نبی ﷺ نے ایسے نہیں پڑھایا جس طرح تم پڑھ رہے ہو۔'' اور ہشام رضی اللہ عنہ کے نماز لوٹانے کا مسئلہ تو تب سامنے آتا تھا کہ اگر وہ قرآن کے علاوہ کوئی اور چیز پڑھ رہے ہوتے یا پھر نبی ﷺ ان کی قراءت کو غلط قرار دیتے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم دین میں ایسا کام کبھی بھی اختیار نہیں کرسکتے جو سنت مصطفیٰ ﷺ کے خلاف ہو۔اور آپ ﷺ کی زندگی میں ایسی جسارت کیسے کرسکتے ہیں؟ العیاذ باللہ

لہٰذا اگر حروف کثیرہ (یعنی مختلف قراءات یا لغات) پڑھنے سے اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز درست ہے تو یہ مسئلہ آج بھی اسی طرح قائم ودائم ہے۔آج بھی اگر کوئی قراءات جاننے والا نماز میں پڑھے یا غیر نماز میں تو ان شاء اللہ اس کے یہ دونوں کام عنداللہ مقبول وماجور ہوں گے۔

حدیث ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

عن أبی بن کعب قال کنت فی المسجد فدخل رجل یصلی فقرأ قراء ۃ أنکرتها علیه ثم دخل اٰخر فقرأ قراء ۃ سوی قراء ۃ صاحبه فلما قضیا الصلوٰۃ دخلنا جمیعاعلی رسول الله فقلت إن هذا قرأ قراء ۃ أنکرتها علیه ودخل اٰخر فقرأ سوٰی قراء ۃ صاحبه فأمرهما رسول الله فقرأ فحسّن النبی شانهما فسقط فی نفسی من التکذیب ولا اذ کنت فی الجاهلیة فلما رأی رسول الله ما قد غشینی ضرب فی صدری ففضت عرقا وکأنما أنظر إلی الله عزوجل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

فرقا، فقال لی یا أبی أرسل إلیّ أن اقرأ القران علی حرف فرددت الیه أن هون علی أمّتی فرد إلی الثانیة اقرأه علی حرفین فرددت إلیه أن هون علی أمتی فرد إلی الثالثة اقرأه علی سبعة أحرف فلك بكل ردة رددتكها مسألة تسألنیها، فقلت اللهم اغفره لامتی اللهم اغفر لامتی واخرت الثالثة لیوم یرغب إلی الخلق كلهم حتی إبراهیم

''سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک آدمی مسجد میں آیا اور نماز پڑھنے لگا، اس نے ایک ایسی قراءت پڑھی جس کو میں نہیں جانتا تھا۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کے خلاف پڑھا۔ جب ہم نے نماز مکمل کی تو ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ شخص ایسی قراءت پڑھتا ہے جس کو میں نہیں جانتا اور دوسرے نے پہلے کے بھی خلاف قراءت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ہی پڑھنے کا حکم فرمایا جب دونوں نے اسی طرح پڑھ دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تحسین فرمائی۔ پس میرے دل میں تکذیب کا ایسا وسوسہ پیدا ہوا کہ جو زمانہ جاہلیت میں بھی نہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میری یہ حالت محسوس کی تو آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر مارا کہ میں پسینے سے شرابور ہوگیا۔ یوں محسوس ہوا گویا کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا اے اُبی رضی اللہ عنہ بے شک (اللہ کی طرف سے) مجھے پیغام بھیجا گیا کہ آپ قرآن مجید کو ایک حرف پر پڑھیں۔ میں نے عرض کیا کہ میری امت پر آسانی کی جائے۔ پھر دوسری دفعہ پیغام بھیجا گیا کہ آپ قرآن مجید کو دو حرفوں پر پڑھیں۔ میں نے پھر عرض کیا کہ میری امت پر آسانی کی جائے تیسری بار یہ پیغام ملا آپ قرآن کو سات حرفوں پر پڑھیے۔ اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے لیے ہر تکرار کے بدلے ایک عطا ہے۔ میں نے کہا اے اللہ! میری امت کو معاف کر دے۔ اے اللہ میری امت کو معاف کر دے اور تیسری دعا کو میں نے اس دن کے لیے رکھا ہے جب ساری مخلوق میری طرف مائل ہوگی حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی۔''

[صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب انزال القرآن علی سبعة أحرف]

وضاحت:

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو جن دو ساتھیوں کی قراءت پر اعتراض تھا وہ انہوں نے ان دونوں سے حالت نماز میں سنی تھی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قراءت سننے کے بعد ان کے صحیح پڑھنے کی تصدیق فرما دی کہ تم لوگوں نے نماز میں جو بھی پڑھا ہے وہ قرآن ہی ہے لہٰذا قراءت درست ہونے کی وجہ سے ان کی نماز میں بھی درست تھی۔

اگر نماز میں مختلف قراءات پڑھنا کوئی ایسا مسئلہ ہوتا جس میں کراہت کی کوئی شکل ہوتی یا شرعاً کوئی قباحت ہوتی یا کسی فتنے کا اندیشہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضاحت فرما دیتے کہ آئندہ تم مختلف قراءات پڑھو، لیکن نماز میں نہ پڑھو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خود ہی تو مختلف احرف سکھائے تھے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی نازل کردہ وحی کے بارے میں کس طرح کہہ سکتے تھے کہ اسے نمازوں سے دور رکھو۔

سیدنا عمرو بن ہشام رضی اللہ عنہ کی طرح یہ حضرات بھی نمازوں میں مختلف قراءات قرآن سمجھ کر پڑھ رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دونوں کی تحسین کی فرمائی تو ان میں جو وقتی غلط فہمی پیدا ہوئی تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنی نمازوں کے درست ہونے کا مسئلہ بھی خود ہی سمجھ لیا، بصورت دیگر یا تو وہ نماز کو لوٹانے یا نہ لوٹانے کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھ سکتے تھے۔

ایک مسئلہ اگر شریعت سے وضاحت کے ساتھ سمجھ آرہا ہو تو اس کے بعد دیگر اقوال وفتاویٰ کی ضرورت نہیں رہتی،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر وسعت قلوب واذہان کے ساتھ ان حدیثوں پر غور کرلیا جائے تو بڑی آسانی سے ہدایت مل سکتی ہے مگر اس کے بعد چند آئمہ کے اقوال اس لیے پیش کیے جارہے ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ سلف وخلف میں موجود جلیل القدر علماء نے ان احادیث کو کس طرح سمجھا۔ آیا ان کے اقوال وفتاویٰ جات مذکورہ اَحادیث کے موافق ہیں یا مخالف؟ مگر ان اقوال وفتاویٰ کو پیش کرنے سے پہلے قراءات عشرہ کا تابع سبعہ احرف ہونا، منزل من اللہ ہونا اور شروع سے آج تک معمول بہا ہونے پر دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

مروجہ قراءات عشرہ کے صحیح الاسناد اور منزل من اللہ ہونے پر بحث

اُمت کے پاس اس وقت صحیح سند سے ثابت ہونے والا ذخیرۂ قراءات جو دس قراء (نافع مدنی، ابن کثیر مکی، ابوعمرو بصری، ابن عامر شامی، عاصم کوفی، حمزہ کوفی، علی الکسائی کوفی، ابوجعفر مدنی، یعقوب حضرمی، خلف کوفی رحمہم اللہ) سے مروی ہے اسے قراءات متواترہ کا نام دیا گیا ہے۔ یہ وہ قراءات ہیں جو عرضۂ اخیرہ والی ہیں اس پر بھی الحمد للہ بے شمار دلائل موجود ہیں۔ یہ دس قراءات ان تین شروط پر پورا اترتی ہیں جو قراءات کے صحیح ہونے کے لیے مقرر کی گئی ہیں وہ ارکان یہ ہیں۔

صحیح قراءات کی شروط

❶ وہ قراءات جو صحیح سند سے ثابت ہو۔
❷ عربیت کے موافق ہو۔
❸ رسم عثمانی کے حقیقتاً یا احتمالاً موافق ہو۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان قراءات کو امت نے کیا سمجھا اور آیا یہ سبعہ احرف میں شامل ہیں؟

قراءات سبعہ وقراءات ثلاثہ منزل من اللہ سبعہ احرف سے ماخوذ ہیں

① علامہ مکی بن أبی طالب القیسی

إن هذه القراء ات كلها التي يقرأ بها الناس اليوم وصحت روايتها عن الائمة إنما هي جزء من الاحرف السبعة التي نزل بها القرآن [الابانة للقيسي:ص۲]

''یہ سب قراءتیں جنہیں آج لوگ پڑھ رہے ہیں اور آئمہ سے صحیح طور پر ان کی روایت آئی ہے یہ ان احرف سبعہ کا حصہ ہیں جن کے موافق قرآن نازل ہوا۔''

② امام زرکشی رحمہ اللہ

”فالقرآن يقرأ بالاحرف السبعة، وجميع القراء ات المقطوع بصحتها ومصدرها هو مجموع الاحرف السبعة“ [البرهان:۱/۳۱۸]

''پس قرآن کو آج بھی احرف سبعہ کے موافق پڑھا جاتا ہے ان تمام قطعی الصحۃ قراءات (قراءات عشرہ) کا مصدر وماخذ سبعہ احرف ہی کا مجموعہ ہے۔''

امام زرکشی رحمہ اللہ کا دوسرا قول:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"والمعروف أنها ما وراء السبع، والصواب ما وراء العشر وهی ثلاثة آخر، يعقوب، خلف، أبوجعفر، يزيد بن القعقاع، فالقول بان هذه الثلاثة غير متواترة ضعيف جدا"

''معروف یہ ہے کہ قراءات سبعہ کے علاوہ باقی سب شاذہ ہیں۔ حالانکہ یہ درست نہیں، جس نے کہا کہ یعقوب، خلف اور ابوجعفر مدنی کی قراءات غیر متواتر ہیں اس کی بات نہایت کمزور ہے۔''

امام زرکشی رحمہ اللہ کا تیسرا قول:

إن القراء ات توقيفية وليست اختيارية وقد انعقد الاجماع على صحة القراء ات القراء السبعة وأنها سنة متبعة ولا مجال للاجتهاد فيها وإنما كان كذلك لان القراء ة سنة مروية عن النبی ولا تكون القراء ة بغير ما روی عنه [البرهان فی علوم القرآن للزركشی:۳۲۱/۱]

''یقیناً قراءات توقیفی ہیں اختیاری نہیں یعنی قراء نے اپنی طرف سے گھڑی نہیں ہیں۔ قراء سبعہ کی قراءات کی سحت پر نیز اس بات پر کہ قراءات سنت متبوعہ ہیں جن میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ اجماع امت منعقد ہو چکا ہے۔ قراءات سنت ہیں نبی ﷺ سے مروی ہیں اور غیر مقبول وجوہ کی تلاوت جائز نہیں۔''

امام زرکشی رحمہ اللہ کا چوتھا قول:

"القراء ات التی قرأها القراء السبعة فانها كلها صحت عن رسول الله وهو الذی جمع عليه عثمان المصحف" [البرهان:۲۲۷/۱]

'' یہ قراءات جن کو قراء سبعہ نے روایت کیا ہے یہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہیں اور انہی پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا مصحف تحریر کروایا۔''

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ

"إن القراء ات السبع المتواترة لا يحل الطعن فيها بل ينبغی أن يضيّف بها قول من يخالفه ويجعل ذلك شاهدا على وقوعه [شرح الشاطبيه على القراء ات السبعة، ملاعلی قاری:ص۵۹]

''قراءات سبعہ متواترہ ہیں ان پر اعتراض کرنا جائز نہیں مناسب یہ ہے کہ ان کے ذریعہ مخالف کے قول کی تضعیف وتردید کی جائے اور قراءات کو نحو کے قاعدہ شاذہ کے وقوع وجواز کا شاہد ومستدل قرار دیا جائے۔''

امام ابن صلاح رحمہ اللہ

"يشترط ان يكون المقرؤ قد تواتر نقله عن رسول الله قرآنا، واستفاض نقله كذلك تلقته الامة بالقبول كهذه القراء ات السبع لان المعتبر فی ذلك اليقين والقطع" [فتاوٰی ابن صلاح:۲۳۲/۱]

''جس قراءات کی تلاوت کی جائے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کا قرآن ہونا نبی ﷺ سے متواتر طریقہ پر منقول ہو وہ قراءات ہر زمانہ میں مشہور وشائع رہی ہو اور اس کو امت نے شرف قبولیت بخشا ہو۔ جیسے مروّجہ قراءاتِ سبعہ ہیں، کیونکہ قراءات میں معتبر وہ شے ہوگی جو قطعیت اور یقین سے ثابت ہو۔''

وضاحت:

امام ابن صلاح نے قراء سبعہ کی مرویات کو تو ذکر کیا ہے، لیکن قراء ثلاثہ کو نہیں اس سے کوئی یہ مطلب اخذ نہ کر لے کہ وہ ان تین قراءات کو صحیح نہ سمجھتے تھے۔ چونکہ قراءات عشرہ ہم تک دو حصوں میں پہنچی ہیں اب بھی مدارس میں دو حصوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ایک حصہ مرویات قراء سبعہ اور دوسرا قراءات ثلاثہ پر مشتمل ہے۔ امام ابن صلاح

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے صرف قراءات سبعہ کا نام لیا گویا اشہر حصہ کو ذکر کردیا۔

امام قرطبی رحمہ اللہ

پوری ملت اِسلامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ جو قراءات ان آئمہ نے روایت کی ہیں یا انہیں کتابوں میں جمع کیا گیا ہے، تمام قابل اعتماد ہیں اور ان کے صحیح ہونے پر ہر زمانہ میں مسلسل اجماع چلتا آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا جو ذمہ اٹھایا تھا وہ پورا ہوا تمام محققین فضلاء اور تمام آئمہ سلف مثلاً قاضی ابوبکر بن ابوالطیب رحمہ اللہ اور امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ وغیرہما اس بات کے حامل ہیں۔[الجامع لاحکام القرآن:۱/۴۷]

امام ابوالفضل رازی رحمہ اللہ

امام رازای رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ تینوں ارکان کی جامع قراءات (قراءات عشرہ) منجملہ سبعہ احرف کے ہیں۔
[النشر فی القراء ات العشر:۱/۴۴]

امام ابن عابدین شامی رحمہ اللہ

جو مصاحف عثمان رضی اللہ عنہ شہروں کی جانب روانہ کیے تھے ان قرآنوں پر آئمہ عشرہ، متفق الروایت ہیں، یہ حصہ مجموعی، تفصیلی اور افراد و جزئیات یعنی اتفاقی اور اختلافی ہر دو قسم کے الفاظ کے لحاظ سے متواتر ہے۔ پس سبعہ سے اوپر عشرہ تک کی قراءات شاذ نہیں بلکہ شاذ وہ ہے جو ماوراء العشر ہے یہی بات صحیح ہے۔[فتاویٰ شامی:۱/۳۵۹]

علامہ سبکی رحمہ اللہ

جمع الجوامع فی الاصول کی شرح 'منع الموانع' میں لکھتے ہیں:

”والصحیح ان ما وراء العشرۃ فھو شاذ علی ان القول بان القراء ات الثلاث غیر متواترۃ فی غایۃ السقوط ولا یصح القول بہ عمن یعتبر قولہ فی الدین وھی قراء ۃ یعقوب، خلف وابی جعفر بن یزید القعقاع لا تخالف رسم المصاحف“

”صحیح بات یہ ہے کہ عشرہ کے علاوہ باقی قراءتیں شاذ ہیں اور یعقوب، خلف اور ابوجعفر مدنی رحمہم اللہ کی تین قراءتوں غیر متواتر کہنا حد اعتبار سے انتہائی گرا ہوا قول ہے۔ جس شخص کی بات کا دین میں اعتبار کیا جاتا ہے وہ ہرگز ایسی بات نہیں کہہ سکتا اور یہ تینوں قراءتیں بھی مصحف عثمانی کی رسم کے موافق ہیں۔“[النشر فی القراء ات العشر، للجزری: ۱/۴۵]

علامہ قاضی عبدالوہاب ابونصر رحمہ اللہ

الحمدللہ! القراء ات السبع التی اقتصر علیھا الشاطبی والتی ھی قراء ۃ أبی جعفر وقراء ۃ یعقوب وقراء ۃ خلف متواترۃ معلومۃ فی الدین بالضرورۃ [النشر فی القراء ات العشر:۱/۴۶]

”الحمدللہ وہ قراءات سبعہ جن پر شاطبی نے انحصار کیا، نیز ابوجعفر، یعقوب اور خلف رحمہم اللہ کی قراءت بھی متواتر وحروف دین کی ایک اٹل حقیقت ہیں۔“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ دانی رحمہ اللہ

امام ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ نے جامع البیان میں لکھا ہے:

”وإن القراء السبعة ونظائرهم من الائمة متبعون فی جمیع قراء تهم الثابتة عنهم التی لا شذوذ فیها“[النشر فی القراء ات العشر:۳۷/۱]

”بلا شبہ قراء سبعہ رحمہم اللہ اور ان کے ہم پلہ دوسرے آئمہ کی جملہ قراء ات وہ ثابت ہیں ان میں کسی قسم کا شذوذ نہیں ہے۔ جو ان سے صحیح طور پر ثابت ہو اور ان میں شذوذ نہ ہو۔

امام بغوی رحمہ اللہ

فذکرت هؤلاء (ابی جعفر ونافع وابن کثیر وابن عامر وابی عمرو ویعقوب وعاصم وحمزة والکسائی) للاتفاق علی جواز القراء ة بها [مقدمہ تفسیر بغوی:۳۸/۱]

”میں نے ان قراء سبعہ رحمہم اللہ اور ابوجعفر ویعقوب رحمہما اللہ کی قراء ات اس لیے بیان کی ہیں کہ ان کی تلاوت جائز ہونے پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔“

امام قرطبی رحمہ اللہ کا دوسرا قول

اہل حجاز، شام اور عراق کے آئمہ قراء ات میں سے ہر امام نے اپنی قراء ت کی نسبت کسی نہ کسی صحابی کی جانب کی ہے جس نے اس قراء ت کے موافق پورا قرآن بذات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا، چنانچہ سند کے لحاظ سے قراء ۃ عاصم رحمہ اللہ ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ تک قراء ۃ ابن کثیر وابوعمرو رحمہما اللہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ تک اور قراء ۃ ابن عامر رحمہ اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچی ہے۔

خطابی رحمہ اللہ قول

وأسانید هذه القراء ات المتصلة ورجالها ثقات . [تفسیر قرطبی:۴۳/۱]

”ان قراء ات کی اسانید متصلہ اور ان کے رجال ثقات ہیں۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

یجمعون ذلك فی الکتب یقرء ونه فی الصلوة وخارج الصلوة وذلك متفق علیه بین العلماء ولم ینکر احد منهم

”ان قراء ات کو علماء نے کتابوں میں جمع کیا ہے۔ نماز میں اور اس کے علاوہ دونوں حالتوں میں اسے پڑھتے ہیں۔ علماء کے مابین یہ امر متفق علیہ ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی ان قراء ات (قراء ات عشرہ) کا انکار نہیں کیا۔[فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ مقدمة التفسیر:۳۹۳/۱۳]

علامہ حسن ضیاء الدین رحمہ اللہ

احرف سبعہ منزل من اللہ ہیں۔ وہی قطعی الصحۃ قراء ات ہیں ان کے سوا قراء ات کا کوئی بھی مرجع و ماخذ نہیں ہے جو شخص ان کے ماسوا کو قراء ات کا ماخذ و مصدر قرار دینے کی کوشش کرتا ہے وہ دلیل پیش کرے۔

مگر دلیل ہے کہاں؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یقیناً قراء سبعہ اور ثلاثہ کی قراءات قطعی الصحۃ قراءتیں ہیں اور منجملہ احرف سبعہ کے ہیں:
یہ قراءات نبیﷺ تک برابر متواتر ہیں نہ کہ وہ صرف آئمہ قراءات تک متواتر ہیں، قراءات میں اجتہاد کا کوئی مجال نہیں بلکہ وہ توقیفی اور سماعی ہیں علماء سلف وخلف کا ہمیشہ سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ قبول قراءات کو قوت سند پر موقوف کرتے ہیں۔ نبیﷺ سے احرف سبعہ سمیت قرآن مجید کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے، پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے تابعین رحمہم اللہ کے جم غفیر نے اور اسی طرح ہمارے اس زمانہ تک ہر زمانہ کے بے شمار لوگ مسلسل اور برابر اسے حاصل کرتے چلے آرہے ہیں۔[الاحرف السبعة ومنزلة القراء ات: ص۳۵۸تا۳۶۶]

اسلام کے ان روشن ستاروں کی روشنی میں ہم نے یہ وضاحت کے ساتھ جان لیا ہے کہ قراءات عشرہ، سبعہ احرف کا حصہ ہیں ان کی اسناد متصل اور صحیح ہیں تمام سلسلہ ہائے اسناد، ثقہ راویوں پر مشتمل ہے ہم ان کو قرآن سمجھتے ہیں اور قرآن مجید کا کوئی حصہ ایسا نہیں کہ جس کا کوئی انکار کر سکے۔ بقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک حرف کا منکر گویا پورے قرآن کا انکار کرتا ہے۔

یہ وہ آئمہ دین ہیں جو دن بھر رات اسلام میں غوطہ زن رہے اور ساری عمر ایسے قیمتی مسائل نکال کر امت کی راہنمائی کے لیے پیش کرتے رہے۔ جو ہیرے جواہرات سے بھی زیادہ قیمتی ہیں۔

نتیجہ

اگر قراء عشرہ کی مرویات دین نہ ہوتیں تو ہر زمانہ میں اس پر نکیر کرنے والا ایک نہ ایک گروہ ضرور موجود رہتا جبکہ اس بات کا کسی جگہ سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

یہ بات درست ہے کہ اجتہادی وفروعی مسائل میں لوگوں کو اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ مگر قراءات کے بارے میں کسی مسلک کا دوسرے سے کوئی اختلاف نہیں۔ جن آئمہ کے اقوال ابھی ہم نے ذکر کیے ہیں ان میں ہر مسلک کا عالم شامل ہے۔ لہٰذا پوری امت ایک غلط امر پر کیسے جمع ہوسکتی ہے۔ اس طرح کا خیال تو حدیث کے بھی خلاف ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیﷺ نے فرمایا:

”لا تزال طائفة من امتى ظاهرين على الحق لا يضرّهم من خذلهم ولا من خالفهم حتى ياتى أمر الله وهم على ذلك“ [صحيح البخاري: کتاب الاعتصام]

”میری امت میں ایک گروہ یقیناً حق بات پر غالب وقائم رہے گا جو شخص ان کی مخالفت کرے گا تو اس سے ان لوگوں (اہل حق) کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ یہاں تک کہ اسی حالت پر امر الٰہی ان کا پیغام اجل اور قرب قیامت کا زمانہ آ پہنچے گا۔“

اسی طرح آپﷺ کا یہ بھی فرمان ہے: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

”إن الله لا يجمع امتى على ضلالة“ [سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم جماعة]

”بے شک اللہ تعالیٰ میری پوری امت کو کبھی گمراہی پر متفق الرائے نہ فرمائے گا۔“

لہٰذا اس آخری فرمان میں قرآن مجید اور اس کے متعلقہ علم قراءات کا انکار سوائے فتنہ قرب قیامت وجہل وحمق کے اور کیا ہوسکتا ہے؟ اب بحث یہ ہو رہی ہے کہ مختلف ممالک میں مختلف قراءات میں نماز پڑھنے والوں کے بارے میں ہم کیا گمان رکھیں کہ ان کی نماز صحیح یا باطل؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دنیا کے کئی ممالک میں پڑھی جانے والی روایات کا ہمارے ہاں مقبول عام روایت (روایت حفص عن عاصم) کا اختلاف ہے۔ اہل مصر کے ہاں مقبول عام روایت (روایت ورش عن نافع) ہے البتہ وہاں قراءات عشرہ پڑھنے والوں کی تعداد دوسرے ممالک کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ اس طرح تیونس میں روایت قالون عن نافع عام ہے۔ سوڈان، صومالیہ اور افریقی ممالک میں امام ابوعمر حفص الدوری البصری رحمہ اللہ کی روایت زیادہ پڑھی جاتی ہے۔ اگر قراءات عشرہ قرآن نہیں تو صاف مطلب ہے کہ صرف ہماری نمازیں درست ہیں اور باقی تمام دنیا کی باطل ہیں یعنی جو شخص ہماری روایت کے مطابق تلاوت کرے وہ درست اور جو مخالفت کرے وہ غلط۔ اب ہم قراءات کے مطابق نماز درست ہونے پر علماء کے فتاویٰ واقوال پیش کرتے ہیں۔

نماز میں مختلف قراءات کی تلاوت

امام ابن صلاح رحمہ اللہ

دس منقول قراءات کے علاوہ کسی قراءت کی تلاوت کرنا مکروہ نہیں بلکہ حرام ہے خواہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں اور پڑھنے والا مصادر ومعانی سے واقف ہو یا ناواقف۔

''یجب منعه وتاثیمه بعد تعریفهٖ ثم هو مستوجب تعزیره یمنع بالحیس والاهانة ونحو ذلك وعلی المتمکن من ذلك ان لا یهمله''[فتاویٰ ابن صلاح:۲۳۲/۱]

(یعنی جو شخص قراءات شاذہ کے (علاوہ عشرہ) کی تلاوت کرتا ہے) اسے روکنا اور اسے گنہگار قرار دینا ضروری ہے اور وہ پوری طرح جان لینے کے بعد بھی باز نہ آئے وہ مستوجب سزا ہے، اگر وہ اپنے اس فعل پر قائم رہے یا اصرار کرے تو اسے ذلیل کر کے جیل میں ڈال دیا جائے۔ صاحب امر لوگ ایسے شخص کو کسی طرح بھی نظر انداز نہ کریں۔

فائدہ

اس فتویٰ سے یہ بات سامنے آرہی ہے کہ قراء عشرہ کی مرویات سے نماز جائز ہے، کیونکہ یہ قراءات صحیح سند سے ثابت ہیں ساتھ ہی امام ابن صلاح رحمہ اللہ نے قراءات شاذہ پڑھنے والے کی سزا بھی متعین فرمادی اور اپنا مؤقف واضح لفظوں میں سب کے سامنے پیش کر دیا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے:

''وتجوز القراء ة فی الصلوٰة وخارجها بالقراء ات الثابتة الموافقة لرسم المصحف کما ثبتت هذه القراء ات ای العشر وغیرها، ولیست شاذة حینئذ''

''نماز میں یا نماز کے علاوہ ہر دو حالت میں ان قراءات کی تلاوت بلا شبہ جائز ہے جو ان مروجہ قراءات عشرہ وغیرہ کی طرح صحیح سند سے ثابت ہیں اور مصاحف عثمانیہ کی رسم کے موافق ہیں اور وہ اب تک شاذ نہ بنی ہوں۔''[مجموع فتاویٰ ابن تیمیه، مسائل تفسیر ، المراد بقوله ان هذا القرآن،النشر فی القراء ات العشر ، لابن الجزری:۴۱/۱]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''وأما من قرأ بقراء ة ابی جعفر ویعقوب ونحوهما فلا تبطل الصلوة بها باتفاق الآئمة''

www.KitaboSunnat.com

''جس نے نماز میں قراءۃ ابوجعفر ویعقوب ﷫ اور ان جیسی کوئی قراءت پڑھی تو باتفاق آئمہ اس کی نماز باطل نہ ہوگی۔''

شیخ الاسلام مزید فرماتے ہیں:

سوال: شیخ الاسلام ابن تیمیہ ﷫ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کسی قوم کی امامت کرواتا ہے وہ ''امام ابوعمرو بصری ﷫'' کی قراءت پڑھتا ہے کیا وہ ورش ﷫ اور نافع ﷫ کی قراءت بھی ساتھ پڑھ سکتا ہے؟ یا وہ گنہگار ہوگا؟ اس کی نماز میں نقص آئے گا یا اسے نماز لوٹانا ہوگی؟

جواب: يجوز أن يقرأ بعض القرآن بحرف أبى عمرو، وبعضه بحرف نافع، وسواء كان ذلك فى ركعة أو ركعتين وسواء كان خارج الصلوة أوداخلها

''جو شخص قرآن کا بعض حصہ ابوعمرو بصری ﷫ کے حرف (یعنی قراءت) پر پڑھتا ہے اور بعض حصہ حرف نافع یعنی قراءت نافع ﷫ کے مطابق پڑھتا ہے اس کے لیے جائز ہے چاہے وہ ایک رکعت میں پڑھے یا دو رکعتوں میں اور چاہے وہ نماز میں ان کو پڑھے یا نماز کے علاوہ (یہ بھی جائز ہے)[فتاوی کبریٰ للشيخ الاسلام: مسئلہ نمبر ۱۶۰]

امام بغوی ﷫

امام بغوی ﷫ نے (نماز میں) قراءات متواترہ کی تلاوت کے جواز پر امت کا اجماع ذکر کیا ہے۔

[البحر المحیط، للزرکشی: ۱/۴۶۷]

امام محمد بن الجزری شافعی ﷫

محدث ومقری امام جزری ﷫ فرماتے ہیں:

"ولهذا أئمة أهل العراق الذين ثبتت عندهم قراء ات العشر والاحد عشر كثبوت هذه السبعة يجمعون فى ذلك الكتب ويقرء ونه فى الصلاة وخارج الصلوة وذلك متفق عليه بين العلماء ولم ينكر أحد منهم" [النشر فی القراء ات العشر: ۱/۴۰]

''اور آئمہ اہل عراق کے ہاں دس یا گیارہ (قراء کی) قراءات بھی اسی طرح صحیح ہیں جس طرح قراء سبعہ کی مرویات، وہ ان قراءات کو کتب میں جمع کرتے ہیں نماز اور غیر نماز میں ان کی تلاوت کرتے ہیں یہ بات علماء کے ہاں متفق علیہ ہے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔''

فتویٰ شیخ ابن جبرین ﷫

سوال: کیا پہلی رکعت میں روایت حفص عن عاصم اور دوسری میں روایت ورش عن نافع پڑھنا صحیح ہے؟

جواب: اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ روایت حفص مشہور روایت ہے۔ آج اسلامی ممالک میں اس روایت کے مطابق قرآن تیار کیے جارہے ہیں اور اسی طرح روایت ورش بھی ایک متواتر روایت ہے بہت سے افریقی ممالک میں اس روایت کے مطابق مصاحف طبع کیے گئے ہیں اور مالکیہ میں سے بھی اکثر اس روایت کو اپناتے ہیں جن قراءات میں آپ کو آسانی لگے انہیں میں سے کسی ایک میں بھی پڑھا جاسکتا ہے۔[فتاویٰ ابن جبرین: مسائل نماز]

سوال: لیبیا کے باشندے روایت قالون پڑھتے ہیں یا ورش؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب: لیبیا میں روایت قالون زیادہ مشہور ہے اسی وجہ سے وہاں پر اس روایت میں قرآن طبع کیے گئے ہیں مگر اس کے ساتھ وہ لوگ روایت ورش بھی اپناتے ہیں۔[فتاویٰ الشبکۃ الاسلامیہ ، باب قراء ات القرآنیۃ]

سوال: میں جزائر کا رہنے والا ہوں میرے پاس روایت ورش والا ایک قرآن بھی ہے کیا آپ کے پاس ایسے مدارس ہیں جو روایت ورش عن نافع کی تعلیم دیتے ہوں، کیونکہ میں وہاں پڑھنا چاہتا ہوں۔

جواب: آپ نے جو یہ سوال کیا کہ ایسے مدارس ہیں جو روایت ورش کی تعلیم دیتے ہوں۔ تو جی ہاں،بعض جامعات اس کی تدریس میں مشغول ہیں اور بعض معاہد (معہد کی جمع) میں تمام قراءات کی تعلیم دی جاتی ہے۔

[فتاویٰ الشبکۃ الاسلامیۃ،رقم نمبر:۵۶۱۲۱]

سوال: مجھے وضاحت چاہیے ، میں نے کسی سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول سنا ہے، جس نے دو قراءتیں ایک نماز میں جمع کیں اس کی نماز باطل ہے،کیا یہ قول صحیح ہے؟ کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں ایک رکعت میں روایت قالون پڑھوں اور دوسری میں روایت ورش۔

جواب: ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کی کیا نسبت ہے معلوم نہیں البتہ آپ کے لیے یہ جائز ہے۔

أن تقرأ فی الرکعة الاولی بروایة قالون وفی الرکعة الثانیة بروایة ورش ، ونحوها من کل روایة صحت القراء ة بها

’’کہ آپ پہلی رکعت میں روایت قالون اور دوسری رکعت میں روایت ورش پڑھیں یا ان جیسی تمام وہ روایات تو قراء ات صحیح ہے۔‘‘

ابن عربی مالکی نے کہا کہ ہر وہ قراءات جو مثل نافع و عاصم ثابت رحمہم اللہ ہیں ان کے مطابق جائز ہے کہ فاتحہ میں مختلف قراءات پڑھی جائیں کیونکہ یہ (قراءات عشرہ) قرآن ہیں۔[فتاویٰ الشبکۃ الاسلامیۃ،رقم نمبر۵۶۱۳۰]

فقہاء کا اتفاق

اتفق الفقهآء علی جواز القراء ات المتواترة فی الصلوٰة فی الجملة

[الموسوعة الفقهية ، تحت حرف القاف القراء ات]

’’فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام نمازوں میں قراءات متواترہ کی تلاوت جائز ہے۔‘‘

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں مختلف قراءات کے مطابق نماز پڑھنا

اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے (بسم الله الرحمن الرحيم، الحمدلله رب العلمين الرحمن الرحيم، ملك يوم الدين...) [سنن ابی داؤد،رقم نمبر۴۰۰۳،ص۲۰۰]

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک آیت پر وقف کرتے۔ نیز اُم سلمٰی نے لفظ (ملك) بغیر الف کے روایت کیا ہے۔ یہ قراءات آج بھی معمول بہا ہے۔

قراء عشرہ میں سے (نافع مدنی، ابوجعفر مدنی، ابن کثیر مکی، ابوعمرو بصری، ابن عامر شامی اور حمزہ کوفی رحمہم اللہ) کی قراءات بغیر الف کے ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری روایت

امام زہری رحمہ اللہ نے ابن مسیّب سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ اور ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ (بالالف) تلاوت کرتے تھے۔ [سنن ابی داؤد، ج۲ص۲۰۰]

قراءعشرہ میں عاصم کوفی، علی الکسائی کوفی، یعقوب بصری اور خلف کوفی رحمہم اللہ کی قراءات الف کے ساتھ ہے۔

معمولات ائمہ سے چند دلائل

تمام ائمہ قراءات جومختلف قراءات اپنے شاگردوں کو پڑھاتے تھے وہ ان کے مطابق نماز میں بھی تلاوت کرتے تھے۔ خدا کی قدرت دیکھیں کہ ائمہ اربعہ (مالک، شافعی، احمد اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ) مشہور قراء عشرہ میں سے بعض کے شاگرد ہیں، امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے امام نافع مدنی رحمہ اللہ سے، امام شافعی رحمہ اللہ نے امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے امام شبعہ رحمہ اللہ (راوی عاصم رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے امام عاصم کوفی رحمہ اللہ سے قراءات پڑھیں، اسی طرح امام سفیان ثوری رحمہ اللہ اور شریک بن عبداللہ رحمہ اللہ نے امام حمزہ کوفی رحمہ اللہ سے قراءات سیکھیں۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''امام سفیان رحمہ اللہ نے امام حمزہ کوفی رحمہ اللہ کو چار مرتبہ پورا قرآن مجید قراءات میں سنایا تھا۔''

[جمال القراء للسخاوی:۲/۴۶۷]

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذہ میں امام ہشام بن عمار المقری رحمہ اللہ اور عبدالرحمٰن بن یزید المقری رحمہ اللہ کے نام آتے ہیں۔

مزید امام ہشام رحمہ اللہ (استاذ بخاری) جامع مسجد دمشق میں خطیب تھے اور جمعہ کی نماز بھی خود ہی پڑھاتے تھے۔

امام سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

امام ہشام رحمہ اللہ اور ابن ذکوان رحمہ اللہ اسی مسجد میں پانچوں نمازوں کے امام تھے۔ان دونوں راویوں کی منقول روایت میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے ان دونوں نے ایک دوسرے کی نمازیں باطل ہونے کے فتوے نہیں دیئے اور امام نسائی رحمہ اللہ امام سوسی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔

مزید تفصیل کے لیے ان کتب کا مطالعہ کریں۔

① النشر فی القراء ات العشر۔امام جزری رحمہ اللہ
② معرفة القراء الكبار امام ذہبی رحمہ اللہ
③ سیر اعلام النبلاء امام ذہبی رحمہ اللہ
④ غاية النهاية فی طبقات القراء امام جزری رحمہ اللہ

کتب رجال میں یہ بات صراحت سے موجود ہے کہ امام ہشام رحمہ اللہ کے استاد بھی جامع مسجد کے مشہور خطیب تھے اسی طرح ابن کثیر مکی رحمہ اللہ بھی اپنے زمانے میں مشہور خطیب تھے۔امام خلف، خلاد، دوری، بصری، امام شعبہ بن عیاش، امام ہشام رحمہم اللہ وغیرہ کثرت سے احادیث بھی روایت کرتے تھے۔

اس زمانے میں جلیل القدر محدثین بھی موجود تھے۔فقہاء کرام اور علمائے نحو بھی تھے، کسی جگہ سے ایسی کوئی آواز اٹھتی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دکھائی نہیں دیتی جو ان کی نمازوں کو غلط کہے اور نہ ہی ان کے نمازیں باطل ہونے کے متعلق کسی نے فتویٰ دیا۔ جس طرح قرائے اُمت مختلف قراءات روایت کرتے تھے اور انہی قراءات کے مطابق نمازیں پڑھتے تھے، ان کے پیچھے کبار علما بھی موجود ہوتے تو ان محدثین فقہاء اور جلیل القدر علماء رحمہم اللہ پر بھی الزام آئے گا کہ انہوں نے اُمت کو اس فتنے سے بچانے کے لیے کوئی اہم کردار ادا نہ کیا۔ آخر ان ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی نمازوں کا کیا بنے گا؟ جو انہوں نے اپنے قراء اساتذہ سے تلقی کے ساتھ سیکھی ہوئی قراءات کے مطابق پڑھیں۔ قرونِ اولیٰ میں لوگ جامع العلوم ہوتے تھے۔ قراء محدثین کے بعد محدثین قراء کے شاگرد ہوتے تھے۔ لیکن انہوں نے قراءات نماز سے پڑھنے پر روکا کیوں نہیں۔

ساری بحث سے نتیجہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ قراءات کے مطابق نماز پڑھنا درست ہے۔ جو اس کے خلاف فتویٰ جاری کرے گا گویا کہ اس نے امت کے اجماعی موقف اور متفق علیہ مسئلہ کو جان بوجھ کر مختلف فیہ بنایا ہے۔ عامۃ الناس کو گمراہ کیا ہے۔ العیاذ باللہ

امام شافعی رحمہ اللہ کا نماز میں تکبیرات بڑی سماعت فرمانا

امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک شخص کو حالت نماز میں تکبیرات بڑی (جو آخری قرآن میں سورتوں کے اواخر پر پڑھی جاتی ہیں) پڑھتے ہوئے سنا۔ (فقال له أحسنت ، أصبت السنة) آپ رحمہ اللہ نے اسے کہا کہ (اے بھائی) تو نے بہت اچھا کیا۔ تو نے سنت کو پالیا یعنی سنت کے مطابق عمل کیا ہے۔

[تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورة الضحى + جامع البیان از دانی، ص۵۲۳]

وضاحت

بلاشبہ تکبیرات قرآن نہیں بلکہ یہ سنت ہیں اور قرآنوں میں ان کا لکھنا جائز نہیں۔ ان تکبیرات کی مکمل تفصیل کتب قراءات میں دیکھی جاسکتی ہے۔

تکبیرات جو کہ قرآن کا حصہ نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تکبیرات پڑھنے والے کی نماز درست ہے اگر درست نہ ہوتی تو امام اسے ٹوک دیتے یا بعد میں مسئلہ سمجھا دیتے۔ لیکن انہوں نے تحسین فرمائی۔ اگر تکبیرات نماز میں جائز ہیں تو مختلف قراءات جو کہ قرآن ہی ہیں ان کا پڑھنا بالاولیٰ جائز و صحیح اور ثابت ہے۔

نماز میں شاذ قراءتوں کی تلاوت کا حکم

نماز اور غیر نماز میں قراءات شاذہ کا حکم یکساں ہے کہ قرآنیت کا اعتقاد کر کے ان کی تلاوت جائز نہیں، علماء نے صرف بطور علم ان کو پڑھنا پڑھانا جائز رکھا ہے تاکہ تفسیری اشکالات کو حل کیا جاسکے لہٰذا جو شخص متواتر قراءات کو چھوڑ کر شاذ قراءتیں پڑھے بلاشبہ وہ فتنہ میں مبتلا ہے، اس کی نماز ہرگز صحیح نہیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے کی نماز بھی صحیح نہیں، ہر وہ قراءت جس کی سند صحیح نہ ہو اور وہ مصاحف عثمانیہ کے رسم کے بھی خلاف ہو، وہ قراءت قراءۃ شاذہ کے حکم میں ہوگی، جیسے حضرت ابی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کی بعض قراءتیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَقوال العلماء

امام مالک رحمہ اللہ

امام مالک رحمہ اللہ کا فتویٰ شاذ قراءات کے بارے میں اس طرح ہے۔

”من قرا فی صلاتہٖ بقراء ۃ ابن مسعود وغیرہ من الصحابة مما یخالف المصحف لم یصل وراء ہ“ [التمہید لابن عبدالبر:۲۹۳/۸]

’’جو شخص ابن مسعود رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی کی قراءت نماز میں تلاوت کرتا ہے جو مصاحف عثمانیہ کے خلاف ہو، تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔‘‘

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ

آپ نے قراءات شاذہ کی تلاوت اور نماز میں شاذ قراءات پڑھنے والے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت پر امت مسلمہ کے تمام علماء کا اجماع نقل کیا ہے اور کچھ افراد نے اس بات سے اختلاف کیا ہے تو آپ نے انہیں امت کے اس اجماعی مسئلہ سے منحرف قرار دیا ہے۔ [حوالہ سابقہ]

علامہ سرخسی رحمہ اللہ

ولهذا قالت الامة لوصلى بكلمات تفرد بها ابن مسعود لم تجز صلاته لانه لم يوجد فيه النقل المتواتر و باب القرآن باب يقين و امالحة فلا تثبت بدون النقل المتواتر كونهٖ قرآنا [أصول سرخسی، فصل فی بیان الکتاب وکونه حجة:۲۸۰/۱]

’’امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تفردات یعنی شاذ قراءات نماز میں پڑھے گا اس کی نماز نہ ہوگی، کیونکہ اس میں نقل متواتر موجود نہیں اور جو متواتر نہیں اسے قرآن نہیں کہا جاسکتا۔‘‘

علامہ سرخسی رحمہ اللہ کا دوسرا قول

”ما لم يثبت انه قرآن فتلاوته فی الصلوٰۃ كتلاوة غير فيكون مفسدا للصلوٰۃ“

’’جس کا قرآن ہونا ثابت نہ ہو، نماز میں اس کی تلاوت غیر کی تلاوت کی مانند ہے اس کی نماز باطل ہے۔‘‘ [حوالہ سابقہ]

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ

”ولو قرأ بقراء ۃ لیست فی مصحف العامة كقراء ہ ابن مسعود وأبی تفسد صلاته“

’’ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور اُبی رضی اللہ عنہ کی وہ قراءات جو مصحف عامہ کے خلاف ہوں اگر کسی نے ان کو نماز میں پڑھ لیا تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔‘‘ [التقرير والتحبير علی التحرير، لابن همام:۲۱۵/۲]

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پہلے مصحف کو نماز میں تلاوت کرنے سے نماز درست نہ ہوگی، کیونکہ وہ مصحف عرضۂ اخیرہ کے وقت منسوخ ہوگیا تھا۔ [حوالہ سابقہ]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

امام ابن نجار فتوحی رحمہ اللہ

وهذا غير متواتر ، فلا يكون قرآنا ، فلاتصح الصلوٰة به على الاصح

’’قراءات شاذہ غیر متواتر ہونے کی بنا پر قرآن نہیں ہیں لہٰذا صحیح تر بات یہی ہے کہ ان شاذ قراءات سے نماز جائز نہیں۔‘‘[شرح الكوكب المنير:۱۳۶/۲]

علامہ ابن القاسم مالکی رحمہ اللہ

سوال: آپ سے پوچھا گیا، اگر کوئی شخص نماز میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءات پڑھنے والے کی اقتدا میں نماز پڑھ لے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: وہ شخص جس نے شاذ قراءات پڑھنے والے کی اقتداء کی اسے چاہئے کہ نماز کے وقت میں ہی یا نماز کے وقت کے بعد اسے لوٹائے۔[المدونة الكبرىٰ ، كتاب الصلوٰة الاوّل:۸۴/۱]

علامہ ابوالبرکات الدردیر رحمہ اللہ

دس کے علاوہ دیگر سب قراءات شاذ ہیں، اگر کوئی شاذ قراءات جو رسم عثمانی کے مخالف ہوتی ہیں ان کی نماز میں تلاوت کرے تو اس کی نماز باطل ہوجائے گی۔

[بلغة السالك على اقرب المسالك في مذهب الإمام مالك:۴۳۷/۱]

علامہ زرکشی رحمہ اللہ (تلمیذ امام سخاوی رحمہ اللہ)

لا يجوز ان يقرأ بالقراء ة الشاذة فى صلاة و لا غيرها عالما بالعربية كان أو جاهلا وإذا قرأها قارئ، فان كان جاهلاً بالتحريم عرف به وأمر بتركها، واذا عان عالما أدب فان اصرحبس حتي يرتدع [البرهان فى علوم القرآن ، للزركشى:۴۸۲/۱]

’’جو شخص عربی دان ہو یا عربی سے بالکل ناواقف، دونوں میں سے کسی کے لیے بھی قراءات شاذہ کی تلاوت نماز میں یا علاوہ نماز کے جائز نہیں، اگر اسے شاذ قراءات کی حرمت کا علم نہیں تو اسے بتایا جائے کہ آئندہ ایسا کرنے سے باز آجائے، اگر وہ شخص جو علم رکھتا ہے وہ جاننے کے باوجود ان شاذ قراءات کی تلاوت کرتا ہے، اُسے سزا دی جائے اگر وہ اصرار کرنے لگے تو اسے جیل میں ڈال دیا جائے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے اس نظریے سے توبہ کرلے۔‘‘

علامہ شہاب الدین الرملی رحمہ اللہ

من قرأ بالشاذ، ان كان جاهلاً بتحريمه عرف ذلك ، فان عاد اليه بعد ذلك اوكان عالمابه عزر تعزيرا بليغا إلي أن ينتهى عن ذلك ويجب على كل مكلف قادر على الانكار أن ينكر عليه[فتاوىٰ الرملى ، باب فى مسائل شيئ:۳۲۰/۴]

’’جس نے شاذ قراءات تلاوت کی اگر وہ ان کی حرمت سے ناواقف ہے تو اس کو بتایا جائے اور وہ دوبارہ ایسا کرے یا کوئی عالم اس کو پڑھے تو ان سب کو سخت سزا دی جائے، یہاں تک کہ وہ اس سے باز آجائیں۔ ہر وہ شخص جو مکلّف ہے اور قدرت رکھنے والا ہے اس پر واجب ہے کہ ان شاذہ قراءات پڑھنے والے کا انکار کرے۔‘‘

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حزم رحمہ اللہ

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے قراءات شاذہ کی تلاوت ناجائز ہونے پر امت کا اجماع ذکر کیا ہے۔

[المحلیٰ لابن حزم:۲۵۵/۴]

امام نووی رحمہ اللہ

ولاتجوز القراءة فی الصلاه ولا لغیرها بالقراءات الشاذه لانها لیست قرانا ، فان القران لایثبت الا بالتواتر ، ومن قال غیره فهو غالط او جاهل ، فلو خالف وقرأ بالشاذ أنکر علیه قراء تها ما فی الصلوٰة وغیرها ، وقد اتفق فقهاء بغداد علی استتابة من قرأ بالشواذ ونقل ابن عبد البر اجماع المسلمین علی أنّه لا تجوز القراءة بالشواذ ولا یصلی خلف من یقرأ بها .

''نماز میں اور غیر نماز میں قراءات شاذہ کی تلاوت اس لیے ممنوع ہے کہ یہ قرآن نہیں، اور قرآن کا ثبوت صرف تواتر سے ہوتا ہے اگر کسی کا موقف اس کے علاوہ کچھ اور ہے تو وہ خود غلط اور جاہل ہے اگر وہ اس بات کی مخالفت کرے اور شاذ قراءات کی تلاوت کرے، تو اس کی قراءت کا انکار کیا جائے گا خواہ وہ حالت نماز میں ہو یا غیر نماز میں۔ فقہاء بغداد ایسے شخص کو توبہ کروانے پر متفق ہیں جو نماز میں شواذ کی تلاوت کرتا ہے۔ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ملت اسلامیہ کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ قراءات شاذہ کی تلاوت جائز نہیں، اور جو پڑھے گا اس کے پیچھے نماز بھی درست نہ ہوگی۔''

[کتاب المجموع:۳۲۹/۳، البرهان للزرکشی:۳۳۲/۱]

امام ابوالعباس مہدوی رحمہ اللہ

فهذا الضرب ، أی المخالف لخط المصحف ، وبما أشبهه ، متروك لاتجوز القراءة به ومن قرأ بشیءٍ منه غیر معاند ولا مجادل علیه وجب علی الامام أن یواخذه بالادب وبالضرب والسجن علی ما یظهر له من الاجتهاد ومن قرأ وجادل علیه ودعا الناس إلیه وجب علیه القتل لقول النبی المراء فی القرآن کفر والاجماع الامة علی إتباع المصحف المرسوم .

''قراءت کی ہر قسم جو مصحف عثمانی رسم کے خلاف ہو یا اس کے مشابہ کوئی اور تبدیلی کی جائے قطعی متروک ہے اس کی تلاوت ناجائز ہے، جو شخص کسی عناد و جدال کے بغیر ایسی قراءات پڑھے، امام پر واجب ہے کہ اپنی صوابدید کے مطابق تادیبی کارروائی قید یا جسمانی سزا کی صورت میں عمل میں لائے۔ اگر کوئی جدال کرے اور لوگوں کو ایسی قراءت کی دعوت بھی دے، اس کا قتل ضروری ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''قرآن میں جھگڑنا کفر ہے۔'' اور دوسرا یہ کہ مرسوم مصاحف کی پیروی پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔''

[منجد المقرئین ، للجزری،ص۲۲۱]

ابن مقسم بغدادی رحمہ اللہ (۳۵۴ھ) کا قراءات شاذہ پڑھنے سے رجوع کرنا

ابن مقسم بغدادی رحمہ اللہ کو اس بات پر سزا دی گئی تھی کہ وہ ہر اس قراءت کی تلاوت جائز سمجھتا تھا جو عربیت اور رسم مصاحف کے مطابق ہو، اگرچہ سنداً صحیح ثابت نہ ہو، اسی وجہ سے بغداد میں قراء و فقہا کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں بادشاہ وقت بھی شامل ہوا۔ ابن مقسم کو سب علما کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے توبہ کی اور اس رائے سے رجوع کرلیا، حتیٰ کہ اس سے ایک اقرار نامہ بھی لکھوایا گیا۔ علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو ''خطیب بغدادی'' نے (تاریخ بغداد) میں ذکر کیا ہے۔

[النشر فی القراءات العشر:۱۷/۱]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن شنبوذ (۳۲۵ھ) کو سزا

ابن شنبوذ کا مسلک یہ تھا کہ شاذ قراءات کا پڑھنا پڑھانا جائز ہے اگر وہ قراءت عربیت کے موافق ہو چاہے رسم عثمانی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس رائے کی وجہ سے ابن شنبوذ کو گرفتار کیا گیا چنانچہ (ربیع الثانی ۳۲۳ھ) بغداد میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں اس وقت کا بادشاہ ابوعلی بن مقلۃ ، امام ابن مجاہد اور علماء، فقہا اور محدثین کی ایک جماعت موجود تھی، ابن شنبوذ نے امام ابن مجاہد سے نہایت تلخ کلامی کی، پھر ابن شنبوذ کو بادشاہ وقت نے دس کوڑوں کی سزا سنائی۔ چنانچہ اس نے اپنی غلطی کا اقرار کیا اور اپنے مذہب سے رجوع کرلیا۔ اس پر ایک دستاویز بھی لکھی گئی۔

[ماخوذ از غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء:۲/۵۵]

خلاصہ بحث

ساری بحث پڑھنے کے بعد یہ موقف سامنے آیا:

① قراءات وحی ہیں۔
② قراءات سبعہ احرف کے تابع ہیں۔
③ رسم عثمانی کے موافق ہیں۔
④ قراءات عشرہ سے نماز بالکل درست ہے، اس پر امت کا اجماع ہے۔
⑤ قراءات عشرہ صحیح الاسناد ہیں اور توقیفی ہیں۔
⑥ قراءات عشرہ کی صحت پر امت کا اجماع ہے۔
⑦ سلف وخلف کا نماز میں قراءات عشرہ پڑھنا عام معمول تھا۔
⑧ امت کے پاس اس وقت جو فقط صحیح قراءات ہیں وہ قراء عشرہ کی مرویات ہیں۔
⑨ شاذ قراءات قرآن نہیں، ان کی تلاوت حرام ہے۔
⑩ شاذ قراءات بطور تفسیر اور حدیث پڑھی جاسکتی ہیں۔
⑪ شاذ قراءات نماز میں پڑھنا جائز نہیں۔
⑫ شاذ قراءات کرنے والے کی نماز باطل ہے۔
⑬ شاذ قراءتیں پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں، نماز لوٹانا ہوگی۔
⑭ شاذ قراءات کے قرآن نہ ہونے پر اُمت کا اجماع ہے۔
⑮ کسی مسلک کے عالم نے شاذ قراءات پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔
⑯ قراءات کا سیکھنا اور سکھانا تلقی پر موقوف ہے۔
⑰ شاذ اور صحیح قراءات کے بارے میں اُمت کے اجماعی موقف سے انحراف جائز نہیں۔
⑱ شاذ قراءات اگر کسی نے پڑھیں ہیں تو اس کا سختی سے انکار کیا گیا ہے جیسا کہ ابن مقسم اور ابن شنبوذ کے واقعات میں درج ہے۔

اللہ رب العزت سے دُعا ہے کہ اس مسئلے پر شرح صدر فرمائے۔ قرآن اور علوم قرآن کی حفاظت اور خدمت کی توفیق بخشے۔ آمین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

شائقین قرآن کے لیے عظیم خوشخبری

كلية القرآن الكريم والعلوم الإسلامية (جامعہ لاہور الاسلامیہ) کا

خدماتِ قرآن کے سلسلہ میں ایک اور نمایاں قدم

مدیر کلّیة القرآن الکریم ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی حفظہ اللہ کی آواز میں دنیا بھر میں

اپنی نوعیت کا منفرد قراءاتِ عشرہ متواترہ پر مشتمل پہلا ریکارڈ شدہ قرآن

المصحف المرتل بالقراء ات العشر

سعودی عرب، کویت اور مصر سے اِشاعت کے بعد اب پاکستان میں بھی سی ڈی کی صورت میں دستیاب ہے۔

یہ مصحف موصوف کی دولة الكويت میں صلوة التراويح وقیام اللیل میں تلاوت کے دوران ریکارڈ کیا گیا، جو کہ درحقیقت المشروع الجمع الصوتی الاوّل للقرآن الکریم بالقراء ات العشر کی تمہیدی کاوش ہے۔

مذکورہ مشروع پر پچھلے تین سال سے کویت میں کام جاری ہے، جو کہ ۲۰ متعدد روایات پر مشتمل قرآن کریم کی مکمل ریکارڈنگ کی صورت میں آئندہ چند سالوں میں منظر عام آجائے گا۔ اِن شاء اللہ

برائے رابطہ

دفتر کلّیة القرآن الکریم، جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور

۹۹/جے بلاک ماڈل ٹاؤن، لاہور

www.KitaboSunnat.com

شیخ القراء قاری فتح محمد اعمیٰ پانی پتی ٭٭

ترتیب واضافہ: قاری ابراہیم میر محمدی ٭

الحالّ المرتحل ...... شرعی حیثیت

ہمارے ہاں یہ معمول عام ہے کہ حفاظ وقراء کرام جب قرآن کریم کی تکمیل کرتے ہیں تو سورۃ الناس کو ختم کرنے کے بعد دوبارہ سورۃ الفاتحہ سے ابتداء کرکے سورۃ البقرۃ میں المُفلِحُونَ تک تلاوت کرتے ہیں۔ بعض اہل علم اس عمل کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں، حتیٰ کہ بسا اوقات اسے بدعت تک قرار دے دیا جاتا ہے۔ اسے اصطلاحاتِ قراء میں الحال والمرتحل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پانی پتی سلسلہ قراءات کے بانی استاد شیخ القراء قاری فتح محمد رحمہ اللہ نے علامہ شاطبی رحمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب 'الشاطبیۃ' کی عظیم 'عنایات رحمانی' کی تیسری جلد میں اس مسئلہ پر تفصیلاً قلم اٹھایا ہے، جس کی تلخیص وتہذیب ہم اُستاد القراء قاری محمد ابراہیم میر محمدی حفظہ اللہ کے قلم سے رُشد کے صفحات میں پیش کررہے ہیں۔ اس ضمن میں قاری صاحب موصوف نے تکمیل ِفائدہ کے لئے مدینہ یونیورسٹی کی قرآن فیکلٹی کے سابق پرنسپل ڈاکٹر عبدالعزیز القاری حفظہ اللہ کی گرانقدر تصنیف 'سنن القراء ومناھج المجوِّدین' سے متعدد مقامات پر مفید اضافہ جات فرما دیئے ہیں۔ اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے شائقین کو فن قراءات کے مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیے، کیونکہ تمام متقدمین علمائے قرآن نے اپنی اَسانید قراءات میں اس عمل کو رسول اللہ ﷺ سے متواترۃً ثابت کیا ہے۔ (ادارہ)

قرآن مجید کے ختم سے متعلقہ امور میں سے ایک امر یہ ہے کہ قاری جب سورۃ الناس کے اخیر میں پہنچے تو فوراً سورۃ الفاتحہ پڑھے اور اس کے بعد سورۃ البقرۃ کی چند ابتدائی آیات، یعنی ﴿ أُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ تک پڑھے، تاکہ یہ عمل اس پر دلیل ہوجائے کہ نہ تو وہ قراءۃ کو بالکل بند کررہا ہے اور نہ اُس سے اعراض کررہا ہے اور نہ ایک بار پڑھ لینے کو کافی سمجھ رہا ہے، مزید برآں یہ کہ اس کو جاری اور دائمی عبادت کا ثواب حاصل ہوجائے۔

اس سلسلہ میں فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالعزیز القاری رقم طراز ہیں:

''قراء کرام کا طریقہ ہے کہ جب وہ قرآن کریم ختم کرتے وقت سورۃ الناس کی قراءۃ سے فارغ ہوتے ہیں تو سورۃ الفاتحہ شروع کردیتے ہیں اور سورۃ البقرہ کی پہلی پانچ آیات یعنی ﴿وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھتے ہیں۔ اپنی اِصطلاحات میں اس کا نام انہوں نے الحالّ و المرتحل رکھا ہے۔ اس کے بعد وہ ختم قرآن کی دعا پڑھتے ہیں، کیونکہ یہ قبولیت کا مقام ہے۔ نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا

٭٭ پاکستان میں پانی پتی سلسلہ قراءات کے بانی مبانی اُستاد...... شاطبیہ کی عظیم شرح عنایت رحمانی کے مؤلف

٭ بانی ومؤسس تحریک کلیۃ القرآن الکریم وپرنسپل ادارہ کلیہ القرآن، مرکز البدر، پھول نگر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عمل سب سے زیادہ فضیلت والا ہے تو انہوں نے فرمایا:الحالّ المرتحل، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ الحالّ المرتحل کا کیا معنی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قرآن کریم کو اوّل سے لے کر آخر تک پڑھتا ہے، جب ختم کرنے لگتا ہے تو دوبارہ شروع کر دیتا ہے۔'' [سنن القراء :۲۲۶]

شیخ القراء قاری فتح محمد پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات ملانا اس لئے ہے کہ دوسرے قرآن کا شروع ہونا خوب پختہ اور یقینی ہو جائے، کیونکہ فاتحہ پر بس کر لینے سے تو یہ وہم بھی ہوسکتا ہے کہ شاید اس کو شکریہ کے طور پر پڑھا ہو اور دوسرا قرآن کریم شروع کر دینے کی نیت سے نہ ہو۔ نیز ﴿وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ پر بس کرنا اس لئے ہے کہ مومنین کی صفات پر قراءت کے ختم ہو جانے کے سبب حسنِ وقف کی رعایت میسر آ جائے۔''[عنایات رحمانی: ۴۹۶/۳]

قاری صاحب موصوف رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''حج وعمرہ کرنے والے نمازی کا اور روزہ رکھنے والے کا بھی یہی حال ہے کہ سب اپنے اعمال کو سلسلہ وار جاری رکھتے ہیں اور طالب علم بھی انہی میں شامل ہے جو ایک کتاب ختم کرنے کے بعد دوسری شروع کر دیتا ہے۔''

[عنایات رحمانی:۴۸۳/۳]

اس عمل کے مسنون ہونے کے بارے میں دو قسم کے دلائل ملتے ہیں:

① اَحادیث مرفوعہ جن میں خود نبی کریم ﷺ کی جانب سے اس کی بابت تعلیم و تلقین روایۃً وارد ہوئی ہے۔

② وہ مشہور اور زبان زدِ خلائق آثار موقوفہ جو صحابہ و تابعین اور ان کے بعد والے حضرات ائمہ سے منقول ہو کر آئے ہیں۔[کشفُ النظر اردو ترجمہ النشر:۱۰۷/۳]

چنانچہ امام ابو عمرو الدانی رحمہ اللہ نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

''جب آپ ﷺ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھتے تھے، تو ﴿الحَمْدُ﴾ سے شروع کرتے تھے، پھر سورۃ البقرہ سے ﴿وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھتے اور اس کے بعد ختم قرآن کی دعا کرتے، پھر اُٹھتے۔''[سنن القراء: ۲۲۷]

اس عمل کو حدیث شریف میں الحالّ المرتحل سے تعبیر کیا گیا ہے، جو بہترین اور افضل اعمال میں سے ہے۔

امام ابو عمرو دانی رحمہ اللہ اپنی سند سے نقل فرماتے ہیں:

'' زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ بہترین عمل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: الحالّ المرتحل۔''[جامع البیان:۷۹۶]

امام ابن وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں نے ابو حیان مدنی رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ الحالّ المرتحل یہ ہے کہ قرآن کریم کا اختتام ہو اور پھر سورۃ الفاتحہ سے ابتدا کی جائے۔''[جامع البیان:۱۱]

شیخ القراء قاری فتح محمد اعمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس عمل کے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے حق تعالیٰ کا زیادہ تقرب حاصل ہوتا ہے، کیونکہ جب وہ ختم کرتے ہی دوسرا قرآن شروع کر دیتا ہے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن کی تلاوت سے اُکتایا نہیں اور ایک ہی قرآن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر بس نہیں کرنا چاہتا، بلکہ یہ چاہتا ہے کہ ہمیشہ پڑھتا رہے اور اس میں مشغول رہے اور استغراق کا تمام اعمال سے افضل ہونا ظاہر ہے۔'' [عنایات:۳/۴۸۳،۴۸۶، بتصرفٍ]

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عمل کی توفیق عطا فرمائے اور تلاوتِ قرآن کو ہمارے لئے ذریعہ نجات اور اپنے قرب کا سبب بنائے۔آمین

حضرت زرارۃ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل سب اعمال سے افضل ہے؟ فرمایا: الحالّ المرتحل کا عمل سب عملوں سے بہتر ہے۔عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! الحالّ المرتحل کیا ہے؟ اور وہ کون ہے، جس کی یہ صفات ہیں؟ آپ ؐ نے فرمایا کہ وہ قرآن کریم ختم کرنے والا شخص، جو فوراً شروع بھی کر دینے والا ہو۔''

[سنن ترمذي:۵/۱۹۸، سنن الدارمي:۲/۳۳۷، سنن القراء:۲۲۶]

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اسی طریق سے منقول ہے اور یہ سند قوی نہیں ہے۔صاحب سنن القراء فرماتے ہیں: محدثین اس سند کو صالح مری والے طریق سے ضعیف کہتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے [تقریب التهذیب:۱/۳۵۸] میں فرمایا ہے، لیکن صالح مری کی روایت کی متابعت ابونصر وراق کی سند کے ساتھ موجود ہے۔ملاحظہ فرمائیے:

[الجرح والتعديل از ابن ابي حاتم:۳/۱۹۷ بحواله سنن القراء، ص۲۲۷، ۲۲۸]

امام دانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند سے روایت کیا ہے، لیکن اس سند میں زرارہ رضی اللہ عنہ کا سماع ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے، باقی الفاظ حدیث وہی ہیں جو اوپر گذرے ہیں۔[جامع البیان:ص۷۹۶]

شیخ القراء قاری فتح محمد اعمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''پس اس حدیث کی رو سے تو یہ دونوں قاری کی صفتیں تھیں، پھر اسے ختم کرتے ہی شروع کر دینے کے عمل کو بھی الحالّ المرتحل ہی کہا جانے لگا، یعنی اب الحالّ المرتحل قرآن کریم کے اس ختم کا نام ہے، جس کے بعد فوراً دوبارہ قرآن شروع کر دیا جائے۔اس عمل کے لیے یہ نام ہونے کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں مرفوع سند سے روایت کیا ہے کہ الحالّ المرتحل سے مراد قرآن مجید کا شروع کرنا اور ختم کر دینا ہے۔قاریِ قرآن، قرآن مجید کے اوّل سے آخر تک چلا جاتا ہے اور اس کے آخر سے اوّل کی طرف چلا آتا ہے، یعنی جب کبھی بھی قرآن کریم ختم کرتا ہے، اسی وقت دوبارہ شروع کر دیتا ہے۔''

[عناياتِ رحماني:۳/۴۸۱]

حافظ ابوعمرو دانی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ذریعہ امام اعمش رحمہ اللہ سے اور امام اعمش رحمہ اللہ نے حضرت امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ شیوخ اس بات کو مستحب جانتے ہیں کہ قرآن کریم کے ختم کر لینے کے بعد اس کے شروع سے بھی چند آیات پڑھ لیں۔[سنن القراء:۲۲۷، جامع البيان:ص۷۹۶]

امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے بھی اس عمل کو عملِ حسن فرمایا ہے اور اس کو سنت قرار دیا ہے۔

[عنايات رحماني:۳/۴۸۱، جامع البيان:ص۷۹۳، النشر:ص۴۱۵]

حافظ ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اب مسلمانوں کے شہروں میں (ختم قرآن کے بعد المفلحون تک پڑھنے والے) اس طریق مذکور کے موافق

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

برابر عمل چل پڑا ہے، حتی کہ اب قریباً کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو کلام پاک کا ایک ختم کر کے دوبارہ دوسرا ختم شروع نہ کردے، خواہ وہ دوسرا قرآن جو اب شروع کیا ہے، اس کو پورا کرے یا نہ کرے، اسی طرح برابر ہے کہ قاری کا قرآن پورا کرنے کا ارادہ ہو یا نہ ہو، یہ کوئی قید نہیں، بلکہ اب تو لوگوں کے یہاں یہ عمل سنت اور طریقۂ ختم قرار دیا جا چکا ہے اور جو شخص یہ عمل بجالاتا ہے اُسے وہ لوگ الحال المرتحل کے نام سے یاد کرتے ہیں، یعنی وہ شخص جو ختم کے اخیر میں اپنی قراءت کی منزل پر آ کر قیام پذیر ہو گیا اور پھر دوبارہ قرآن کریم شروع کر کے دوبارہ اپنی منزل کی طرف کوچ کر گیا۔'' [کشف النظر:۱۰۸۰/۳]

شیخ القراء قاری فتح محمد اعمی پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس روایت کا مقصد یہ ہے کہ اس میں کثرت سے تلاوت کرنے کا اور اس پر ہمیشگی کرنے کا شوق دلایا گیا ہے۔ پس قاری جس وقت ایک ختم سے فارغ ہو اسی وقت دوسرا شروع کردے، یعنی ایک ختم سے فارغ ہو کر قراءت سے اعراض نہ کرے، بلکہ قرآن کریم کی تلاوت اس کی جبلی اور پیدائشی عادت بن جائے۔ (اللهم اجعلنا منهم وأَعِنَّا على تلاوة القرآن وذكرك وشكرك وحسن عبادتك)'' [عنایاتِ رحمانی:۴۸۱/۳]

الحالّ المرتحل کے حکم کے حوالے سے حافظ ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہم یہ بات قطعاً نہیں کہتے کہ یہ عمل واجبات میں سے ہے، بلکہ جس نے اس پر عمل کرلیا اُس نے عمدہ کام کیا اور جو یہ عمل نہ بجالائے، اس پر بھی کوئی تنگی نہیں ہے۔'' [کشف النظر:۱۰۹۰/۳]

حافظ ابن جزری رحمہ اللہ کے مذکورہ ارشاد کے مطابق ایسا کرنا بھی جائز ہے کہ قاری سورہ الناس پر ہی تلاوت ختم کردے اور ﴿الْمُفْلِحُوْنَ﴾ تک نہ پڑھے کہ ہمیشہ الْمُفْلِحُوْنَ تک پڑھنے سے لوگوں کو اس طریقہ کے ضروری اور لازمی ہونے کا شبہ ہوگا، جو درست نہیں ہے۔

شیخ القراء قاری رحیم بخش پانی پتی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''اکثر تو پہلے ہی طریقہ پر عمل کریں اور کبھی کبھی دوسرے طریق پر بھی عمل کرلیا کریں اور جب نیت اِصلاح کی ہوگی، تو اِن شاء اللہ اس صورت میں بھی مستحب ہی پر عمل کرنے کا ثواب ہوگا۔ واللہ اعلم'' [قرآن مجید کے ختم کا مستحب طریقہ:ص۴]

حدیث: الحالّ المرتحل کے متعلق شبہات اور ان کا جائزہ

شبہ نمبر ❶

حدیث: الحالّ المرتحل کا مدار 'صالح مُرّی' پر ہے، یعنی انہی سے منقول ہے اور یہ اگرچہ نیک بندے ہیں، لیکن محدثین کرام کے ہاں ضعیف ہیں۔

اس شبہ کے بیان میں امام ابوشامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ حدیث کئی طرق سے 'صالح' سے منقول ہے اور جس کے رجال کا سلسلہ یہ ہے: صالح، قتادہ سے، وہ زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! أيُّ الأعمال أحبّ إلى الله عزوجل؟ قال الحالّ المرتحل۔ اس حدیث کو امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب جامع ترمذی کے آخر میں قراءۃ کے ابواب میں بیان کیا ہے اور سند اس طرح لکھی ہے: نصر بن علی الجهضمی، هيثم بن الربيع سے، وہ صالح مری سے...... پھر حدیث کا متن مذکورہ بالا الفاظ سے ہی بیان کیا اور آخر میں امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے، جس کو ہم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے صرف اسی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

طریق سے پہچانتے ہیں۔

دوسری سند یہ ہے: محمد بن بشار، مسلم بن ابراہیم سے، وہ صالح مری سے، وہ قتادہ سے، وہ زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں...... الخ۔ اس طریق میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ صحیح تر ہے۔

الغرض سند کا سلسلہ چاہے جس طریقہ سے ہو، اس حدیث کا مدار 'صالح مری' ہی پر ہے اور اگرچہ یہ صالح شخص ہیں، لیکن محدثین کرام کے ہاں ضعیف ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہیں۔ امام نسائی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ صالح مری متروك الحدیث ہے۔'' [عنایاتِ رحمانی: ۴۸۱/۳]

جواب:

اس حدیث کا مدار 'صالح مری' ہی پر نہیں ہے، بلکہ اس کو 'زید بن اسلم' نے بھی روایت کیا ہے اور امام دانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔ زید بن اسلم رحمہ اللہ کی روایت کچھ یوں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اعمال میں سے افضل ترین عمل کونسا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: الحالّ المرتحل

امام ابن وہب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

''میں نے ابوعفان مدنی رحمہ اللہ سے سنا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی اِرشاد فرماتے تھے کہ ھذا۔ أی الحالّ المرتحل۔ خاتم القرآن و فاتحہ۔'' [جامع البیان: ص۷۹۶]

امام دانی رحمہ اللہ نے اس کو سلیمان بن سعید کسائی رحمہ اللہ کے طریق سے بھی روایت کیا ہے:

''سلیمان رحمہ اللہ کہتے تھے کہ ہمیں حصیب بن ناصح رحمہ اللہ نے اور ان کو امام قتادہ رحمہ اللہ نے اور امام قتادہ رحمہ اللہ کو زرارہ بن اوفی رحمہ اللہ نے اور ان کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ أَنَّ رَجُلاً قَامَ إِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللہ ﷺ أَیُّ الأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَی اللہ تَعَالٰی، قَالَ الحَالُّ المُرْتَحِلُ، فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللہ ﷺ! وَمَا الْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ، قَالَ صَاحِبُ الْقُرْآنِ یَضْرِبُ مِنْ أَوَّلِہٖ إِلَی آخِرِہٖ وَمِنْ اٰخِرِہٖ إِلٰی أَوَّلِہٖ کُلَّمَا حَلَّ ارْتَحَلَ'' [جامع البیان: ۱۱]

پس یہ دعویٰ ثابت ہوگیا کہ یہ حدیث صرف 'صالح مری' ہی سے منقول نہیں، بلکہ یہ ان کے علاوہ کئی اور حضرات سے بھی منقول و مروی ہے اور جب ضعیف حدیث کئی طرق سے منقول ہو تو وہ حسن ہوجاتی ہے اور یہ روایت بھی ایسی ہی ہے۔ [عنایاتِ رحمانی: ۴۸۴/۳]

شبہ نمبر ۲

حدیث: الحالّ المرتحل کی تفسیر میں اختلاف ہے، اس لئے یہ حجت نہیں بن سکتی۔ قراء کرام کے قول پر قرآن کریم کے ختم کرنے اور پھر شروع کردینے کے معنی میں ہے اور بعض فقہاء کی رائے پر اس سے لگاتار جہاد میں مشغول رہنا اور اس کا ترک نہ کرنا مراد ہے۔ پس ایسا مجاہد جو ایک سفر جہاد سے واپس آنے کے کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد پھر دوسرے سفر جہاد کے لئے سفر کے لیے کوچ کرجائے وہ اس حدث کا مصداق ہے۔

اس شبہ کے بیان میں امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ اپنی کتاب غریب الحدیث کے آخر میں، حدیث: أیّ الأعمال أفضل، قال: الحالّ المرتحل، قیل: وما الحالّ المرتحل؟ قال: الخاتم المفتتح کی توضیح میں فرماتے ہیں:

’’حالّ: قرآن کریم کا ختم کرنے والا ہے۔ اس کو اس شخص سے تشبیہ دی گئی ہے، جس نے سفر کیا اور چلتا رہا حتیٰ کہ جب منزل پر پہنچ گیا، تو وہاں اتر گیا۔ اسی طرح قاری بھی قرآن کریم پڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے آخر میں پہنچ جاتا ہے تو ٹھہر جاتا ہے۔ اور المرتحل: قرآن کریم کا شروع کرنے والا ہے۔ اس کو اس شخص کے مرتبہ میں قرار دیا گیا ہے، جو سفر کا ارادہ کرے اور پھر چل کر اس کو شروع بھی کر دے۔‘‘ [عنایاتِ رحمانی: ۴۸۲/۳]

امام قتیبہ رحمہ اللہ مزید رقم طراز ہیں:

’’کبھی ان کلمات کا اطلاق الخاتم المفتتح یعنی جہاد کے ختم اور شروع کردینے والے پر بھی ہوتا ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ ایک مجاہد پہلے ایک جنگ میں مشغول ہو، پھر اس کے ختم ہوتے ہی دوسری جنگ شروع کر دے۔ الحالّ المرتحل بھی اسی طرح ہے، یعنی یہ بھی دوسری جنگ کو پہلی سے متصل کر دیتا ہے۔‘‘

[عنایاتِ رحمانی: ۴۸۲/۳]

جواب

امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ کا کلام اس پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ اس حدیث کی تفسیر میں علمائے متقدمین کا اختلاف ہے، بلکہ اس سے تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اوّلاً تو انہوں نے وہی قاری والی تفسیر بیان کردی جو حدیث میں مذکور تھی، پھر آخر میں اپنی طرف سے حدیث کی تشریح کے طور پر جہاد والی تفسیر بھی بیان کردی اور یہ بات ان کی تقریر سے پوری طرح واضح ہے۔ [عنایاتِ رحمانی: ۴۸۴/۳]

شبہ نمبر ۳

مسلسل جہاد والی تفسیر بالکل واضح اور صراحۃً لفظ کے مطابق ہے، کیونکہ اس تقدیر پر حِلّ اور ارْتِحَال دونوں اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہیں اور جو معنی قراء کرام نے بتائے ہیں وہ مجازی ہیں، جن میں قرآن کریم کے ختم کرنے والے کو مقیم سے اور شروع کرنے والے کو مسافر سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اس اعتراض کی وضاحت حافظ ابوشامہ رحمہ اللہ یوں فرماتے ہیں:

’’جہاد والی تفسیر ظاہر ہے۔ اس میں لفظ اپنے حقیقی معنی پر رہتا ہے، کیونکہ جہاد میں قیام وسفر دونوں حقیقتاً پائے جاتے ہیں۔‘‘ [عنایاتِ رحمانی: ۴۸۲/۳]

جواب

یہ کہنا کہ مسلسل جہاد والی تفسیر لفظ سے بالکل ظاہر اور واضح ہے، محل نظر ہے کیونکہ الحالّ المرتحل کا لفظ حقیقتِ شرعیہ کے اعتبار سے مسلسل جہاد کے مراد ہونے پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ اس صورت میں ضروری تھا کہ خود شارع علیہ السلام اس کی وضاحت فرماتے، حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ چنانچہ یہ کلمات حج وعمرہ اور تجارت وجہاد وغیرہ کے ہر سفر اور قیام کو شامل ہیں۔

رہا یہ کہ اس کی جو تفسیر قراء کرام نے کی ہے، وہ اس کے مجازی معنی ہیں، چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ تاویل قراء ہی نے کی ہے، حالانکہ حقیقتِ صورتحال اس سے مختلف ہے۔ آپ ذیل میں پیش کی گئی روایات پر غور فرمائیں اور دیکھیں کہ کیا اَمر واقعہ میں ایسا ہی ہے:

1. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ابھی گزرا ہے کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ أي

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

الأعمال أحبّ إلى الله ......الخ

❷ امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ کی تشریح قراء کے موافق ہے، جیسا کہ ابھی اوپر گذرا۔

❸ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو قراء ۃ کے ابواب میں روایت کیا ہے اور یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے بھی ہاں یہی معنی مراد ہیں۔

❹ امام بیہقی رحمہ اللہ اور ان کے سوا ابوعبداللہ حلیمی رحمہ اللہ جیسے ائمہ بھی اس کو قراء ۃِ قرآن کے باب میں لائے ہیں اور اس کو ختم کے آداب میں شمار کیا ہے۔[عنایاتِ رحمانی:۴۸۴/۳،قرآن مجید کے ختم کا مستحب طریقہ:۳]

❺ حافظ ابوالشیخ اصفہانی رحمہ اللہ اس حدیث کو فضائل اعمال میں لائے ہیں اور مسند الفردوس میں بھی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:«خیر الأعمالِ الحِلُّ وَالرِّحْلَةُ افتتاحُ القُرآن وخَتْمُهُ»[عنایاتِ رحمانی:۴۸۳/۳]

پس یہ دعویٰ ثابت ہوگیا کہ یہ تفسیر قراء کریم ہی سے منقول نہیں ہے، بلکہ دیگر کئی آئمہ بھی ان کے ہمراہ ہیں۔

علامہ جعبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام ابوالحسن بن غلبون رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس طرح بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل سب اعمال سے افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: الحالّ المرتحل۔ عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! الحالّ المرتحل کیا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ قرآن کریم کا شروع کرنا اور اس کا ختم کرنا۔ صاحب قرآن اس کے شروع سے آخر تک چلا جاتا ہے اور آخر سے پھر شروع کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔''

[شرح جعبری بحوالہ عنایات:ص۴۸۳]

شیخ القراء قاری فتح محمد پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام اہوازی رحمہ اللہ نے بھی یہ روایت اسی طرح نقل فرمائی ہے، لیکن وہ درمیان میں یا رسول اللہ ﷺ! کے الفاظ نہیں لائے۔اس حدیث کے صحیح ہونے کی تقدیر پر اگر تفسیر متن میں شامل ہے، تب تو یہی مطلب متعین ہے ورنہ محتمل ہے اور حقیقت پر محمول ہونے اور ثُمَّ جهادٌ فِي سَبِيلِهِ والی حدیث کے موافق ہونے کے سبب جہاد والی تفسیر راجح ہے اور ختم کی عرفی حقیقت کے سبب قاری والی تفسیر راجح ہے اور دونوں میں تفریق کی وجہ بھی یہی ہے۔''[①]

[عنایاتِ رحمانی:۴۸۳/۳]

شبہ نمبر ❷

جو مضمون صحیح اَحادیث میں ضبط کیا گیا ہے وہ اس کے ماسوا ہے، یعنی صحیح حدیثوں میں الحالّ المرتحل کے بجائے دوسرے اَعمال کو سب سے افضل بتایا ہے، چنانچہ یہ روایت اگر اپنی سند کے اعتبار سے صحیح ہو بھی تو معلول یا شاذ تو ضرور ہے۔ جن روایات سے اس روایت کا ٹکراؤ ہے وہ روایتیں یہ ہیں:

① اُصولیوں کا اتفاق ہے کہ لفظ کی دلالت اس کے عموم پر ہوتی ہے، معروف قاعدہ ہے: العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب یعنی لفظ سے استدلال میں اعتبار عموم لفظ کا ہوگا، شانِ نزول یا خصوصی تشریح سے لفظ کو متعین کرنا صحیح نہیں۔ اس لئے مذکورہ ساری بحث اس اعتبار سے کوئی وزن نہیں رکھتی کہ دونوں معانی کو باہم متعارض خیال کرکے ایک دوسرے پر ترجیح دی جائے، خصوصاً جبکہ دین میں اس کی کوئی تصریح بھی موجود نہ ہو۔ الغرض چونکہ دونوں تفسیریں ایک دوسرے کے متناقض نہیں، لہٰذا دونوں ہی حدیث کا مصداق ہوسکتی ہیں۔ [مدیر]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

❶ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا، پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، پھر مقبول حج۔

❷ بعض روایات میں افضل ترین عمل کی تشریح میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا، پھر ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک اور احسان کرنا، پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

❸ آپ ﷺ نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «عليك بالصوم فإنه لا مثلَ له»۔ روزہ کی پابندی مضبوطی سے کرو کیونکہ ریا سے دور ہونے میں کوئی عمل بھی اس کے مثل نہیں ہے۔

❹ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ «واعلموا أن خير أعمالكم الصلوٰة» جان لو کہ تمہارے اَعمال میں سے سب سے بہتر عمل نماز ہے۔ [عنایاتِ رحمانی: ۳/ ۴۸۲]

جواب

حدیث: الحالّ المرتحل کی افضلیت اضافی ہے نہ کہ حقیقی، کیونکہ بعض وقت کسی شے کو افضل کہا جاتا ہے اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ بھی افضل چیزوں میں سے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نماز، روزہ، جہاد، حج، عمل الحالّ المرتحل وغیرہ کا مجموعہ اعمال کے اس طبقہ میں شامل ہے، جو سب طبقوں سے اعلیٰ ہے۔ [عنایات: ۳/ ۴۸۳، 'بتصرف']

شبہ نمبر ❺

محدثین کرام نے اس تفسیر کو حدیث میں مدرج کر کے شامل کیا ہے اور ممکن ہے کہ یہ تفسیر کسی راوی کی طرف سے ہو۔

اس شبہ کو حافظ ابوشامہ رحمہ اللہ یوں ذکر فرماتے ہیں کہ وہ تفسیر جس کو امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، ممکن ہے کہ حدیث میں بعض راویوں کے کلام سے داخل ہوگئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی میں بھی تفسیر کے بغیر الحالّ المرتحل ہی آیا ہے اور گویا سوال کرنے والے بھی راوی ہی ہیں، جن میں سے ایک نے دوسرے سے سوال کیا، پھر اس نے جواب میں وہ تفسیر بتادی جو اس کی سمجھ میں آئی۔ [عنایاتِ رحمانی: ۳/ ۴۸۲]

جواب

محقق ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہمارے علم کی حد تک موصوف رحمہ اللہ کی طرح کسی نے بھی حدیث میں اس تاویل کے مدرج ہونے کی تصریح نہیں کی، بلکہ اس حدیث کے ناقلین دو طرح کے ہیں:

① وہ جنہوں نے تصریح کی ہے کہ یہ تفسیر خود نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی ہے، جیسا کہ اکثر روایات میں اسی طرح ہے۔

② وہ جنہوں نے حدیث کے ایک حصہ کے نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے اور جس حصہ میں تفسیر ہے، اس کو بیان نہیں کیا۔

نیز دونوں روایتوں میں منافات بھی نہیں ہے۔

پس جس روایت میں تفسیر ہے، اس کا مطلب بھی وہی لیں گے جو اس روایت کا ہے جس میں تفسیر نہیں ہے اور جب معنی میں خلل نہ آئے تو حدیث کے بعض حصہ کا روایت کرنا بھی بلاشک درست ہے۔ اس میں کسی کا بھی خلاف نہیں ہے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے دوسری روایت میں ادراج لازم نہیں آتا۔ نیز اس اختلاف کی انتہا یہیں تک تو ہے کہ بہ نسبت دوسری روایت کے تفسیر والی حدیث میں کچھ زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔'' [عنایاتِ رحمانی:۴۸۵/۳]

موصوف رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''ہم نے جو روایات، شواہد اور توابع کے طور پر بیان کی ہیں، وہ سب اس حدیث کی قوت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ بتاتی ہیں کہ یہ حدیث ترقی کر کے ضعیف ہونے کے درجہ سے نکل گئی ہے۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک روایت دوسری کو تقویت دے رہی ہے اور پہلی روایت کے لیے تائید کا باعث ہے۔ حافظ ابو عمرو دانی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ذریعہ امام اعمش رحمہ اللہ سے اور انہوں نے امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ شیوخ اس بات کو مستحب جانتے ہیں کہ قرآن کریم کے ختم کر لینے کے بعد اس کے شروع سے بھی چند آیات پڑھ لیں۔ یہ روایت واضح دلیل ہے اس پر کہ اس بارے میں سلف کا مذہب اور قراء کرام کا پسند کیا ہوا عمل بلاشک صحیح ہے۔''[عنایاتِ رحمانی:۴۸۵/۳]

نیز امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اس کو حسن فرمایا ہے اور اس عمل کو سنت قرار دیا ہے۔ اس سے بھی اس کے ثبوت کی تائید ہوتی ہے۔[عنایاتِ رحمانی:۴۸۱/۳]

رہی یہ بات کہ امام احمد رحمہ اللہ سے ان کے شاگرد ابوطالب رحمہ اللہ نے پوچھا کہ کیا قاری ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھنے کے بعد سورۃ البقرہ کی ابتداء سے بھی کچھ پڑھے؟ تو انہوں نے فرمایا: نہ پڑھے۔ ابو طالب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ گویا امام موصوف رحمہ اللہ نے ختم قرآن کو کسی اور حصہ کی قراءۃ کے ساتھ ملانے کو پسند نہیں کیا۔ تو اس سلسلہ میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے عدم پسندیدگی بعض وجوہ سے کی ہوگی، جن میں سے دو وجوہ یہ ہو سکتی ہیں:

① انہوں نے عدم پسندیدگی اس لئے فرمائی کہ کوئی اس مستحب عمل کو لازم نہ سمجھ لے۔
② ممکن ہے کہ اس بارے میں موصوف کو کوئی اثر نہ ملا ہو، جس کو وہ اختیار کر لیتے۔[عنایاتِ رحمانی:۴۸۹/۳]

قارئین تصحیح فرمالیں

قراءات نمبر (حصہ اوّل) کے صفحہ نمبر ۳۱۷ پر ڈاکٹر عبدالعزیز القاری حفظہ اللہ کے مضمون: 'قراءات قرآنیہ میں اختلاف کی حکمتیں اور فوائد' میں تقریباً آدھا صفحہ کی عبارت غلطی سے حذف ہوگئی، چنانچہ قارئین مذکورہ صفحہ کی آٹھویں سطر کے بعد ذیل کی عبارت کا اضافہ کرلیں:

''(۳) تبدیلی لفظ سے تبدیلی معنی بھی ہو، لیکن ایک اعتبار سے معنی میں تضاد نہیں ہوتا، مثلاً وظَنُّوا أنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا میں كُذِبُوْا کو ذال کی تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ تشدید کے ساتھ پڑھنے کا معنی یہ ہوگا کہ رسولوں نے اس بات کا یقین کرلیا کہ ان کی قوم نے انہیں جھٹلا دیا، جبکہ تخفیف والی قراءت کا معنی ہوگا کہ قوم والوں نے خیال کیا کہ نبیوں کا یہ کہنا کہ اگر ہم ان کی نبوت کو جھٹلا دیں گے تو ہم عذاب سے دوچار کئے جائیں گے، جھوٹ پر مبنی ہے۔
پہلی قراءت میں ظن بمعنی یقین ہوگا، اس صورت میں ظَنُّوْا میں جمع کی ضمیر رسولوں کے لئے اور كذبوا کی ضمیر جمع قوم والوں کے لئے ہوگی اور دوسری قراءت، جس میں ظن بمعنی یقین نہیں، میں پہلی ضمیر سے مراد قوم اور دوسری سے مراد رسول ہیں۔ (حجة القراءات:۷۷، الکشف:۲۵/۱، ۲۶)''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاری محمد ابراہیم میرمحمدی ☆☆
مترجم: قاری مصطفیٰ راسخ ☆

بین السورتین تکبیرات ...... تحقیقی جائزہ

زیر نظر مضمون شیخنا شیخ القراء قاری محمد ابراہیم میرمحمدی حفظہ اللہ کی غیر مطبوع عربی تصنیف المقنع في التکبیر عند الختم من طریق التیسیر والحرز سے ماخوذ ہے۔ مصنف نے اصل کتاب دس فصول اور ایک خاتمہ پر ترتیب دی ہے، لیکن ہم مکمل کتاب کے بجائے کتاب کا صرف ابتدائی نصف حصہ قارئین رشد کی خدمت میں پیش کررہے ہیں، جبکہ آخری آدھے حصے میں پیش کردہ مباحث چونکہ علم قراءات کی عملی تطبیقات سے تعلق رکھتی ہیں، چنانچہ اختصار کی غرض سے انہیں ہم شائع نہیں کررہے۔ فاضل مؤلف نے اپنی اصل کتاب کے حواشی میں کتاب میں پیش کیے گئے تمام رجال کے تراجم اور مختلف دعاوی کے بیان میں اَسانید کو بھی مفصلا ذکر کیا ہے، لیکن اختصار کی غرض سے ہم نے انہیں بھی شامل تحریر نہیں کیا۔ جو حضرات ان تمام اُمور کی مراجعت کا شوق رکھتے ہوں وہ اصل کتاب کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔ [ادارہ]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور جلیل القدر تابعین کرام نے تکبیرات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کے طور پر روایت کیا ہے۔ پھر یہ عام ہوگئی اور اتنی مشہور ہوئی کہ تواتر کی حد تک جا پہنچی۔ نیز اس پر تمام شہروں کے علماء نے عمل کیا ہے اور یہ سنت متواترہ اپنے وجود کے ثبوت میں مزید کسی دلیل کی محتاج نہیں رہی۔ اسلاف کا مسلسل عمل یہ چلا آرہا ہے کہ وہ سورۃ والضحٰی پڑھتے ہیں تو والضّحٰی کے شروع سے لے کر سورۃ الناس کے آخر تک ہر سورۃ کے اختتام پر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہتے ہیں۔ [سنن القراء ومناهج المجوّدين:۲۰۹]

اختتام قرآن کے موقع پر تکبیر کہنا سنت ہے۔ خواہ قاری نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ تلاوت کررہا ہو۔ تکبیر ایسی سنت ہے جو لوگوں میں شائع وذائع رہی، تواتر سے منقول ہوئی اور اس کو تلقّی بالقبول حاصل ہے۔ اس کے ثبوت میں بہت ساری مرفوع اور موقوف اَحادیث وارد ہوئی ہیں، جن کا بیان ان شاء اللہ آئندہ آئے گا۔ [تقریب النشر: ص۱۹۱]

لفظ تکبیر کَبَّرَ یُکَبِّرُ کا مصدر ہے، جس کا معنی ہے کہ اللہ ہر شے سے بڑا ہے۔ [لطائف الإشارات: ۱/۳۱۷]

تکبیرات سے متعلقہ متعدد علمی مباحث کو ہم چھ عنوانات کے تحت بیان کریں گے:

☆☆ بانی ومؤسس تحریک کلیۃ القرآن الکریم وپرنسپل کلیۃ القرآن، مرکز البدر، پھول نگر
☆ متعلّم کلیۃ القرآن الکریم، جامعہ لاہور الاسلامیہ ورکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

① تکبیرات کا سبب نزول
② تکبیرات کا حکم
③ تکبیرات کا احادیث سے ثبوت
④ علم قراءات میں تکبیرات کس امام سے منقول ہیں؟
⑤ تکبیرات کے الفاظ اور اس کا محل
⑥ نماز میں تکبیر پڑھنے کا حکم

مبحث اوّل: تکبیرات کے وارد ہونے کا سبب

اس بارے میں جمہور مفسرین اور قراء کرام اس بات کے قائل ہیں، جس کو حافظ ابوالعلاء رحمہ اللہ نے سیدنا بزی رحمہ اللہ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ مشرکین نے موقعہ پا کر یہ طعنہ دیا کہ محمد ﷺ کو اس کے رب نے چھوڑ دیا ہے۔ جب سورہ والضّحیٰ نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے شدت انتظار کی وجہ سے وحی کی تصدیق کرتے ہوئے اور کفار کی تکذیب کرتے ہوئے 'اللہ اکبر' کہا۔ [غیث النفع:۳۸۴]

نیز نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ سورہ والضحیٰ سے لے کر آخر قرآن تک ہر سورہ کے اختتام پر اللہ کا شکر اور اس کی تعظیم بجا لاتے ہوئے اللہ اکبر کہا جائے۔

[لطائف الاشارات:۳۱۸/۱، اتحاف فضلاء البشر:۶۴۰/۲، النشر:۴۰۶/۲]

تقریباً تمام کتبِ قراءات میں یہ بات موجود ہے۔ [هداية القاری:۷۰۵]

شفاء الصدور میں ہے کہ آپ نے قسم کھا کر کہا کہ مشرکین جھوٹے ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ عربوں کی عادت ہے کسی بڑے یا ہولناک واقعہ پر'اللہ اکبر' کہتے ہیں، چنانچہ ممکن ہے کہ اسی پس منظر میں نبی اکرم ﷺ نے نزول وحی کو ایسے حالات میں بڑا معاملہ سمجھتے ہوئے اللہ اکبر کہا ہو۔ [غیث النفع: ص ۳۸۴]

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سورہ والضحیٰ میں مذکور نعمتوں، بالخصوص اللہ کی یہ نعمت کہ ﴿وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيكَ رَبُّكَ فَتَرۡضَىٰٓ﴾ پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اللہ اکبر کہا۔

[البدور الزاهرة:۹۹۵/۲، هداية القاری:۵۹۸/۲]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس کی اَسانید ایسی نہیں ہیں، جن پر صحت اور ضعف کا حکم لگایا جائے۔'' [تفسیر ابن کثیر:۵۵۷/۴]

اِمام ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس سے مراد یہ ہے کہ تکبیرات تواتر سے ثابت ہیں، ورنہ انقطاع وحی کا واقعہ تو مشہور ہے جس کو سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اسود بن قیس رحمہ اللہ سے اور انہوں نے جندب البجلی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ یہ ایک ایسی سند ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔'' [النشر: ۴۰۶/۲]

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی صورت کو دیکھ کر اللہ اکبر کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنی بڑی جسامت والا بنایا اور اس وقت نبی اکرم ﷺ 'ابطح' مقام پر تھے، جیسا کہ ابوبکر محمد بن اسحاق رحمہ اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہی کہتے ہیں۔ امام قسطلان ﷫ نے بھی اسی بات کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا:
''یہ زیادہ قوی ہے، کیونکہ یہ ایک ہولناک موقع پر تکبیر تھی جو عربوں میں عام ہے۔''[لطائف الاشارات:۳۱۸/۱]
بعض کہتے ہیں کہ اللہ کی تعظیم کرتے ہوئے اور وحی کے اختتام پر شکرانہ ادا کرتے ہوئے آپ نے اللہ اکبر کہا۔ [غیث النفع:۳۸۵]

مبحث دوم: تکبیرات کا حکم

تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ تکبیر اگرچہ قرآن کریم کا حصہ نہیں، لیکن اختتام قرآن کے موقع پر چند سورتوں کے آخر میں تکبیر (اللہ اکبر) کہنا ایسے ہی مستحب ہے جیسے ابتدائے تلاوت میں تعوذ پڑھنا مستحب ہے۔ اسی وجہ سے تکبیر کو مصاحف عثمانیہ میں سے کسی مصحف میں بھی نہیں لکھا گیا۔[البدور الزاھرۃ:۳۵۰]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ﷫ فرماتے ہیں:
''جس کا یہ دعویٰ ہے کہ تکبیر قرآن کریم کا حصہ ہے وہ شخص بالاتفاق تمام ائمہ کے نزدیک گمراہ ہے۔ اس سے توبہ کروائی جائے گی اور اگر وہ توبہ کرے تو درست، ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔[مجموع فتاویٰ:۴۱۹/۱۳]

موصوف ﷫ مزید فرماتے ہیں:
''ائمہ دین میں سے کسی سے تکبیر کا وجوب ثابت نہیں۔''[مجموع فتاویٰ:۴۱۹/۱۳]

علامہ جعبری ﷫ فرماتے ہیں:
''اثباتِ تکبیر سے رسم قرآن کی مخالفت نہیں ہوتی، کیونکہ اس کے اثبات سے استعاذہ کی طرح یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو قرآن کریم تسلیم کیا جا رہا ہے۔''[اتحاف فضلاء البشر:۶۴۷/۲]

علامہ سلیمان الجمزوری ﷫ فرماتے ہیں:
''تکبیر کہنا اور نہ کہنا دونوں طرح سے جائز ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے بعض دفعہ تکبیر کہی اور حضرت ابی بن کعب ﷜ کو اس کا حکم دیا، جیسا کہ ابن عباس ﷜ حضرت ابی ﷜ سے روایت کرتے ہیں اور بعض دفعہ تکبیر نہ کہی۔ گویا کہ تکبیر وعدم تکبیر دونوں جائز ہیں۔''
[الفتح الرحمانی: ص۲۲۳، بحوالہ التذکرۃ از علامہ ابن غلبون:۶۶۲/۲]

علامہ ابوالفتح فارس ﷫ فرماتے ہیں:
''ہم نہیں کہتے کہ ہر آدمی جو قرآن کریم ختم کرے وہ تکبیر کہے۔ جس نے تکبیر کہی اس نے بھی اچھا کیا اور جس نے نہ کہی اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔''[النشر:۴۱۱/۲]

الغرض تکبیر کا حکم یہ ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے، جس کو حضرت عبداللہ بن عباس ﷜ اور جلیل القدر مکی وغیر مکی تابعین نے روایت کیا ہے۔[البدور الزاھرۃ: ص۳۵۰]

امام دانی ﷫ اپنی سند سے الشیخ المقری ابومحمد موسیٰ بن ہارون مکی ﷫ سے نقل کرتے ہیں کہ
''انہیں (یعنی موسیٰ ﷫ کو) سیدنا بزی ﷫ نے بتایا کہ مجھے ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی ﷫ نے کہا کہ اگر آپ نے تکبیر کو چھوڑ دیا تو گویا آپ نے نبی اکرم ﷺ کی سنتوں میں سے ایک سنت کو ترک کر دیا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

[سنن القراء:ص۲۲۲،جامع البیان:ص۷۹۳]

علامہ ابو الحسن ابن غلبون رحمہ اللہ مؤلف 'التذکرۃ' کے والد گرامی، ماہر فن امام ابوالطیب عبدالمنعم ابن غلبون رحمہ اللہ تکبیرات کے حکم کو یوں بیان فرماتے ہیں:

''یہ سنت مبارکہ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے منقول ہے۔''

علامہ ابوالفتح فارس رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تکبیر سنت ہے جو رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے مروی ہے۔'' [النشر:۲/۴۱۱]

اپنے زمانہ کے شیخ القاری اور امام ابوعلی اہوازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تکبیر اہل مکہ کے ہاں مشہور ہے، جس پر اہل مکہ دروس اور نماز وغیرہ میں تلاوت کے موقع پر عمل کرتے رہے۔'' [النشر:۲/۴۱۰]

علامہ ابومحمد مکی بن ابی طالب القیسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اہل مکہ سورہ والضّحیٰ سے لے کر آخر الناس تک ہر سورہ کے آخر میں تمام قراء کے لئے تکبیر کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ کا دوسروں سے کوئی فرق نہیں کرتے۔ یہ طریقہ انہوں نے اپنے شیوخ سے نقل کیا ہے۔'' [النشر:۲/۴۱۰]

امام ابوالطیب ابن غلبون رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس سنت کو اہل مکہ سیدنا بزی رحمہ اللہ اور دیگر تمام قراء کے لئے اختیار کرتے ہیں۔[النشر:۲/۴۱۱] پھر اس سنت پر عمل عام ہوگیا اور تمام شہروں کے قراء و مشائخ اس پر عمل کرنے لگے۔'' [سنن القراء:۲/۲۲۴]

امام ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تکبیر مکی قراء، علماء اور شیوخ کے نزدیک صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ پھر یہ سنت تمام شہروں کے علماء میں پھیل گئی اور اس پر تمام نے عمل کرنا شروع کردیا، حتیٰ کہ وہ اپنی مجالس، اجتماعات میں بھی اس کو پڑھتے تھے۔ ان میں سے اکثر ایسے بھی تھے جو رمضان میں قیام اللیل میں ختم القرآن کے موقع پر بھی اسی کا اہتمام کرتے تھے۔'' [النشر:۲/۴۱۰]

تکبیر کے حکم کے بیان میں ہم اپنی بحث کو سمیٹتے ہوئے آخر میں مدینہ یونیورسٹی کے کلیۃ القرآن الکریم کے سابق ڈین ڈاکٹر عبدالعزیز القاری رحمہ اللہ کا قول پیش کرتے ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں:

''یہ سنت اہل مکہ کے ہاں مشہور ہے، جو اسے اپنے شیوخ سے نقل کرتے ہیں اور ان کے نزدیک اس سلسلہ میں بزی رحمہ اللہ اور دیگر تمام برابر ہیں۔'' [سنن القراء:۲۲۱]

مبحث سوم: حدیثِ تکبیرات کا ثبوت

مسجد حرام کے مؤذن اور مقریٔ مکہ سیدنا بزی رحمہ اللہ سے مروی تکبیرات کے ثبوت کی اَحادیث محدثین کرام کے ہاں بہت مشہور ہیں، جن کو امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک [۳/۳۰۴] میں، امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں اور امام ابوالحسن طاہر بن غلبون الحلبی رحمہ اللہ نے التذکرۃ فی القرآءات الثمان [ص ۶۵۶] میں نقل فرمایا ہے۔

امام ابوعمرو عثمان بن سعید الدانی رحمہ اللہ نے جامع البیان [ص ۷۷۱، مخطوط] میں، علامہ احمد بن علی ابن الباذش رحمہ اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے الاقناع [ص ۸۱۹] میں، علامہ ابوالکرم ابن احمد الشہرزوری رحمہ اللہ نے المصباح الزاہر فی العشر البواہر[ص ۲۶۶] میں، شمس الدین ابوالخیر ابن جزری رحمہ اللہ نے النشر الکبیر[۴۱۱/۱ تا ۴۱۵] میں ، علامہ عمر بن قاسم الانصاری رحمہ اللہ نے البدور الزاہرۃ فی القراء ات المتواترۃ [ص ۴۶۸، مخطوط] میں اوران کے علاوہ بہت سارے شیوخ نے امام بزی رحمہ اللہ سے تکبیرات کو کثیر اَسانید کے ساتھ نقل کیا ہے۔ مذکورہ کتب میں بھی حدیث تکبیر کو بیسیوں سندوں سے نقل کیا گیا ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے راویٔ اوّل امام بزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں نے عکرمہ بن سلیمان رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے اسماعیل بن عبداللہ بن قسطنطین رحمہ اللہ پر قراءت کی۔ جب سورہ والضّحیٰ پر پہنچے تو فرمانے لگے کہ اس سورہ سے لے کر آخر قرآن تک ہرسورہ کے آخر میں تکبیر کہو۔[مستدرك حاکم:۵۳۲۵بحوالہ جامع البیان:ص۷۹۲]امام شافعی رحمہ اللہ کے استاد اسماعیل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے سیدنا عبداللہ بن کثیر مکی رحمہ اللہ اور ان کو امام مجاہد رحمہ اللہ نے تکبیر پڑھنے کا حکم دیا اور خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے اسی طرح پڑھایا تھا۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اس بات کا حکم ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے دیا اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کا حکم دیا۔''

[جامع البیان:ص۷۹۲،۷۹۳]

امام جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تکبیرات کی اَحادیث صرف امام بزی رحمہ اللہ سے مرفوع ہیں،باقی تمام راوی ابن عباس رضی اللہ عنہ یا بعض مجاہد رحمہ اللہ تک موقوف ومقطوع بیان کرتے ہیں۔''[تقریب النشر:۱۹۱]

بعض علماء نے تکبیرات کی اَحادیث میں موجود سیدنا بزی رحمہ اللہ کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ چنانچہ امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بزی ضعیف الحدیث ہیں، میں ان سے حدیث بیان نہیں کرتا۔ امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہیں۔امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ان کی تضعیف فرمائی ہے،لیکن ساتھ ہی فرما دیا:

''علم قراءت میں بہرحال امامت کے درجہ پر فائز تھے اور نہایت پختہ تھے۔''

[میزان الاعتدال:۱۴۴/۱، معرفۃ القراء الکبار:۱۷۳/۱]

البتہ ارضِ حجاز کے ہی ایک اور امام القراءۃ، جو امام بزی رحمہ اللہ کے تلمیذ اور امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ کے دوسرے معروف شاگرد ہیں سیدنا محمد قنبل رحمہ اللہ نے تکبیر کی روایت میں سیدنا بزی رحمہ اللہ کی متابعت کی ہے۔

امام بزی رحمہ اللہ سے تکبیر کے بارے میں راویوں کا اتفاق ہے، جبکہ امام قنبل رحمہ اللہ کی نسبت اختلاف مروی ہے۔اس سنت مبارکہ کو مغاربہ کے علاوہ اہل عراق نے نقل کیا ہے، جیسا کہ علامہ عبدالکریم بن عبدالصمد رحمہ اللہ کی دو تصنیفات یعنی الجامع فی القراء ات العشر اور التلخیص فی القراء ات الثمان میں، امام ابن سوار البغدادی رحمہ اللہ کی المستنیر میں، امام حسن بن علی اہوازی رحمہ اللہ کی الوجیز میں، امام ابوالعز القلانسی رحمہ اللہ کی الارشاد میں، علامہ سبط الخیاط البغدادی رحمہ اللہ کی الکفایۃ اور المبہج فی القرآء ات الثمان میں اور علامہ ابوالعلاء ہمدانی رحمہ اللہ کی الغایۃ میں مرقوم ہے۔

امام ابوالعباس مہدوی رحمہ اللہ نے الہدایۃ میں اور امام شاطبی رحمہ اللہ نے حرز الامانی (بیت نمبر ۱۱۳۳) میں امام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قنبل سے تکبیر وعدم تکبیر دونوں وجوہ نقل کی ہیں۔ اسی طرح امام دانی رحمہ اللہ نے المفردات میں سیدنا قنبل رحمہ اللہ سے دو وجوہ نقل کی ہیں۔ فرماتے ہیں:

''میں نے امام قنبل رحمہ اللہ سے تکبیر ابن مجاہد رحمہ اللہ کے طریق سے نہیں پڑھی، یعنی کسی اور طریق سے پڑھی ہے۔'' [النشر:۴۱۷/۲]

اہل عراق کے بالمقابل جمہور اہل مغرب کے ہاں امام قنبل رحمہ اللہ کے لئے تکبیر نہیں ہے، جیسا کہ علامہ دانی رحمہ اللہ کی التیسیر میں، امام ابوعبداللہ بن شریح رحمہ اللہ کی الکافی میں، علامہ اسماعیل بن خلف رحمہ اللہ کی العنوان میں، علامہ طاہر ابن غلبون رحمہ اللہ کی التذکرۃ میں، امام ابومحمد مکی القیسی رحمہ اللہ کی التبصرۃ میں، امام ابوعلی حسن بن خلف القیروانی رحمہ اللہ کی تلخیص العبارات میں، امام ابوعبداللہ محمد بن سفیان القیروانی رحمہ اللہ کی الھادی میں اور علامہ ابوالطیب ابن غلبون رحمہ اللہ کی الارشاد میں یہی مکتوب ہے۔

یاد رہے کہ امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ کے علاوہ بعض دیگر قراء کرام یعنی امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ کے راویٔ ثانی امام سوسی رحمہ اللہ سے اور امام ابوجعفر رحمہ اللہ کے راوی ابوعبداللہ العمری رحمہ اللہ سے بھی تکبیر وارد ہوئی ہے، بلکہ تکبیر تقریبا تمام قراء سے بطریق طیبہ ہی ثابت ہے۔ [فریدۃ الدھر:۵/۲] جیسا کہ ابوالفضل الرازی رحمہ اللہ، ابوالقاسم الھذلی رحمہ اللہ اور امام ابوالعلاء الھمدانی رحمہ اللہ، امام ابن حبش الدینوری رحمہ اللہ، امام ابوالحسین الخبازی رحمہ اللہ، امام ابوصفوان حمید الاعرج رحمہ اللہ، امام ابن محیصن رحمہ اللہ اور امام ابن شنبوذ رحمہ اللہ سے مروی ہے۔

تکبیر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ثابت ہے، جیسا کہ امام دانی رحمہ اللہ امام مجاہد رحمہ اللہ سے اپنی اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

''مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے تقریباً ۲۰ سے زائد مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر قرآن کریم ختم کیا اور وہ ہر مرتبہ مجھے ألم نشرح سے تکبیر کہنے کا حکم صادر کرتے۔'' [جامع البیان:۷۹۴]

امام دانی رحمہ اللہ اپنی اسناد کے ساتھ حنظلہ بن ابی سفیان رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ

''حنظلہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے عکرمہ بن خالد المخزومی رحمہ اللہ پر قراءات کی۔ جب سورہ والضحیٰ پر پہنچا تو انہوں نے ھیھا کہا۔ میں نے پوچھا کہ ھیھا کہنے سے آپ رحمہ اللہ کا کیا مقصود ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اکبر کہو، کیونکہ میں نے اپنے مشائخ کو دیکھا ہے کہ جب وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ پر قراءت کرتے تو وہ ان کو سورہ والضحی سے لے کر آخر تک تکبیر کا حکم دیتے۔'' [جامع البیان:۷۹۴]

امام دانی رحمہ اللہ اپنی اسناد کے ساتھ امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ کے ساتھی اور مقریٔ مکہ شِبل بن عباد رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ

''شبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے امام ابن محیصن رحمہ اللہ اور امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ کو دیکھا کہ جب وہ ألم نشرح پر پہنچتے تو ختم قرآن تک تکبیر کہتے اور فرماتے کہ ہم نے امام مجاہد رحمہ اللہ کو ایسے کرتے ہوئے دیکھا ہے، اور امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کا حکم دیتے تھے۔'' [جامع البیان:۷۹۳]

امام عبدالملک بن جریج رحمہ اللہ سے مروی ہے، وہ امام مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ

''امام مجاہد رحمہ اللہ سورہ والضحیٰ سے لے کر سورہ الفاتحہ (۴) تک تکبیر کہتے تھے۔'' [جامع البیان:۷۹۴]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میرے خیال میں امام یا غیر امام ہر دو تکبیر کہے۔'' [جامع البیان:۷۹۴]

امام سفیان بن عینیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں نے حمید الاعرج رحمہ اللہ کو لوگوں کی موجودگی میں دیکھا کہ وہ سورہ والضحیٰ سے لے کر آخر قرآن تک ہر سورہ کے آخر میں تکبیر کہتے تھے۔'' [جامع البیان:۷۹۵]

امام حمیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے تکبیر کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے صدقہ بن عبداللہ بن کثیر رحمہ اللہ کو ستر سال سے زیادہ امامت کرواتے ہوئے دیکھا، وہ جب بھی قرآن ختم کرتے تو تکبیرات کہتے۔'' [جامع البیان:۷۹۵]

امام حمیدی رحمہ اللہ سے ہی مروی ہے کہ

''ان کو محمد بن عمر بن عیسیٰ رحمہ اللہ نے اور ان کو ان کے باپ نے بتایا کہ انہوں نے رمضان المبارک میں لوگوں کو قرآن مجید سنایا تو امام ابن جریج رحمہ اللہ نے ان کو حکم دیا کہ سورہ والضحیٰ سے لے کر آخر تک اللہ اکبر کہو۔''

[جامع البیان:۷۹۵]

امام حمیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہمیں رمضان میں عمر بن عیسیٰ رحمہ اللہ نے نماز تراویح پڑھائی، جس میں انہوں نے سورہ والضّحیٰ سے لے کر آخر قرآن تک تکبیر کہی۔ کچھ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے امام ابن جریج رحمہ اللہ نے اسی طرح پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ امام حمیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے امام ابن جریج رحمہ اللہ سے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ انہیں میں نے ہی یوں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔'' [جامع البیان:۷۹۵]

امام قنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مجھے محمد بن عبداللہ بن یزید القرشی ابن المقری رحمہ اللہ نے بتایا کہ میں نے ابن شہید الحجبی رحمہ اللہ کو ماہ رمضان میں مقام ابراہیم کے پیچھے تکبیرات کہتے ہوئے سنا ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے والضحیٰ سے آخر تک پڑھا۔'' [جامع البیان:۷۹۵]

ابو محمد الحسن القرشی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ

''میں نے مسجد حرام میں مقام ابراہیم کے پیچھے لوگوں کو نماز تراویح پڑھائی۔ آخری رات میں نے سورہ والضُّحی سے لے کر اختتام قرآن تک تکبیرات پڑھیں۔ جب میں نے سلام پھیرا تو معلوم ہوا کہ فقہ کے معروف امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے بھی میرے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر کہا کہ آپ نے مستحسن کام کیا ہے اور سنت پر عمل کیا ہے۔'' [النشر:۴۲۵/۲]

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ حدیث بزی پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''یہ حدیث صحت کی متقاضی ہے اور اس کے اثبات میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہی کافی ہے، جب ان سے تکبیرات کے جواز کے سلسلہ میں سوال کیا گیا تو انہوں نے قراءۃ ابن کثیر مکی رحمہ اللہ پڑھنے والوں کو تکبیرات پڑھنے کی اجازت دی۔'' [تفسیر ابن کثیر: ۵۵۷/۴]

مؤلف کتاب (شیخ القراء قاری محمد ابراہیم میر محمدی حفظہ اللہ) فرماتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

’’حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی کلام، ابومحمد الحسن بن محمد القرشی المکی رحمہ اللہ کی خبر سے حجت لینے پر دلالت کرتی ہے اور یہ خبر تکبیر کی نماز میں مشروعیت پر دال ہے، جیسا کہ ابن جریج رحمہ اللہ کی کلام میں گذرا ہے۔‘‘

واضح رہے کہ امام عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے جس فتویٰ کا حوالہ دیا ہے وہ مجموع فتاویٰ جلد ۱۳، صفحہ ۴۱۹ پر موجود ہے۔

علاوہ ازیں توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ قراء کرام کے نزدیک تکبیرات کے مسنون ہونے کی بنیاد امام حاکم رحمہ اللہ کی المستدرك میں ذکر کردہ حدیث ہے یا قرآن کریم کی آیات وقراءات کے ساتھ تکبیرات کا تواتر نقل ہونا ہے۔ بلاشبہ یہ حدیث اور قرآن کریم کی اَسانید کے ساتھ تکبیرات کے منتقل ہونا دونوں ہی حجت ہیں۔ تکبیرات قرائے اہل مکہ اور ان سے روایت کرنے والوں کے نزدیک صحیح سند سے ثابت ہیں، جیسا کہ امام ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’قراء کرام کی منقولات میں تکبیرات اتنی عام اور مشہور ہیں کہ اپنی اَسانید کے اعتبار سے حدِ تواتر تک پہنچ چکی ہیں۔‘‘
[النشر: ۴۰۵/۲]

علامہ سلیمان الجمزوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’امام ترمذی رحمہ اللہ، امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ، خطیب بغدادی رحمہ اللہ، امام ابن صخر رحمہ اللہ، امام سیوطی رحمہ اللہ اور امام صنعانی رحمہ اللہ وغیرہ محدثین نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے کہ جب ضعیف حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہوجائے اور کسی زمانہ میں اس پر انکار نہ کیا گیا ہو تو وہ ان شرائط کے ساتھ قبولیت کے مقام پر فائز ہوجاتی ہے اور اپنی شہرت ومقبولیت کی بنا پر تتبع اَسانید سے مستغنی ہوجاتی ہے۔ [الفتح الرحمانی: ۲۲۳]

لہٰذا یہ سنت مبارکہ اپنے ثبوت میں اَحادیث اور اسنادِ محدثین کی محتاج نہیں۔

ڈاکٹر عبدالعزیز القاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’جب کسی خبر کی سند ضعیف ہو اور اس کے معنی کو تلقی بالقبول حاصل ہو تو اس کی سند کا ضعف اس کے معانی پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں علماء کا ایسی روایت پر تعامل اتفاقی ایک قوی قرینہ ہے، جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں تعامل اہل مکہ کو اس حدیث سے احتجاج کے لیے ایک قرینہ کے طور پر ذکر کیا۔ اس قاعدہ کی کئی دیگر مثالیں موجود ہیں، مثلاً امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی قضاء کے بارے میں مروی حدیث کو اہل علم نے تلقی بالقبول سے نوازا اور اس سے حجت لی۔ پس جس طرح حدیث: «لا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»، سمندر کے پانی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد: «هُوَ الطُّهُورُ مَاؤُهُ»، حدیث: «إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ فِي الثَّمَنِ وَالسِّلْعَةِ قَائِمَةٌ تَحَالَفَا وَتَرَادَّا الْبَيْعَ» حدیث: «الدِّيَةُ عَلَى العَاقِلَةِ» وغیرہ اپنی اسانید کی جہت سے ثابت نہیں ہیں، لیکن تمام اہل علم نے ہر زمانہ میں ان احادیث کو تلقی بالقبول کے ساتھ آگے نقل کیا ہے، چنانچہ اب یہ روایات اسناد سے قطع نظر بہرحال قابل احتجاج اور صحیح ہیں، اسی طرح حدیث معاذ رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے۔‘‘

[الفقیه والمتفقه: ۱۸۹/۱، سنن القراء: ص۲۲۴]

موصوف رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

’’حدیث تکبیرات کا معاملہ بھی مذکورہ اَحادیث ہی کی طرح ہے۔ صحت حدیث کے لیے یہ بھی ملحوظ رہے کہ ابن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عباس رضی اللہ عنہ سے تکبیرات موقوفاً ثابت بھی ہیں، لیکن اگر اس بارے میں کوئی اور حدیث نہ بھی وارد ہوتی تو بھی ثبوت کے لئے یہی تلقی بالقبول کافی تھا۔اس بات کو کیسے نظرانداز کیا جاسکتا ہے کہ تابعین مکہ نے تکبیرات کو نبی اکرمﷺ سے روایت کیا ہے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کی گفتگو سے اشارہ ملتا ہے۔ نیز اس بات سے قطع نظر کیسے کیا جاسکتا ہے کہ امام بزی رحمہ اللہ، سیدنا ابن کثیر مکی رحمہ اللہ تکبیرات کو نقل کرنے میں منفرد نہیں ہیں، بلکہ امام قنبل رحمہ اللہ اور امام القواس رحمہ اللہ نے ان کی متابعت کی ہے۔ مزید برآں امام ابن کثیر رحمہ اللہ بھی منفرد نہیں ہیں، کیونکہ امام ابوعمرو ابن العلاء رحمہ اللہ، امام ابوجعفر رحمہ اللہ یزید بن قعقاع رحمہ اللہ، امام ابن محیصن رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ دیگر بہت سے تابعین نے ان کی متابعت کی ہے۔'' [سنن القراء و مناهج المجودين: ص۲۲۴]

اس سلسلہ میں علامہ سلیمان الجمزوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس طرح امام بزی رحمہ اللہ کو حدیث میں ضعیف کہا گیا ہے، اسی طرح امام حفص رحمہ اللہ، امام دوری رحمہ اللہ اور امام حمزہ رحمہ اللہ پر بھی ضعف کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ان کا یہ ضعف حفظ وضبط کے قبیل سے تھا، نہ کہ ثقاہت وعدالت کا، لیکن علم حدیث میں ان کا ضعیف ہونا علم قراءات میں قابل طعن نہیں، کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کو قرآن کریم کے ساتھ مشغول کردیا تھا اور باقی علوم سے اپنی توجہ کو سمیٹ لیا تھا، جیسا کہ بعض محدثین علم حدیث میں تو ماہرین تھے، جبکہ علم قراءات کے حوالے سے ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ یہی حالت ہر اس شخص کی ہوتی ہے جو اپنے آپ کو کسی ایک فن کے ساتھ وابستہ کرلیتا ہے۔'' [الفتح الرحمانی: ۲۲۳]

اس سلسلہ میں امام ذہبی رحمہ اللہ کا قول بھی قابل توجہ ہے، فرماتے ہیں:

''قراء کرام کی ایک جماعت علم تجوید وقراءات میں پختہ اور ثقاہت کے معیار پر ہے، لیکن علم حدیث میں وہ ثابت شدہ نہیں، جیسا کہ امام نافع رحمہ اللہ، امام کسائی رحمہ اللہ اور امام حفص رحمہ اللہ وغیرہ کا معاملہ ہے۔ یہ لوگ علم قراءات کی تحقیق میں کمال پر فائز رہے، لیکن یہ کمال علم حدیث میں انہیں حاصل نہیں تھا اور عین یہی معاملہ بعض اہل الحدیث کا ہے کہ وہ علم حدیث میں متقن ہیں، لیکن علم تجوید وقراءات میں ضعیف ہیں اور تمام علوم کے ماہرین میں یہ امر بالکل فطری ہے کہ جو ایک فن میں مضبوط ہو، بسا اَوقات دوسرے فن میں ایسا نہیں ہوتا۔''[1] [سير أعلام النبلاء: ۱۱/۵۴۳]

مبحث چہارم: تکبیر کس سے منقول ہے؟

یہ جان لیجئے کہ بقول ابن جزری رحمہ اللہ تکبیر مکی قراء وعلماء اور ان سے روایت کرنے والوں کے نزدیک صحیح سند سے ثابت ہے اور اپنی شہرت اور استفاضہ کی بناء پر تواتر کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ اختتام قرآن کے موقع پر نماز وغیر نماز میں اس کو پڑھنا مسنون ہے۔ امام شاطبی رحمہ اللہ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(رِوَى الْقَلْبِ ذِكْرُ اللهِ)إلىٰ قولـه(وَفِيهِ عَنِ الْمَكِّيِّنَ تَكْبِيْرُهُمْ مَعَ الْخَوَاتِمِ قُرْبَ الْخَتْمِ يُرْوٰى مُسَلْسَلا) [متن شعر ۱۱۲۱ تا ۱۱۲۶]

مکی قراء کے علاوہ ائمہ کے نزدیک بھی یہ صحیح سند سے ثابت ہے، مگر ان کے نزدیک اس کی شہرت اس پر عمل کرنے کے اعتبار سے ہے، جیسا کہ سید علی الصفاقسی رحمہ اللہ کا فرمانا ہے۔ [غيث النفع: ۳۸۹]

امام دانی رحمہ اللہ اس بات کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

''نبی اکرمﷺ ہجرتِ مدینہ سے پہلے اس پرعمل کیا کرتے تھے، ان کے علاوہ کوئی اس پر عمل نہیں کرتا تھا، اس وجہ سے اس کو مکی قراء وعلماء نے نقل کیا ہے۔'' [جامع البیان:ص۷۹۷]

اگر کوئی معترض یوں کہے کہ جب نبی اکرمﷺ نے ہجرت کی اور آپﷺ کے صحابہ پہلے ہی ہجرت کر چکے تھے، تو دارِکفر مکہ میں کون قرآن کریم کی تلاوت کرتا اور اس پر عمل کرتا تھا؟

اس بات کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ مکہ میں کمزور مسلمان باقی رہ گئے تھے، جس کی طرف اللہ نے ان آیات میں اشارہ کیا ہے: ﴿وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ...... الآية﴾[النساء :۷۵] اور ﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ... الآية﴾[الفتح :۲۵]

ان پیچھے رہ جانے والوں میں ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے، جن سے تکبیر مروی ہے۔[غیث النفع :۳۸۹]

اہل اَدا کا امام بزی رحمہ اللہ کے لئے صرف تکبیر پڑھنے پر اتفاق ہے، اگرچہ سیدنا قنبل رحمہ اللہ کے لئے تکبیر اور عدم

① علم حدیث اور علم تجوید وقراءات میں ضبط کا معیار اور پیمانہ ہی مختلف ہے کہ علم حدیث میں ضعیف الحفظ حضرات کو علم تجوید وقراءات میں ضعیف الحفظ خیال کیا جائے۔ علم حدیث 'مراد الٰہی' کی روایت سے عبارت ہے، جس میں روایت بالمعنی کی گنجائش ہے، جبکہ علم القراءات الفاظ الٰہی سے تعلق رکھتا ہے، جس میں روایت باللفظ شرط ہے۔ روایت بالمعنی کی گنجائش کی وجہ سے ایک عادل اور بہتر حافظے والا شخص ایک دفعہ بات سن لے تو اسے اپنے الفاظ میں آگے بیان کرسکتا ہے، جبکہ روایت باللفظ میں مضبوط حافظے والے کافی سارے افراد کا مل کر حفاظتِ کلمات کرنا بھی مشکل ہے۔ اسی لیے روایتِ قرآن کے لیے اُصولی تواتر ضروری قرار دیتے ہیں، جبکہ حفاظتِ کلمات کے لیے تعامل اُمت اتفاقی طور پر یہ جاری رہا ہے کہ حلقات کی صورت میں قرآن مجید کو حفظ کروایا جاتا ہے۔ ایک ایک آیت کو جس طرح طلبائے حفظ محنت سے بیسیوں بار بغیر معنی سمجھے تکرار کے ذریعے حفظ کرتے ہیں، وہی ضبطِ قرآن کا عملی نمونہ قرار پا چکا ہے۔ مشاہدہ یہ ہے کہ ضعیف حافظہ والے طلبہ کو ایک آیت یاد کرنے میں جس قدر زیادہ محنت درکار ہوتی ہے، اسی قدر حفظ میں پختگی ہوتی ہے، جبکہ سریع الضبط جس قدر جلد حفظ کرتا ہے، اسی قدر جلد بھول جاتا ہے۔ گویا روایتِ قرآن میں حفظ کا اصل معیار ہی یہ ہے کہ یہاں رٹا لگا کر ایک شے یاد کی جاتی ہے، جبکہ روایت سنت میں یہ اُسلوب سرے سے مفقود ہے۔ الغرض وہ لوگ جو عام علوم بشمول علم حدیث میں حافظہ کے اعتبار سے حد درجہ ضعیف ہوتے ہیں، وہی ضبطِ قرآن میں مضبوط حافظہ والوں سے زیادہ پختہ ہوتے ہیں، بلکہ اردو زبان میں تو اب یہ محاورہ بن گیا ہے کہ نابینا افراد کو 'حافظ صاحب' کے نام سے بلایا جاتا ہے اور انکا حفظ معیاری ترین سمجھا جاتا ہے۔

مؤلف موصوف کا علامہ سلیمان الجمزوری رحمہ اللہ اور امام ذہبی رحمہ اللہ وغیرہ کے اَقوال پیش کرنے سے مقصود بھی یہی ہے کہ ائمہ عشرہ اور ان کے جلیل القدر رواۃ نے اپنی تمام تر توجہ علم تجوید وقراءات کی طرف مبذول کرلی تھی، حتی کہ ان کے پاس اتنی فرصت نہیں تھی کہ دیگر علوم میں اشتغال فرماتے۔ اس بارے میں جو حضرات تحقیق کرنا چاہیں کہ ان ائمہ کا قرآن کریم سے کیسا تعلق تھا؟ انہیں چاہیے کہ علم تجوید وقراءات اور علم الحدیث کی تراجم رواۃ کی کتابوں کو کھنگالیں۔ معلوم ہوگا کہ ہمارے ہاں حلقاتِ تحفیظ میں دو تین سال وقت صرف کرنے والے طالب علم کے بالمقابل ان کی زندگی کے جمیع اَیام اور ہر دن کے تمام لمحات کس طرح قرآن کریم کی تعلیم وتعلّم اور تلاوت کے لیے مخصوص تھے۔ چنانچہ علم تجوید وقراءات میں ان کا ضعیف الضبط ہونا تو ایک طرف، اس علم میں ان کا شمار قوی ترین حافظے والوں میں سے ہوتا تھا کہ قرآن کریم کا ایک ایک کلمہ اور ایک ایک حرف تمام نقاط اور حرکات وسکنات کے ان کے نوکِ زبان تھا، جس کی مثال شاید امام بخاری رحمہ اللہ کے ضبط فی الحدیث سے دینا ممکن ہو۔ مزید تفصیل 'تعارف علم القراءات' مضمون میں دیکھی جاسکتی ہے۔ [مدیر]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تکبیر دونوں مروی ہیں۔اہل مغرب امام بزی رحمہ اللہ کے لئے بھی عدم تکبیر کے قائل ہیں، جیسا کہ التیسیر اور دوسری کتب میں موجود ہے۔بعض اہل مغرب اور اہل عراق سیدنا بزی رحمہ اللہ کے لئے تکبیر کے قائل ہیں، جبکہ بعض تکبیر اور عدم تکبیر دو وجوہ نقل کرتے ہیں اور اسی پر عمل ہے۔[غیث النفع:۳۸۹] امام شاطبی رحمہ اللہ نے بھی دو وجوہ نقل فرمائی ہیں۔[الشاطبیۃ: بیت نمبر ۱۱۳۳]

امام بزی رحمہ اللہ اور امام قنبل رحمہ اللہ کے علاوہ بعض دیگر قراء سے بھی تکبیر ثابت ہے، لیکن شاطبیہ اور التیسیر کے طریق سے تکبیر صرف امام بزی رحمہ اللہ اور امام قنبل رحمہ اللہ کے لئے ہی خاص ہے، البتہ سیدنا قنبل رحمہ اللہ سے عدم تکبیر بھی مروی ہے۔ [البدور الزاھرۃ:۳۵۱،غیث النفع:۳۸۵]

نوٹ: فصل سوم میں بھی اس فصل سے متعلق بہت سی تفصیلات ذکر کی گئی ہیں۔

مبحث پنجم: تکبیرات کے الفاظ اور محل کا بیان

جمہور کے نزدیک تکبیرات کے الفاظ سیدنا بزی رحمہ اللہ کے لئے صرف 'اللہ اکبر' ہیں اور وہ تکبیر سے ماقبل تہلیل اور مابعد تحمید نقل نہیں کرتے۔ نیز جن کے ہاں سیدنا قنبل رحمہ اللہ کے لئے بھی تکبیر ثابت ہے، وہ امام قنبل رحمہ اللہ کے لئے بھی تکبیر پڑھتے ہیں اور اسی کی طرف امام شاطبی رحمہ اللہ نے (وَقُلْ لَفْظُهٗ اللهُ أَكْبَرُ)[متن شعر:۱۱۳۲] کہہ کر اشارہ فرمایا ہے۔

بعض علما نے تکبیر سے پہلے تہلیل کا اضافہ نقل کیا ہے۔اس صورت میں الفاظ یوں ہوں گے: لَآ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ۔اس طرف امام شاطبی رحمہ اللہ اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَقُلْ لَفْظُهٗ اللهُ أَكْبَرَ وَقَبْلَهٗ
لِأَحْمَدَ زَادَ ابْنُ الْحُبَابِ فَهَلَّلَا
وَقِيْلَ بِهٰذَا عَنْ أَبِي الْفَتْحِ فَارِسٍ
وَعَنْ قُنْبُلٍ بَعْضٌ بِتَكْبِيْرِهٖ تَلَا

[متن شعر:۱۱۳۲۔۳۳]

امام ابن الحباب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں نے سیدنا بزی رحمہ اللہ سے تکبیر کے الفاظ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواباً فرمایا: لَا إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ۔'' [النشر:۴۳۰/۲]

بعض نے تکبیر کے بعد تحمید کے الفاظ کا بھی اضافہ کیا ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب آپ قرآن مجید کی مفصل سورتوں کی تلاوت کریں تو تکبیر اور تحمید پڑھیں، جس کے الفاظ یوں ہوں گے: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

تکبیر کے بعد تحمید کا اضافہ کرنا علامہ ابو طاہر عبدالواحد بن ابو ہاشم رحمہ اللہ کا طریق ہے، جو ابن الحباب رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں اور ابن صباح رحمہ اللہ امام قنبل رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ سیدنا بزی رحمہ اللہ اور سیدنا قنبل رحمہ اللہ کے لئے تکبیر سے پہلے تہلیل اور بعد میں تحمید طریق

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاطبیہ وتیسیر سے ثابت نہیں، بلکہ یہ دوسرے طرق سے ثابت ہے، لیکن اہل فن نے ختم قرآن کی مناسبت سے بطورِ برکت اور بطورِ لذت تکبیر کے ساتھ ہر ثابت شے کو پڑھنا شروع کردیا۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ سیدنا قنبل رحمہ اللہ کے لئے تحمید شاطبیہ، تیسیر اور نشر کسی طریق سے ثابت نہیں، لہٰذا امام قنبل رحمہ اللہ کے لئے اولیٰ یہی ہے کہ فقط تکبیر پر اکتفا کیا جائے یا زیادہ سے زیادہ تہلیل ملالی جائے، لیکن تحمید ملانا منع ہے۔

مزید برآں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ بین اللّیل والضحیٰ تحمید کسی قاری کے لئے بھی ثابت نہیں ہے، کیونکہ جو قراء کرام ان دونوں سورتوں کے علاوہ میں تحمید پڑھتے ہیں، وہ بھی اس جگہ تحمید نہیں پڑھتے، جیسا کہ بعض کا قول ہے:

بدء الضحیٰ یترك وجه الحمد له
لأنَّ صاحبه منه أهمله

[البدور الزاهرة:۳۵۱، حلّ المشکلات:۱۰۳تا۱۰۵]

تکبیر کا محل

تکبیر بسم اللہ سے پہلے پڑھی جائے گی، برابر ہے کہ سورہ کے شروع سے ابتداء کی جائے یا ایک سورہ کو دوسری سورہ کے ساتھ ملایا جائے۔ اس وجہ سے سورہ توبہ کے شروع میں تکبیر منع ہے، کیونکہ اس کے شروع میں بسم اللہ ہی ثابت نہیں ہے، خواہ سورہ توبہ سے ابتداء کی جائے یا سورہ انفال کو سورہ توبہ سے ملایا جائے۔

[هدایة القاری:۵۹۲]

یاد رہے کہ سورہ توبہ کے شروع میں تکبیر کی ممانعت کا مسئلہ اس مذہب کے مطابق ہے جس میں تکبیر سورہ فاتحہ سے لے کر آخر قرآن تک ثابت ہے۔ اس مذہب کو امام ہذلی رحمہ اللہ نے الکامل میں اور امام ابوالعلاء رحمہ اللہ نے الغایة میں نقل کیا ہے۔ سورہ براء ۃ کے شروع میں تکبیر نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تکبیر اور بسم اللہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ یہاں چونکہ بسم اللہ نہیں، لہٰذا تکبیر بھی نہیں ہے۔ علامہ علی الضباع رحمہ اللہ اسی طرف اِشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وبعضُهم کبَّرَ فی غیرِ براءۃٍ
وترکُه لجمهورٍ جرٰی

[هدایة القاری بتصرف:ص۵۹۳]

اہم فوائد

❶ لا إله إلا الله میں مدِ منفصل پر امام بزی رحمہ اللہ اور امام قنبل رحمہ اللہ دونوں کے لئے قصر اور توسط دونوں بلافصل پڑھے جائیں گے۔ یہاں توسط مدِ تعظیمی کے طور پر پڑھا جاتا ہے، اگرچہ تعظیم کے لئے توسط کرنا شاطبیہ وتیسیر کے طرق سے ثابت نہیں اور نشر کے طریق سے ثابت ہے، لیکن چونکہ اختتامِ قرآن کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ وہ تعظیم و تکریم کا تقاضا کرتی ہے، لہٰذا ایک کتاب کے طریق سے دوسری کتاب کے طریق کو اختیار کرنا جائز ہے تا کہ اللہ کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عظمت و بڑائی کا کما حقہ اظہار ہو سکے۔

[البدور الزاھرۃ:۳۵۴،حلّ المشکلات:۱۰۴]

❷ تحمید اور تہلیل کو تکبیر کے ساتھ ملا کر پڑھنے کے دو طریقے ہیں:

① قاری فقط تہلیل کو تکبیر پر مقدم کر کے پڑھے، جیسے لا إله إلا الله والله أكبر

② قاری تہلیل کو تکبیر پر مقدم کرتے ہوئے آخر میں تحمید کو پڑھے، جیسے لا إله إلا الله والله أكبر ولله الحمد

دونوں صورتوں میں تہلیل اور تحمید کا تکبیر سے فصل اور مذکورہ الفاظ کو مذکورہ ترتیب کے ساتھ ایک ہی سانس کے اندر اندر ادا کیا جائے گا۔

حافظ ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب تہلیل کو تکبیر سے پہلے اور بعد میں تحمید کو پڑھا جائے تو اس کا حکم اکیلی تکبیر کی طرح ہے، یعنی ان کو جدا جدا نہیں کیا جا سکتا بلکہ ملا کر پڑھا جائے گا۔ روایات میں اسی طرح آیا ہے اور اس میں کسی سے کوئی اختلاف مروی نہیں۔ مزید برآں فقط تحمید تکبیر کے ساتھ پڑھنا بھی جائز نہیں، بلکہ اس سے پہلے تہلیل ملانا ضروری ہے۔ روایات میں اسی طرح منقول ہے۔''[النشر:۴۳۶/۲،۴۳۷ بالاختصار]

اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ منصوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تهليلا التكبيرُ	مع حمدلة
رَتِّبْ ولا	تفصله للرّواية
ولا يجوز الحمد	مع تكبير
إلا مع	التهليل للتقدير

[ھدایۃ القاری:۶۰۸ تا ۶۱۰ بالاختصار]

مبحث ششم: نماز میں تکبیر پڑھنے کا حکم

جان لیں کہ جس طرح تکبیر خارج نماز میں سنت ہے، اسی طرح نماز کے اندر بھی سنت ہے۔[ھدایۃ القاری:۶۱۷] اس سلسلہ میں امام ابوعمرو دانی رحمہ اللہ، امام ابوالعلاء ہمدانی رحمہ اللہ، استاذ ابوالقاسم بن فحام رحمہ اللہ، علامہ ابوالحسن سخاوی رحمہ اللہ، علامہ ابوشامہ دمشقی رحمہ اللہ جیسے ماہرین فن نے سیر حاصل بحث کی ہے اور اسے متقدمین قراء کرام اور فقہائے عظام کے اَقوال سے پیش کیا ہے۔

[النشر:۴۲۴/۲،محقق نے اَسانید کے ساتھ اس کے ثبوت کو پیش فرمایا ہے]

حافظ ابن جزری رحمہ اللہ اپنی مفصل سند کے ساتھ امام عبدالحمید بن جریج رحمہ اللہ سے اور وہ امام مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ سورہ والضحی سے لے کر سورۃ الناس تک تکبیر کہتے تھے۔[سنن القراء:۲۱۹]

امام ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میرے خیال میں امام یا غیر امام ہر دو تکبیرات کہے۔''[النشر:۴۲۵/۲،الاتحاف:۶۴۷/۲]

امام حمیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں نے سفیان بن عینیہ رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ ابومحمد! ہمارے پاس بعض دفعہ نمازی جب رمضان میں اختتام کو پہنچتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہے تو وہ تکبیر کہتا ہے، اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں صدقہ بن عبداللہ بن کثیر رحمہ اللہ کو ۷۰ سال سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ جب بھی اختتام قرآن کرتے ہیں تو آخر میں تکبیر کہتے ہیں۔''
[النشر:۴۲۵/۲،الاتحاف:۶۴۷/۲، سنن القراء:۲۲۰]

امام حمیدی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ
''ان کو محمد بن عمر بن عیسیٰ رحمہ اللہ نے بتایا کہ میرے والد گرامی نے مجھے خبر دی کہ انہوں نے ماہ صیام میں نماز کے اندر سورۃ الناس پڑھی، تو ان کو امام ابن جریج رحمہ اللہ نے حکم دیا کہ سورہ والضّحیٰ سے آخر قرآن کریم تک تکبیر کہا کرو۔''[النشر:۴۲۵/۲،سنن القراء:۲۲۰]

امام حمیدی رحمہ اللہ سے ہی مروی ہے کہ
''میں نے عمر بن سہل رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ میں نے عمر بن عیسیٰ رحمہ اللہ کے پیچھے رمضان المبارک میں قیام اللیل کیا تو انہوں نے سورہ والضحی پر تکبیر کہی۔بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے امام ابن جریج رحمہ اللہ نے تکبیر کا حکم دیا ہے، چنانچہ ہم نے امام ابن جریج رحمہ اللہ سے سوال پوچھا تو انہوں نے کہا کہ واقعی میں نے ہی حکم دیا ہے۔''[النشر:۴۲۵/۲، سنن القراء:۲۲۱]

امام سخاوی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ابومحمد الحسن القرشی رحمہ اللہ کا قول ذکر فرمایا ہے کہ
''میں نے رمضان میں لوگوں کو مسجد حرام میں نماز تراویح پڑھائی۔ جب میں سورہ والضحی پر پہنچا تو میں نے سورہ والضحیٰ سے لے کر آخر قرآن تک تکبیر کہی۔ جب میں نے سلام پھیرا تو میرے پیچھے امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ تھے۔انہوں نے بھی میرے پیچھے نماز پڑھی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ آپ نے بہت عمدہ کام اور سنت پر عمل کیا ہے۔[النشر:۴۲۵/۲، الاتحاف:۶۴۷/۲،سنن القراء:۲۲۳]

امام قنبل رحمہ اللہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:
''مجھے ابن المقرئ رحمہ اللہ نے خبر دی، انہوں نے ابن الشہید الحجبی رحمہ اللہ کو سنا کہ وہ رمضان المبارک میں مقام ابراہیم کے پیچھے نماز کے اندر تکبیر کہتے تھے۔''[النشر:۴۲۶/۲،سنن القراء:۲۲۱]

امام اہوازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''تکبیر اہل مکہ کے تعامل میں سنت ماثورہ کے طور پر جاری رہی ہے، جسے وہ اپنے دروس اور نمازوں میں پڑھتے تھے۔''[النشر:۴۱۰/۲]

حافظ ابوعمرو دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''امام ابن کثیر رحمہ اللہ (القواس رحمہ اللہ اور بزی رحمہ اللہ کے طریق کی رو سے) نماز میں سورہ والضحیٰ سے لے کر آخر تک تکبیر پڑھا کرتے تھے۔''[النشر:۴۱۱/۲]

حافظ ابن جزری رحمہ اللہ النشر میں ایک لمبی گفتگو کرنے کے بعد فرماتے ہیں:
''نماز میں تکبیر فقہائے اہل مکہ اور دیگر علماء سے ثابت ہوچکی ہے،خصوصاً امام شافعی رحمہ اللہ،سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ، ابن جریج رحمہ اللہ اور ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ کا عمل ہمارے لئے ثبوت کے طور پر کافی ہے۔''

[النشر:۴۲۶/۲]

امام ابن جزری رحمہ اللہ اپنے مذکورہ کلام کے بعد فرماتے ہیں:
''میں نے بہت سارے شیوخ کو دیکھا کہ وہ تکبیر کو نماز میں پڑھتے تھے اور رمضان کی راتوں میں نماز تراویح پڑھانے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والوں کو اس کا حکم دیتے تھے۔'' [النشر: ۴۲۷/۲]

موصوف رحمہ اللہ مزید رقم طراز ہیں:

''جب اللہ کے فضل خاص سے مجھے مکہ کے پڑوس میں رہنے کا موقع ملا تو میں نے دیکھا کہ جس نے بھی مسجد الحرام میں نماز تراویح پڑھائی وہ سورہ والضحی سے لے کر آخر تک تکبیر کہتا، لہٰذا میں نے سمجھ لیا کہ یہ سنت اہل مکہ کے تعامل میں تاحال جاری ہے۔'' [النشر: ۴۲۸/۲]

امام جزری رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فقہی مذاہب پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''امام شاطبی رحمہ اللہ سے تکبیر ثابت ہوجانے کے باوجود اکثر شوافع کی کتب میں تکبیر کے بارے کوئی نص نہیں ملتی۔ شوافع میں سے اس کو تفصیلاً نقل کرنے والے امام ابوالحسن سخاوی رحمہ اللہ، امام ابواسحاق الجعبری رحمہ اللہ ہیں۔ علامہ ابوشامہ رحمہ اللہ، جو اکابر اصحاب شوافع میں سے تھے اور مرتبہ اجتہاد پر فائز تھے، نے بھی اس باب میں مفصلا بحث کی ہے۔ اسی طرح ہمیں شیخ الشافعیہ امام ابو الثناء محمود بن محمد بن جملہ رحمہ اللہ سے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ تکبیر پڑھنے کا فتویٰ دیتے تھے اور کبھی کبھار تراویح میں اس پر عمل بھی کرتے تھے۔'' [النشر: ۴۲۷/۲]

حافظ ابن جزری رحمہ اللہ اس سلسلہ میں ایک واقعہ ذکر فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ ایک بچے نے نماز تراویح میں اختتام قرآن کے موقع پر معمول کے مطابق تکبیر کہہ دی، جس پر بعض شوافع نے اعتراض کر دیا کہ یہ درست نہیں ہے، چنانچہ امام زین الدین عمر بن مسلم القرشی رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ ایسا کرنا درست ہے اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ سے ثابت ہے، جس کو امام سخاوی رحمہ اللہ اور علامہ ابوشامہ رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد میں نے شیخ الاسلام ابوالفضل عبدالرحمن بن احمد الرازی الشافعی رحمہ اللہ کی کتاب الوسیط میں دیکھا کہ اس میں نماز کے اندر تکبیر پڑھنے کی نص موجود ہے۔'' [النشر: ۴۲۷/۲]

الاتحاف میں مذکور ہے:

''میں کہتا ہوں کہ جیسا کہ خاتمة المجتھدین امام محمد البکری رحمہ اللہ صاحب الکنز سے اس کے بعض جلیل القدر اصحاب نے نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ ہے کہ نماز کے اندر سورہ والضحی سے لے کر آخر قرآن تک لا إله إلا الله والله أكبر ولله الحمد پڑھنا اسی طرح مستحب ہے جیسے خارج نماز میں مستحب ہے، جس کا مقصود اللہ کی حمد اور بڑائی بیان کرنا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں کے منہ میں خاک پھینکنا ہے۔'' [۶۴۸/۲]

اس کے بعد امام ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''باوجود تتبع اور تلاش کے میں اپنے اصحاب یعنی شافعیہ کی کتب میں (چند ایک مذکورہ مثالوں کے علاوہ) تکبیر کے بارے میں کچھ نہیں پاسکا اور یہی حالت حنفی اور مالکی فقہاء کی ہے۔ البتہ حنابلہ میں سے امام ابوعبداللہ محمد بن مفلح رحمہ اللہ نے اس موضوع پر اپنی کتاب الفروع میں بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کیا سورہ والضّحی سے لے کر آخر قرآن تک تکبیر کہی جائے گی؟ اس میں حنابلہ سے دو روایتیں مروی ہیں، البتہ حنابلہ کی عمومی رائے یہی ہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے علاوہ کسی کی قراءت میں بھی تکبیر نہ پڑھی جائے، کیونکہ روایت کی رو سے مروی ہی ان سے ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ ابن کثیر کی قراءت میں تہلیل بھی پڑھی جائے گی۔''

[النشر: ۴۲۸/۲]

فضیلة الشیخ عبدالفتاح السید عجمی المرصفی رحمہ اللہ محقق کی مذکورہ رائے پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حافظ ابن جزری رحمہ اللہ کے دعویٰ کہ میں شافعیہ کی کتب میں تکبیر کے بارے میں کچھ نہیں پاسکا، سے مراد دراصل مذکورہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

چند آئمہ شافعیہ یعنی سخاوی رحمہ اللہ ، جعبری رحمہ اللہ ، ابوشامہ رحمہ اللہ اور رازی رحمہ اللہ وغیرہ کے ماسویٰ دیگر شوافع کی کتب ہیں۔ گویا ان ائمہ کی کتب ہی میں صرف یہ بحث موجود ہے۔'' [هداية القاری:٦١٨]

امام ابن جزری رحمہ اللہ تکبیرات کے ثبوت کے حوالے سے مفصل بحث کے اختتام پر منکرین تکبیر کے بارے میں تاسف کا اظہار کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

''افسوس تو ان لوگوں پر ہے جو نبی اکرمﷺ، صحابہ کرامؓ، تابعین عظام سے اس تمام بحث اور ثبوت کے باوجود بھی تکبیر کے منکر ہیں۔'' [النشر:٢/٤٢٨]

امام ابن جزری رحمہ اللہ کی مذکورہ گفتگو سے چند اہم مسائل سامنے آتے ہیں:

① تکبیر سنت ماثورہ ہے، جو نماز اور خارج نماز دونوں حالتوں میں عام ہے اور اہل مکہ وفقہائے اَمصار سے اس پر نمازِ تراویح اور قیام اللیل وغیرہ میں عمل ثابت ہے۔

② فقہی مذاہب میں سے شوافع کے نزدیک تکبیر کو نماز میں پڑھا جا سکتا ہے، جبکہ حنفیہ اور مالکیہ سے اس بارے میں کوئی نص ثابت ہی نہیں۔ حنابلہ سے اس بارے میں تکبیر و عدم تکبیر دونوں روایات منقول ہیں، لیکن ان کے نزدیک سیدنا ابن کثیر رحمہ اللہ کے علاوہ کسی قاری کے لئے تکبیر کہنا غیر مستحب ہے۔ بعض لوگ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے لئے تکبیر کے ساتھ تہلیل کے جواز کے بھی قائل ہیں۔

③ نبی مکرمﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے تکبیر کے ثابت ہوجانے کے بعد انکار کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ [هداية القاری:٦١٨]

علامہ احمد البناء الدمیاطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نماز کے اندر تکبیر کا پڑھنا مستحب ہے، خواہ اختتامِ قرآن کا موقع ہو یا نماز کے اندر آخری سورتوں میں سے کسی ایک سورہ کو پڑھا گیا ہو، مثلاً سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص کو دو رکعتوں میں پڑھا جائے تو تکبیر کہی جائے اور اس کی دلیل وجہ واضح ہے۔ [الاتحاف:٢/٦٤٨]

علامہ احمد البناء الدمیاطی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''جن سے نماز میں تکبیر ثابت ہے، ان میں سے بعض کا طریقہ کار یہ تھا کہ جب وہ سورۃ الفاتحہ کی قراءت کر لیتے تو پہلے اللہ اکبر کہتے، پھر بسم اللہ پڑھتے اور اس کے بعد اور سورہ کو شروع کرتے۔ اس کے بالمقابل دیگر بعض کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ ہر سورہ کے آخر میں تکبیر کہتے، اس کے بعد رکوع کے لئے جھکتے اور رکوع کی تکبیر کہتے، حتیٰ کہ سورۃ الناس ختم کر دیتے اور جب دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو سورہ فاتحہ پڑھتے اور کچھ سورۃ البقرہ کے شروع سے۔ المختصر بعض ابتدائے سورہ میں تکبیر پڑھتے اور بعض انتہائے سورہ کے لحاظ سے تکبیر کہتے۔'' [الاتحاف:٢/٦٤٩]

امام جزری رحمہ اللہ النشر الکبیر میں فرماتے ہیں:

''ہمارے بعض شیوخ کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ نمازِ تراویح پڑھاتے پڑھاتے جب سورہ والضحیٰ پر پہنچتے تو رُک جاتے، پھر سورہ والضحی سے لے کر آخر تک ایک ہی رکعت میں قیام کرتے اور ہر سورۃ کے آخر میں تکبیر کہتے۔ جب سورۃ الناس ختم ہوجاتی تو اس کے آخر میں تکبیر کہتے اور اس کے بعد رکوع کے لئے علیحدہ تکبیر کہتے۔ اس کے بعد دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد کچھ سورۃ البقرہ پڑھتے تھے۔ بقول ابن جزری رحمہ اللہ میں نے بھی کئی مرتبہ ایسے کیا، جب میں دمشق اور مصر وغیرہ میں امامت کرواتا تھا۔ جو تراویح میں تکبیر کہتے تھے، وہ ہر سورہ کے آخر میں پہلے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اللہ اکبر کہتے، اس کے بعد رکوع کے لئے علیحدہ تکبیر کہتے تھے۔ اوران میں سے بعض جب سورۃ الفاتحہ پڑھ لیتے اور نئی سورہ کا ارادہ ہوتا تو تکبیر کہہ کر بسم اللہ پڑھنے کے بعد سورہ کی ابتداء کرتے۔ [النشر: ۴۲۷/۲]

نوٹ: نماز میں تکبیر کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ سری ہوگی یا جہری؟ یا تکبیر نماز کے سری وجہری ہونے کے تابع ہے؟ اس بارے میں کئی اقوال ہیں۔ [ھدایۃ القاری: ۶۱۹]

امام محمد البکری رحمہ اللہ صاحب الکنز فرماتے ہیں:

"یہ زیادہ لائق ہے کہ تکبیر کو مطلقاً سری پڑھا جائے اور رکوع سے پہلے کا سکتہ تکبیر کے بعد ہو۔"
[الاتحاف: ۶۴۸/۲]

اس مذہب کو فضیلۃ الشیخ علامہ عبدالفتاح القاضی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے، فرماتے ہیں:

"احسن بات یہی ہے کہ تکبیر نماز میں سری ہو، خواہ نماز جہری ہو یا سری۔" [البدور الزاھرۃ: ۳۵۱]

امام بکری رحمہ اللہ کی رائے کے خلاف علامہ ابن العماد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ بین السورتین تکبیر کو جہراً پڑھا جائے۔ وہ تکبیر کے جہری یا سری ہونے کو نماز وغیرہ کے ساتھ مقید نہیں کرتے۔ اسی طرح امام ابن حجر الھیثمی رحمہ اللہ نے بھی شرح الکتاب میں البدر زرکشی رحمہ اللہ سے ایسے ہی نقل کیا ہے اور اس پر زور دیا ہے کہ یہی صحیح ہے۔
[الاتحاف: ۶۴۸/۲]

ہمارے شیخ المشائخ علامہ المرصفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک تکبیر کا نماز کے تابع ہونا زیادہ راجح ہے، چنانچہ جہری نماز میں جہری تکبیر اور سری میں سری تکبیر پڑھنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم" [ھدایۃ القاری: ۶۱۹]

فائدہ: خراسان کے امام القراء ابوالحسن علی بن احمد نیشاپوری رحمہ اللہ اپنی کتاب الارشاد فی القراءت الاربع عشرۃ میں فرماتے ہیں کہ نماز میں تکبیر کہنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ سیدنا ابن کثیر مکی رحمہ اللہ کی قراءت میں صرف تکبیر کے بجائے تکبیر مع تہلیل کہے، تاکہ تکبیر رکوع کی تکبیر سے ملتبس نہ ہوجائے۔
[النشر: ۴۲۶/۲]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قاری حبیب الرحمٰن ☆

مروّجہ محفل قراءت......ناقدانہ جائزہ

قرآن کریم کی تلاوت اور فن تجوید وقراءات کو فروغ دینے کے لئے قومی و بین الاقوامی سطح پر محافل قراءات کا انعقاد ایک عمدہ پیش رفت ہے، لیکن اس سلسلہ میں آداب تلاوت قرآن کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ اس ضمن میں گزشتہ شمارے میں ''قرآن کریم کو قواعد موسیقی پر پڑھنے کی شرعی حیثیت'' کے حوالے سے قاری فہد اللہ مراد حفظہ اللہ کے قلم سے ایک تحقیقی مضمون کو شائع کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے اس شمارے میں ہم یہ مضمون شائع کررہے ہیں، جس میں مروجہ محافل قراءات میں 'مقامات سبعہ' کے علاوہ سامنے آنے والے دیگر غیرمحمود اُمور کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ہمارے رائے میں بعض اُمور کے سلسلہ میں اگرچہ فاضل مضمون نگار نے ردّعمل کی نفسیات کے تحت زیادہ جرح کی ہے، لیکن عمومی پہلو سے جن امور کو وہ زیر بحث لائے ہیں ان کی اصلاح بہرحال وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ رُشد قراءات نمبر (حصہ سوم) میں ان شاء اللہ اس سلسلہ کا ایک اور مضمون بعنوان ''مروّجہ محافل قراءات......اعتراضات اوران کا جائزہ'' پیش خدمت کیا جائے گا، جس میں افراط وتفریط کی دونوں انتہاؤں کے مابین معتدل رائے کی نشاندہی کی جائے گی۔ [ادارہ]

اللہ جل شانہٗ نے قرآن مجید فرقانِ حمید کو ترتیل سے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دورِ اقدس میں قراءت قرآن، سماعِ قرآن اور مدارسۃِ قرآن کی مثالیں ملتی ہیں گو محفل قراءت کی مروّجہ صورت تو اس وقت نہ تھی مگر ایک جگہ جمع ہوکر ایک قاری تلاوت کرے اور باقی سنیں اور اسی طرح قرآن کریم کے حلقے لگیں اور حلقے میں شریک ہر ایک آدمی پڑھے اور باقی سنیں اس کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے۔ اس طرح کے حلقے عرب ممالک میں مساجد اور گھروں میں اب بھی لگتے ہیں اور گھر کے تمام افراد یا مسجد کے نمازی باری باری قرآن مجید پڑھتے ہیں۔

برصغیر کی تاریخ میں محفل قراءت کا آغاز مدارس کی حدتک مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ سے ہوا جس میں ماہانہ محفل قراءت منعقد ہوتی تھی، جس میں شعبہ تجوید کے ہر درجے کے استاذ اور ان کے دو دو شاگرد تلاوت کرتے اور محفل کے آخر میں صدرالمدرسین شعبہ قراءت ان کی اصلاح فرماتے کہ کس کی تلاوت میں کہاں کمی واقع ہوئی، اگر کوئی خوبی ہوتی تو اس کی بھی حوصلہ افزائی کی جاتی۔

امام القراء حضرت قاری عبدالمالک رحمہ اللہ جب لاہور تشریف لائے تو یہاں بھی لکھنؤ والا سلسلہ جاری ہوگیا۔ سب سے پہلے شیخ القراء استاذیم قاری عبدالوہاب المکی رحمہ اللہ نے مسلم مسجد میں محفل قراءت منعقد کرائی۔ حضرت امام القراء خود بنفس نفیس اس میں شرکت فرماتے اور تصحیح وحوصلہ افزائی فرماتے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے ہونہار تلامذہ نے

☆ مدیر ماہنامہ القاری......تلمیذ رشید قاری عبدالوہاب مکی رحمہ اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ دراصل یہ سب کچھ امام القراء رحمہ اللہ نے اپنے استاذ قاری محمد عبداللہ رحمہ اللہ سے مکہ میں سیکھا تھا۔ استاد یم قاری تقی الاسلام مدظلہ کی روایت کے مطابق حضرت قاری عبدالمالک رحمہ اللہ نے بتایا کہ ایک محفل قراءت میں، میں پڑھ رہا تھا کہ قاری محمد عبداللہ رحمہ اللہ تشریف لائے اور برآمدے میں بیٹھ کر تلاوت سنتے رہے اور جھومتے رہے مگر جب میں ملا تو فرمایا یہ کیا کیا؟ فلاں جگہ ایسا کیوں پڑھا؟ وغیرہ۔ دراصل ایسی محافل کا مقصدِ وحید اصلاح تھا اور بس۔

عوامی سطح پر محفل قراءت کا سلسلہ اس وقت متعارف ہوا جب ۱۹۶۰ء کے بعد مصری قراء کرام کی ایک جماعت پاکستان آئی اس کے بعد ہر مسجد و مدرسہ میں ماہانہ، سالانہ یا مخصوص ایام میں محافل قراءت کا سلسلہ جوں شروع ہوا آج تک جاری وساری ہے اور اللہ کرے تا قیام قیامت یہ سلسلہ جاری وساری رہے۔ آمین

محفل قراءت کے موضوع پر صرف ایک رسالہ کے سوا کوئی کتاب یا رسالہ احقر کی نظر سے نہیں گذرا اور وہ رسالہ فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ کا ہے جو ادارہ "أشرف التحقیق والبحوث الإسلامية" نے 'محافل قراءت' کے نام سے شائع کیا ہے جس میں فوائد و احکام اور ان پر وارد اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ یہ رسالہ محفل قراءت کے ہر قاری کو بالخصوص اور باقی قراء اور سامعین محفل قراءت کو بالعموم ضرور پڑھنا چاہیے تاکہ محفل قراءت سے متعلق علم حاصل کر کے اس پر عمل کر سکیں۔

محفل قراءت کے فوائد میں سے ایک کا ذکر تو ہو چکا ہے کہ مقصد اصلاح اور حوصلہ افزائی تھی۔ دوسرے کئی فوائد ہیں جن کو حضرت مفتی رحمہ اللہ نے مذکورہ رسالے میں ذکر فرمایا ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

- بے عیب خدا کے بے عیب کلام کو بے عیب طریقہ سے پڑھنے کا شوق پیدا کرنا۔
- تجوید کے ساتھ قرآن پاک کا لوگوں تک پہنچانا۔
- قراءت کے ذریعہ سے قرآن کی عملی تبلیغ کرنا وغیرہ۔

مندرجہ بالا باتوں پر اخلاص سے عمل کر کے محفل قراءت کے فوائد و مقاصد کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

تصویر کا دوسرا رُخ اگر دیکھا جائے تو محفل قراءت میں بہت ساری نئی چیزیں شامل ہوگئی ہیں جن سے اجتناب از حد ضروری ہے بصورتِ دیگر محفل قراءت کے فوائد و مقاصد حاصل نہیں کئے جا سکتے ہیں۔ اگر حدود کی پاسداری نہ کی جائے تو قباحتوں سے یہ محفل ایسی پُر ہو جاتی ہیں کہ اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اصل مقصود نہ ہو تو یہ محافل نشستن، گفتن، خوردن اور برخاستن کے سوا کچھ بھی نہیں۔

محفل قراءت کے بارے میں چند گذارشات ہیں اور وہ قاری صاحبان، سامعین اور منتظمین سے متعلق ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

① مذکورہ بالا سب حضرات کی نیت میں اخلاص ہونا چاہیے بغیر اخلاص کے فوائد و مقاصد حاصل نہیں کئے جا سکتے۔

② منتظمین کو جھنڈیاں، غیر ضروری روشنی، زائد از ضرورت سٹیج و گیٹ نہیں بنانے چاہئیں اور نہ ہی قاری کو تلاوت پر اجرت دینی چاہیے۔ حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ اپنے رسالے 'محافل قراءات' ص ۲۶، ۲۷ پر تحریر فرماتے ہیں:

> "محفل قراءت کے لیے گیٹ بنانا، جھنڈیاں لگانا اسراف ہے، اس کی ضرورت کوئی نہیں ہوتی یہ محض رسم اور اسراف ہے۔ یہ بھی ایسے ہی کہا جا سکتا ہے کہ ہم شان پیدا کرنے کے واسطے ایسا کرنا چاہتے ہیں مگر یہ تاویل محض غلط ہے ہر بات کی شان اس درجہ کے مطابق ہوتی ہے، دینی کاموں کی شان دینی طریقوں سے ہو سکتی ہے ان رسمی، کافرانہ طور طریق

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ان کی شان نہیں بڑھتی بلکہ اور گھٹتی ہے جیسے مرد کو عورت کا لباس و زیور پہنانے سے اس کی شان نہیں بڑھتی حقیقت میں نظروں میں مذاق اڑانا ہے جس سے شان گھٹتی ہے تمام دینی و اسلامی جلسے و اجتماعات کا یہی حال ہے۔''

قراء کے لیے اسٹیج زائد (از ضرورت) رسم اسراف سے خارج نہیں ہوسکتی۔

③ قاری صاحب کو تلاوت پر اجرت لینا، دینا دونوں حرام ہیں۔[ص۳۰]

④ اُن قاری صاحبان کو تلاوت کے لیے مدعو کیا جائے جن کی شکل ولباس سنت کے مطابق ہو۔

⑤ منتظمین کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیئے کہ پڑھنے والے قراء کی ترتیب میں عمر، صلاحیت، علم کا لحاظ ہو، بعض دفعہ اساتذہ کو پہلے پڑھایا جاتا ہے اور شاگردوں کو بعد میں یہ سوئے اَدب ہے۔استاذ القراء حضرت قاری اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی قاری سرفراز احمد تھانوی رحمہ اللہ 'سوانح امام القراء' ص ۱۱۳ پر لکھتے ہیں کہ ''ہر جلسے، محفل قراءت، شبینے وغیرہ میں ترتیب قاری صاحب (قاری عبدالمالک رحمہ اللہ) پروگرام میں خود دیتے تھے جو ادنیٰ سے اعلیٰ کی جانب بلحاظ آواز وعلم ہوتی تھی۔''

ایک مرتبہ الشیخ خلیل حصری رحمہ اللہ اور شیخ عبدالباسط عبدالصمد رحمہ اللہ پاکستان تشریف لائے تو منتظمین نے الشیخ عبدالباسط کی تلاوت آخر میں رکھی۔ الشیخ عبدالباسط رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چونکہ الشیخ حصری میرے شیخ ہیں، لہٰذا وہ آخر میں پڑھیں اور میں پہلے پڑھوں گا۔ منتظمین نے کہا کہ سامعین چلے جائیں گے شیخ کی تلاوت نہیں سنیں گے الشیخ عبدالباسط رحمہ اللہ نے فرمایا: ''کوئی بات نہیں سامعین چلے جائیں کوئی پرواہ نہیں ہم شیخ کی تلاوت سنیں گے۔''

چنانچہ شیخ حصری رحمہ اللہ کی تلاوت آخر میں ہوئی۔

⑥ محفل قراءت میں صرف تلاوت ہی ہونی چاہیئے حمد ونعت کے لیے الگ اہتمام کیا جائے اور اگر محفل قراءت میں ہی حمد ونعت بھی کرنا ہو تو تلاوت سے پہلے یا بعد میں کرنا چاہیئے تاکہ تلاوتیں تسلسل سے ہوسکیں۔ آج کل رواج عام ہو رہا ہے کہ ایک تلاوت پھر حمد، پھر تلاوت، پھر نعت، پھر تلاوت، پھر نعت وغیرہ۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور حمد ونعت بندے کا کلام ہے یقیناً کلام معبود کو کلام عبد پر ایک فضیلت حاصل ہے اسے برقرار رکھنا چاہیئے علماء نے خطبات، خطوط اور کتب کے مقدمہ وغیرہ میں بسم اللہ اور الحمدللہ کے بعد صلوٰۃ وسلام و دعا کو رکھنے کی یہی وجہ بیان فرمائی ہے۔

⑦ محفل قراءت میں تصاویر نہیں اتارنی چاہیئے نہ ہی ویڈیو بنی چاہیئے آج کل منتظمین کی جانب سے ویڈیو بنوائی جاتی ہے یہ سراسر خلاف شرع ہے، سامعین بھی اپنے اپنے موبائل فون کے ذریعہ ویڈیو بناتے ہیں اور یہ سارا کام اکثر و بیشتر خانۂ خدا میں ہوتا ہے۔

⑧ ایک نیا رواج دیکھا گیا ہے کہ پھول کی پتیاں قراء پر نچھاور کی جاتی ہیں یا پھر جب کوئی قاری صاحب لمبا سانس لے کر وقف کرتا ہے تو اسٹیج کے قریب پھول کی پتیاں اُچھالی جاتی ہیں اور یوں داد دی جاتی ہے، یہ طریقہ ہمارے اسلاف کا نہیں ہے، اگر ہمارے اسلاف کا طریقہ غلط تھا اور آج کے 'روشن خیالوں' کا طریقہ صحیح اور درست ہے جو اکابر کی سمجھ میں نہ آیا تھا تو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس فہم کی خیر ہو جس پر یہ راز اب کھلا
اس عقل کی خیر ہو جس کا عقدہ اب کھلا

⑨ اسی طرح ایک نیا رواج قراء کو لمبا سانس لینے پر چومنے کا ہے۔ آخر مجلس میں معانقہ کرتے ہوئے مبارکبادی کے طور پر ایسا ہو تو شاید کچھ گنجائش نکلے مگر دورانِ تلاوت یکے بعد دیگرے قطار سے چومتے ہیں بعض دفعہ تو تین تین بوسے اکٹھے لے کر ہیٹ ٹرک کا ریکارڈ قائم کرتے ہیں اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ حسن ظن رکھتے ہوئے ہم اسے غلبۂ حال تصور کرتے ہیں۔ (جو قابل تقلید نہیں ہوا کرتا)

⑩ محفل قراءت طویل نہ ہو تا کہ آسانی کے ساتھ سامعین اس میں شرکت کرسکیں۔ موجودہ دور کی محافل و جلسوں میں عوام کی عدم شرکت کا ایک سبب یہ طول بھی ہے۔

⑪ سامعین مجلس قراءت میں اچھل کود کر داد نہ دیں۔ اسکی ممانعت ہے۔ حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ 'محافل قراءات' ص ۲۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ

''اظہارِ مسرت وشکر کے لیے کسی بات کا عمل گو صحیح ہو مگر کھیل کے کاموں کی طرح اس کا اظہار قرآن مجید کی شان کے خلاف اور ہنسی مذاق اور کھیل بنانے کے قریب ہے، ایسی باتوں کی روک تھام کی ضرورت ہے۔''

حسن قراءت پر داد دینے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ سبحان اللہ، جل شانہٗ، جل جلالہٗ ایسے الفاظ کا استعمال کیا جائے۔ اسی طرح جزاك الله ، مرحبا لا فضل فوتك وغیرہ الفاظ کا مضائقہ نہیں۔ غرض کلام الٰہی کے اَدب اور شان ربانی کے لحاظ کے ساتھ جذبات شکر ومسرت کے اظہار کا مضائقہ نہیں مگر کافرانہ و فاسقانہ یا لہو ولعب کی حرکتوں سے بچنا لازم ہے اور اس کی تلقین کی ضرورت ہے۔''

⑫ قاری کی آمد پر نعرہ تکبیر، اللہ اکبر کہنا جائز نہیں اس سے بچنا چاہیے، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ص ۲۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ''یہ بات بھی روکنے کی مستحق ہے، کیونکہ ذکر اللہ و ذکر رسول کو غیر ذکر کے لیے استعمال کرنا ذکر کی بے حرمتی ہے۔ فقہائے احناف نے لکھا ہے کہ اگر چوکیدار اپنے بیدار رہنے کی دلیل لا اله إلا الله محمد رسول الله بلند آواز سے پڑھے گا تو یہ منع ہے کہ جو تاجر مال کی عمدگی ظاہر کرنے کے لیے اللهم صلی علی محمد پڑھے گا تو یہ منع ہے، لہٰذا اسی طرح کسی کے آنے جانے پر اللہ و رسول کے نام کے نعرے ان کی بے حرمتی کی وجہ سے ممنوع ہوں گے، اس کو بھی روکنے کی ضرورت ہے۔''

⑬ تالی نہیں بجانی چاہیے۔ حضرت مفتی رحمہ اللہ ص ۲۸ پر لکھتے ہیں کہ

''یہ صرف کافرانہ روش ہے قابل ترک ہے بلکہ ایک صورت مذاق کی سی بن جاتی ہے۔''

⑭ اگر کوئی قاری پڑھے تو دورانِ تلاوت وقف پر اللہ اکبر کہنے کی تو اجازت ہے مگر نعرے لگوانا جیسا کہ قاری صاحب کا نام لے کر زندہ باد کے نعرے لگانا جائز نہیں ہے۔

⑮ بعض سامعین دورانِ تلاوت باتیں کرتے رہتے ہیں اور ساتھ ساتھ تبصرہ کرتے ہیں جو ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو'' کے سراسر خلاف ہے ایسی گفتگو سے بچنا چاہئے۔

⑯ قراء کرام کو بے تکلف پڑھنا چاہئے اور تجوید کو اصل قرار دیتے ہوئے آواز، سانس کو امر زائد مستحسن (تابع تجوید) سمجھتے ہوئے عیوب تلاوت سے پرہیز کرتے ہوئے تلاوت کرنا چاہئے ،آج کل آواز، سانس اور عیوبِ تلاوت کو اصل سمجھا جارہا ہے اور تجوید کو پس پشت ڈالا جارہا ہے حالانکہ ہمارے اسلاف کی کتب اور ان کے اپنے قول و عمل سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ آواز و لہجہ کی وجہ سے تجوید پر عمل نہ ہو اور لحن جلی ہوجائے تو اس کا سننا اور پڑھنا حرام ہے اور اگر لحن خفی ہو تو مکروہ ہے جیسا کہ شیخ العرب والعجم حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی رحمہ اللہ 'فوائد مکیہ' ص۴ پر لکھتے ہیں کہ:

''خوش آوازی سے پڑھنا امر زائد مستحسن ہے اگر قواعد تجوید کے خلاف نہ ہو ورنہ مکروہ اگر لحن خفی لازم آئے اور اگر لحن جلی لازم آئے تو حرام ممنوع ہے پڑھنا اور سننا دونوں کا ایک حکم ہے۔''

قاری محمد شریف رحمہ اللہ توضیحات مرضیہ میں ص۱۲ پر لکھتے ہیں کہ:

''اگر قاری کی بے اعتدالی اور افراط و تفریط کی وجہ سے خود خوش آوازی ہی قواعد تجوید کے بگڑنے اور لحن کے پیدا ہونے کا سبب بن جائے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس خوش آوازی کو ممنوع اور حرام یا مکروہ قرار دیا جائے گا اور اگر سننے والے کی نیت حصول ثواب کی ہو تو سننا بھی ناجائز ہے۔''

حضرت قاری صاحب معلّم التجوید ص۲۴۰ پر لکھتے ہیں کہ:

''بعض لوگوں نے اپنی خوش آوازی اور لہجہ کے ذریعہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور ان کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کرانے کی غرض سے خواہ مخواہ تکلف کرکے لہجہ میں طرح طرح کی چیزیں ایجاد کرلی ہیں جو بہت ہی نامناسب اور معیوب ہیں۔''

قاری عبدالخالق رحمہ اللہ تیسیر التجوید ص۹ پر لکھتے ہیں کہ: ''اگر ایسے لہجہ اور خوش آوازی میں محو ہوا کہ مخارج وصفات حروف کا خیال نہ رکھا اور لحن جلی لازم آ گیا تو ایسا پڑھنا ناجائز ہے اور اگر لحن خفی لازم آیا تو مکروہ ہے۔''

ص۱۰ پر افسوس کے طور پر لکھتے ہیں کہ: ''آج کل لوگوں نے مقصود بالذات خوش آوازی اور لہجہ کو بنا رکھا ہے اور تجوید کی بالکل رعایت نہیں کرتے حتیٰ کہ بعض معلمین کو بھی اس کا احساس نہیں، وہ شروع ہی سے لہجہ کی مشق کرانے لگتے ہیں حالانکہ پہلے مخارج حروف اور صفات لازمہ کی تعلیم دینا امر ضروری ہے۔''

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ اپنے رسالہ محافل قراءات ص۱۶ پر لکھتے ہیں کہ:

''خوش آوازی کی دو صورتیں ہیں ایک حروف وحرکات وصفات کے قاعدوں کے اندر رہ کر خوش آوازی کرنا یہ قرآن مجید میں ثواب ہے۔ دوسرا یہ کہ قاعدوں سے باہر کرکے کھینچ کھینچ کر حرفوں اور حرکتوں کو کئی گنا کرکے سُر پیدا کرنا یہ گانا ہے......اس (دوسری صورت) کو گناہ کہنا درست ہوگا۔''

زمانہ خیر القرون کے بعد سے آج تک بعض نام نہاد اور پیشہ ور قراء نے قراءات میں کچھ ایسی اشیاء کا اضافہ کردیا ہے کہ تجوید وقراءات سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔استاذ القراء حضرت قاری محمد اسماعیل الکندوی (شاہ عالمی لاہور) تفہیم التجوید ص۹۱ پر لکھتے ہیں کہ

''جاننا چاہیے کہ زمانہ خیر القرون کے بعد بعض لوگوں نے قرآن کریم کی قراءات میں کچھ اس قسم کی اشیاء کا اضافہ کیا ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور راگ وسُر کی آوازیں اس میں داخل کی ہیں جن کا تجوید وقراءت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ مگر فی زمانہ بعض خود رو مجودین، نام نہاد قراء اور پیشہ ور واعظ ایسی اَصوات و کیفیات کو تلاوت قرآن میں شامل کرتے ہیں کہ الامان والحفیظ، کلام اللہ کو موسیقاروں کی طرح موسیقی اور مغنیوں کی طرح سینماؤں کے گانے کی طرز پر پڑھتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ کتاب اللہ کا حق ادا کررہے ہیں۔ ایسے لوگ عموماً خود رو، خود ساختہ اور قراءت فروش قراء ہوتے ہیں یا وہ مدعی قراءت وعظ فروش علماء جو محافل ومجالس میں پڑھتے ہیں اور لہجہ بازی کے نشہ میں حروفِ قرآنی کا حلیہ بگاڑ کر سامعین سے داد لینے کے متمنی ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف وتوصیف کی جائے اور انہیں کسی اچھے لقب وخطاب سے نوازا جائے۔ پھر غضب خدا کا یہ کہ گا گا کر جس قدر بگاڑا جائے اسے قراءتِ سبعہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور بلا خوف وخطر کہا جاتا ہے کہ ہم تو سبعہ میں پڑھ رہے ہیں۔ العیاذ باللہ گویا ہر عیب وغلطی بے قاعدگی اور ہر نئی چیز کا اِدخال فی القرآن کا نام قراءت سبعہ رکھ دیا گیا ہے اور جملہ خود ساختہ خرافات کا مجموعہ قراءات سبعہ تصور کرلیا گیا ہے پس ایسے ہی خود رو اور خود ساختہ قراء کے متعلق فرمایا گیا: رب قاري للقرآن والقرآن یلعنه

اور مجالس ومحافل میں ایسے ہی مجتہد قراء کے بارے میں علامہ رفاعی رحمہ اللہ کا شعر نہایت ہی موزوں ہے۔

رب تال تل القرآن مجتهدا

بين الخلائق والقرآن يلعنه

''اکثر پڑھنے والے بین المحافل مجتہدانہ شان میں بناؤ سنگار سے قرآن پڑھتے ہیں اور حال یہ ہے کہ قرآن کا ایک ایک حرف ان پر لعنت کرتا رہتا ہے۔''

⑰ قراء کو حروفِ مفخمہ میں ہونٹ گول نہیں کرنے چاہئیں۔ حضرت قاری اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ تیسیر التجوید کے حاشیہ ص ۲۴ پر لکھتے ہیں کہ ''ہونٹوں کو گول کرکے حروف مفخمہ کی تفخیم اَدا کرنا غلط ہے۔ فنی لحاظ سے ایسی ادا قابل اعتراض ہے۔''

قاری عبدالخالق صاحب رحمہ اللہ تیسیر التجوید ص ۳۰ پر لکھتے ہیں کہ

''حروفِ مستعلیہ میں تفخیم اتنی نہ کی جائے کہ واؤ کی بو یا صاف واؤ کی زیادتی معلوم ہو، کیونکہ یہ اہل فن کے طریقہ کے خلاف ہے۔ غرضیکہ تفخیم میں ہونٹوں کو بالکل دخل نہیں۔''

قاری عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ فوائد مکیۃ ص ۲۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ

''حروف مفخم کے فتحہ کو مانند ضمہ کے اور اس کے بعد کے الف کو مانند واؤ کے پڑھنا بالکل خلاف اصل ہے ...... یہ خلافِ قاعدہ ہے۔ یہ افراط وتفریط کلامِ عرب میں نہیں اہل عجم کا طریقہ ہے۔''

⑱ قراء کو بلا تکلف پڑھنا چاہیے کسی قسم کا تکلف یا تصنع نہ ہونا چاہئے۔ حضرت قاری محمد شریف رحمہ اللہ معلّم التجوید ص ۵۰ پر فرماتے ہیں کہ:

''تکلیف سے مراد یہ ہے کہ قاری کے چہرے سے پڑھتے وقت گرانی کے آثار ظاہر ہوں، مثلاً پیشانی پر شکن پڑنا، جلد جلد پلکیں گرانا، زور سے آنکھیں بند کرنا، ناک کا پھولنا، منہ کا ٹیڑھا ہونا اور جن حرفوں کی ادائیگی میں ہونٹوں کو دخل نہیں ان کے ادا کرنے میں ہونٹوں کو گول کرنا یا خواہ مخواہ حرکت دینا یہ تمام باتیں معیوب ہیں۔''

امام القراء حضرت قاری عبدالمالک رحمہ اللہ تعلیقات مالکیہ ص ۴ پر لکھتے ہیں کہ:

''نیز ادائیگی حروف میں اس کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ کسی قسم کا تکلف اور تصنع نہ ہو، مثلاً زائد از ضرورت ہونٹوں کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرکت کرنا یا منہ ٹیڑھا ہونا یا چہرہ سے گرانی یا پریشانی کا ظاہر ہونا جلد جلد پلکوں کا بند ہونا یا ناک کا پھولنا یا پیشانی پر شکن پڑنا وغیرہ۔غرض یہ کہ ان سب تکلفات سے بچتے ہوئے مکمل طور پر لطافت کے ساتھ اَدائیگی حروف ہونا چاہیے۔'' اسی امر کی طرف علامہ جزری رحمہ اللہ نے توجہ دلائی ہے۔

مکملا　　غیر　　من　　ما　　تکلف

باللطف　　فی　　النطق　　بلا　　تعسف

حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ 'سوانح امام القراء' ص۱۳۲ میں لکھتے ہیں کہ آپ کو (قاری عبدالمالک رحمہ اللہ) اس چیز سے سخت کراہت تھی کہ تلاوت کے وقت طالب علم کسی قسم کا منہ بنائے یا پیشانی پر بل ڈالے ان کی ابتدائی تربیت ہی میں ان عادتوں کی بھی اصلاح کردی جاتی تھی اور جب وہ پڑھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ بے تکلف پڑھ رہے ہیں۔

⑲ ایک غلطی جو عام ہورہی ہے وہ یہ کہ ك اور ت میں ھا کی آواز پیدا کی جارہی ہے جس سے ك، کھ اور ت، تھ ہوجاتا ہے اور یہ دونوں حروف غیر عربی ہوجاتے ہیں اور لحن جلی کی وجہ سے پڑھنے اور سننے والے دونوں گناہگار ہوتے ہیں۔قراء کرام کو اس سے بچنا چاہیے۔

شیخ العرب والعجم حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی رحمہ اللہ فوائد مکیۃ ص۳۰ پر رقم طراز ہیں:

''ایسا ہی سکون کامل کرنا چاہیے تاکہ مشابہ حرکت کے نہ ہوجائیں اور اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ ساکن حرف کی صوت مخرج میں بند ہوجائے اور اس کے بعد ہی دوسرا حرف نکلے اور اگر دوسرے حرف کے ظاہر ہونے سے پہلے مخرج میں جنبش ہوگئی تو لامحالہ یہ سکون حرکت کے مشابہ ہوجائے گا۔''

ص۳۱ پر لکھتے ہیں کہ کاف تاء میں جنبش ہوتی ہے اس میں ھ کی یا س یا ث کی بو نہ آنی چاہیے۔

⑳ قراء کرام کو وقف و ابتداء کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ غلط وقف یا ابتداء و اعادہ کی وجہ سے معنی غیر مراد کا ایہام لازم نہ آئے۔

امام القراء قاری عبدالمالک رحمہ اللہ وقف و ابتداء کے بارے تعلیقات مالکیہ ص۳۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ...... جب امام عاصم کا مذہب معلوم ہوگیا تو اب روایت حفص میں تلاوت کرنے والوں کو اتباعاً للامام وقف اور ابتداء میں اتمام کلام بحسب المعنی کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے خصوصاً ایک قاری مقری ذمہ دار کے لیے کہ اس کا التزام نہ کرنے اور اس کے خلاف کرنے سے یہ نقصان اور خرابی ہوگی کہ وہ طلبہ جو اس سے اَخذ کررہے ہیں اور پڑھ رہے ہیں ان کی نظر میں اس چیز کی اہمیت اور ضرورت نہ رہے گی اور وقف و ابتداء کے مسئلہ میں عملاً وہ شتر بے مہار کی طرح آزاد ہوجائیں گے اور اس کوتاہی کا سلسلہ آئندہ ان فارغین کے تلامذہ میں بھی جاری و ساری رہے گا جس کی تمام تر ذمہ داری قاری مقری پر عائد ہوگی۔

پھر آگے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں کہ

''اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جب اعادہ اور ابتداء میں قاری مقری کو کلام کے ربط وغیرہ کا خیال رکھنا ضروری ہے تو بوقت افتتاح تلاوت خصوصاً مجالس میں کسی ایسی جگہ سے شروع نہ کرنا چاہیے کہ سامعین کو تفہیم معنی میں کسی ماقبل کے مضمون متعلقہ کا انتظار رہے مثلاً إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ اور لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ اور ذٰلِكَ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وغیرہ سے افتتاح تلاوت کرنا کہ مواضع اولین میں سامعین کو ضمائر کے مرجع کی تلاش اور فکر رہے گی اور موضع ثالث میں ذٰلک کا مشار الیہ تلاش کرنا ہوگا۔''

مدرسہ تجوید القرآن لاہور کا سالانہ جلسہ تھا ایک نوجوان خوش گلو قاری نے آل عمران میں ﴿وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ قَالَ كَذَٰلِكَ اللّٰهُ﴾ پڑھتے ہوئے لفظ 'اللہ' پر وقف کیا۔ تلاوت ختم ہوئی تو حضرت قاری رحمہ اللہ نے قاری کو تنبیہ کی اور فرمایا تمہارے اس بے موقعہ وقف سے تلاوت کا سارا لطف جاتا رہا، کیونکہ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ کے جواب میں قَالَ كَذَٰلِكَ اللّٰهُ مطلب ہوا کہ اگر بیوی عاقر ہے تو کوئی بات نہیں نعوذ باللہ، اللہ بھی ایسا ہی ہے۔ [سوانح امام القراء ص۱۰۲]

(۲۱) قراء کرام کو اپنے اسلاف کے طریقے پر سختی سے کاربند رہنا چاہئے جب ہم کتابیں ان کی پڑھاتے ہیں اور سند میں ان کا نام واسطے کے طور پر لکھتے ہیں تو ان کی تعلیمات پر عمل کرنے سے ہمیں کیوں عار ہے؟ یا تو ان کی کتابیں پڑھانا چھوڑ دیں اور نیا نظام تعلیم مرتب کریں جس میں نئی ایجادات ہی کو تجوید کے طور پر پڑھائیں اور سند کے واسطے میں ان کے نام ہٹا دیں اور نعرہ لگا دیں کہ ''نہ تو میرا استاد نہ میں تیرا شاگرد'' پھر تو ٹھیک بصورتِ دیگر ان کی تعلیمات پر عمل کریں اور اپنے شاگردوں کو جو کتب تجوید کا سبق پڑھاتے ہیں اس میں اور اپنی قراءت میں مطابقت پیدا کریں۔

(۲۲) عرب قراء کی نقل کرتے ہوئے ہمیں عقل سے کام لینا چاہئے، کیونکہ نقل کیلئے عقل چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ ''کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا'' معیارِ صحت صرف محققین قراء کا کلام اور تلفظ ہی بن سکتا ہے عام قراء عرب کا نہیں، کیونکہ انکے تلفظ میں عجم کے اختلاط کی وجہ سے خاصی تبدیلی آ چکی ہے مثلاً ج کو گ پڑھنا، ث کو ت پڑھنا، ت کو تھ پڑھنا، ك کو کھ پڑھنا، ض کو د پڑھنا ان میں عام ہو چکا ہے اور گ، تھ اور کھ عجمی حروف ہیں نہ کہ عربی۔

استادیم حضرت قاری تقی الاسلام صاحب مدظلہ، سوانح امام القراء میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ (قاری عبدالمالک رحمہ اللہ نے) فرمایا کہ عرب تجوید کی بہت غلطیاں کرنے لگے ہیں اور تکلف و بناوٹ کرتے ہیں مجھے ان میں کام کرنا چاہیے مگر حضرت کا اسی سال وصال ہو گیا ارادہ کی تکمیل نہ ہو سکی۔

مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ نے ایک مصری قاری صاحب کے متعلق امام القراء قاری عبدالمالک رحمہ اللہ سے پوچھا کہ حضرت ان کی تلاوت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے کچھ تامل کے بعد فرمایا: ''بلا شک آواز اور سانس کے بادشاہ ہیں، لیکن ان کی تلاوت میں بے شمار فنی تسامحات موجود ہیں۔'' [سوانح إمام القراء ص۳۴]

حضرت قاری عبدالمالک رحمہ اللہ تعلیقات مالکیہ ص۲۰ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''آج کل اختلاط عجم سے بڑا انقلاب اور تغیر عام تلفظ میں ہو گیا ہے جیسا کہ تجربہ شاہد ہے۔''

حضرت قاری اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ تیسیر التجوید کے حاشیہ ص۱۳ پر لکھتے ہیں کہ

''اس میں شک نہیں کہ اہل مصر وعرب کے بہت سے حرفوں کی اَدا نہایت عمدہ اور قابل رشک ہوتی ہے مگر بکثرت امالۂ کبریٰ وصغریٰ میں یہ غلطی کرتے ہیں کہ کبریٰ میں الف کو بالکل یاء سے بدل دیتے ہیں اور صغریٰ میں اس قدر جھکاؤ ہوتا ہے کہ وہ صاف امالۂ کبریٰ معلوم ہوتا ہے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور پھر ص ۱۸ پر لکھتے ہیں: ''موجودہ دور کے اہل عرب کے تلفظ (ضاد) سے استدلال کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب کا تلفظ بجائے خود صحیح نہیں۔''

قاری محمد شریف رحمہ اللہ توضیحات مرضیہ ص ۶۶ پر لکھتے ہیں کہ

''اب اختلاط عجم سے بڑا انقلاب اور بالخصوص اس حرف (ضاد) کے تلفظ میں تو بہت ہی کوتاہی ہو رہی ہے جیسا کہ ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ موجودہ قراء عرب کی تلاوت سن کر اس بات کا پتہ چلتا ہے اور ایک ضاد ہی کیا اب تو اور بھی بہت سی فاش غلطیاں ان سے سننے میں آتی ہیں۔ لہٰذا اب معیار صحت صرف علماء محققین کا کلام اور ان کا تلفظ ہی بن سکتا ہے عام قراء عرب کا نہیں۔''

۴۳ قراء کرام کو سکون اور متانت کے ساتھ تلاوت کرنا چاہئے غیر ضروری حرکات سے اجتناب کرنا چاہیے آج کل ایک اور رسم بھی شروع ہوچکی ہے کہ آیات کو پڑھتے ہوئے ہاتھوں کے اِشاروں سے اس کی ترجمانی کی جاتی ہے یا جب قاری صاحب لمبا سانس لیتے ہیں تو سامعین ہاتھ اٹھا اٹھا کر، کھڑے ہوکر اور نعرے لگا کر داد دیتے ہیں تو قاری صاحب ہاتھ کے اشارہ سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں کبھی زبان سے، کبھی ہاتھ کو سینے پر یا سر پر رکھ کر۔ اسی طرح دوران تلاوت کبھی پانی مانگا جاتا ہے اور کبھی الفاظ (غیر قرآن) سے ان کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے یا اس طرح کی کوئی بات کی جاتی ہے جس سے قطع لازم آجاتا ہے اور دوبارہ تلاوت کے لیے تعوذ پڑھنا چاہئے مگر نہیں پڑھا جاتا یا بعض دفعہ سامعین کی جانب سے پڑھی گئی آیت کو دوبارہ پڑھنے کی درخواست کی جاتی ہے اور قاری صاحب بھی اس پر عمل کرتے ہیں گویا کہ جو باتیں پہلے مشاعرے یا قوالی کے دوران دیکھنے میں آتی تھیں وہ دھیرے دھیرے محفل قراءت کے دوران بھی دیکھنے میں آرہی ہیں۔

۴۴ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے ہمیں ترتیل کا حکم فرمایا ہے اس میں تجوید اور وقف دو ہی چیزیں ہیں ان پر تو سختی سے عمل ہونا چاہئے اور خوش آوازی کو امر زائد کے درجہ میں رکھ کر اسے تابع تجوید بنانا چاہئے اور سانس کو تجوید میں شامل نہ کرنا چاہئے۔ گو آج کل اس کی بہت 'ڈیمانڈ' ہے۔ سامعین بھی گھڑی پر نظر رکھتے ہیں اور اسے اچھا قاری سمجھتے ہیں جو پڑھتے ہوئے لمبا سانس لے اور قاری صاحب بھی اس 'ڈیمانڈ' کو پورا کرنے کے لیے کشادگی سانس کے لیے دوائی کا سہارا لیتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں عیوب تلاوت ہیں ان سے سمِ قاتل کی طرح پرہیز کرنا چاہئے۔

غرضیکہ ترتیل (تجوید و وقف) جو اصل ہے اسے اصل کے درجہ میں رکھا جائے خوش آوازی اور سانس کو امر زائد مستحسن کے درجہ میں رکھا جائے اور عیوب تلاوت کو اپنی جگہ رکھا جائے تو یہ عین عدل ہوگا بصورت دیگر وضع الشيء في غير محله کے تحت ہم سے بڑا ظالم کون ہوگا؟

اُمید ہے کہ مندرجہ بالا گذارشات کو ریا، عقیدت، شہرت، خود غرضی اور طمع و لالچ کی عینک اتار کر خلوص اور چشم فن (تجوید) سے دیکھا جائے گا۔ اللہ جل شانہٗ ہمیں محفل قراءت میں صحیح معنوں میں تلاوت و آداب تلاوت کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین ثم آمین!

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انکارِ قراء ات

محمد فیروز الدین شاہ کھگہ ☆

استشراقی نظریہ ارتقاء اور قراء اتِ قرآنیہ

گولڈ زیہر، آرتھر جیفری اور ڈاکٹر پیوئن کی تحقیقات کا مطالعہ

مقالہ نگار محمد فیروز الدین شاہ ﷾ کا قراء ات متواترہ کی قبولیت کے سلسلہ میں 'مسلم متجددین کے افکار' کے ردّ پر ایک مضمون گذشتہ شمارے میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ زیر نظر مضمون انہوں نے خاص طور پر قراء ات قرآنیہ کے حوالے سے آرتھر جیفری کے علاوہ دیگر مستشرقین کے نظریات کے تعاقب کے طور پر ترتیب دیا ہے۔ یاد رہے کہ موصوف نے چند سال قبل شیخ زید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب سے ''اختلاف قراء ات اور نظریہ تحریف قرآن'' کے زیر عنوان ایم فل کی ڈگری امتیازی پوزیشن کے ساتھ حاصل کی اور ان کے مقالہ کے موضوع کی افادیت کے پیش نظر بعدازاں اسلامک سینٹر نے اِسے کتابی صورت میں طبع بھی کروایا ہے۔ اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے شائقین کو ان کے مذکورہ مقالہ کا لازماً مطالعہ کرنا چاہیے۔ [اِدارہ]

مستشرقین کے ایک گروہ کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن پہلی دو صدیوں کے دوران اپنی تکمیلی شکل وصورت کے مراحل سے گذرتا رہا، جس کا مطلب یہ ہے کہ عہد نبوی ﷺ و عہد صحابہ ﷢ میں قرآن مکمل نہ ہونے کی وجہ سے گویا تحریفات اور کمی بیشی کا شکار ہوتا رہا۔ ان مستشرقین کا موقف حسبِ ذیل خیالات سے عبارت ہے:

- اسلامی تاریخ کے مصادر، عصری تحقیقی معیارات پر پورا نہیں اترتے لہٰذا ان کی تصدیق ممکن نہیں ہے۔
- جزیرہ عرب کے مضافاتی علاقوں میں کھدائی کے دوران جو آثار اور قدیم تحریری نقوش دریافت ہوئے ہیں وہ یہ بات واضح کرتے ہیں کہ پہلی صدی ہجری میں قرآن موجودہ شکل میں نہیں تھا۔
- قدیم قرآنی مخطوطات جو یمن کے شہر صنعاء سے ماضی قریب میں منصۂ شہود پر آئے ہیں وہ ایک لمبا عرصہ قرآنی متن میں اِرتقاء اور تغیرات کا اِشارہ دیتے ہیں۔
- قرآنی متن کے تنقیدی مطالعے سے کتابت اور تحریر قرآن میں غلطیوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔

قراء اتِ قرآنیہ کو موضوعِ بحث بنانے کے استشراقی مقاصد

قراء اتِ قرآنیہ بھی ان اہم موضوعات میں سے ایک ہے جس کو مستشرقین نے اپنے خصوصی مطالعہ وتحقیق کے لیے نقطۂ ارتکاز بنایا ہے، کیونکہ یہ موضوع براہِ راست متن قرآنی سے تعلق رکھتا ہے، اگر اس میں شکوک وشبہات پیدا کر دیے جائیں تو خود مسلمانوں کے دلوں میں قرآن کی صحت پر اعتبار متزلزل ہو جائے گا، چنانچہ مستشرقین نے قرآن کو

☆ لیکچرر یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہدفِ تنقید بنانے کیلئے قراءات قرآنیہ کو دو وجوہ کی بنیاد پر موضوع بحث بنایا۔

امرِ اوّل

قراءات کا قرآن سے بڑا مضبوط تعلق ہے۔قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو حضرت محمد ﷺ کی طرف وحی کیا گیا۔ جب کہ قراءات ، وحیٔ قرآنی کے الفاظ میں تغایر کا نام ہے، مثلاً قرآن میں ارشاد ہے:﴿إِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ یہ ایک قراءت ہے اور اس کی دوسری قراءت ﴿ان جاء کم فاسق بنباء فتثبتوا﴾ ہے دونوں میں تغایر کے باوجود دونوں قراءتیں قرآن ہیں۔مستشرقین ذکر کردہ حقیقت کو ایک منفی طرزِ فکر کے جلو میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کی رو سے ان کے مطابق قرآنی متن میں عہد بہ عہد تبدیلی واقع ہوتی رہی نیز یہ کہ قرآن مختلف شکلیں (Versions) بدلتا رہا ہے ۔ان بے سروپا آراء وافکار کے ذریعے استشراقی حلقے مسلم اُمت کا کتاب اللہ سے رشتہ کمزور کرنے کا ہدف حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اَمرِ ثانی

قراءات کا موضوع ایک خاص موضوع ہے، دینیاتی علوم کے جاننے والے بھی بہت کم اس سے واقف ہیں، اس موضوع کے بارے میں دیارِ اسلامیہ میں عمومی طور پر کم شناسائی پائی جاتی ہے،مسلمانوں میں اس فن کی تخصیص اور اس میں بحث وتحقیق کا رجحان نسبتاً کم رہا ہے، اس صورتحال میں مستشرقین نے اس فن میں مطالعہ وتحقیق اور غور وخوض کو اپنے لئے آسان سمجھا اور سائنٹفک طرزِ تحقیق کے نام پر قرآن کریم میں تصحیف وتحریف کا دروازہ کھولا۔
مستشرقین مختلف مصاحف قدیمہ میں وارد تفسیری روایات، شاذہ قراءات اور ذاتی ونجی مصاحف کی بناء پر ان میں موجود رسم عثمانی کے برعکس رسم قیاسی و املائی کو بھی قرآن میں تحریف کا ایک اہم ذریعہ قرار دیتے ہیں۔
چنانچہ مصاحف قدیمہ میں رسم اور قراءات کی تبدیلیوں کو اکثر مستشرقین قرآنی نص میں ارتقاءات کا نام دیتے ہیں، بیسویں صدی عیسوی میں جن مستشرقین نے خصوصیت سے متن قرآنی میں ارتقاءات کا نظریہ قائم کیا ہے ان میں گولڈ زیہر (Goldziher)،الفونس منگانا (Alphonse Mingana)، آرتھر جیفری (Arthur Jeffery)اور ڈاکٹر جی- آر پیوئن (Dr.G.R.Puin) قابلِ ذکر ہیں، زیرنظر مقالہ میں ہم قرآنی نص کے بارے میں ان کے افکار وآراء کا تنقیدی جائزہ پیش کریں گے۔

اجناس گولڈ زیہر اور نظریہ ارتقاءات قرآنیہ

اجناس گولڈ زیہر (م۱۹۲۱ء) مستشرقین کے اس طبقہ سے تعلق رکھتا ہے جس نے اسلامی شریعت اور اس کے بنیادی مصادر کو اپنی تنقید کا خصوصی مرکز بنایا ہے۔ بوڈاپسٹ(Budapest)، برلین (Berlin)، لیزگ (Leipzig) اور لائیڈن (Leiden) کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرتا رہا بعد ازاں شوقِ علم اس کو شام کے مشہور عالم شیخ طاہر الجزائری کی پاس لے گیا اور ان کی صحبت میں کافی عرصہ گذارا، اس کے بعد فلسطین اور پھر مصر منتقل ہوا جہاں جامعہ ازہر کے علماء سے استفادہ کیا۔(۱) واضح رہے کہ جامعہ ازہر قاہرہ میں کسی غیر مسلم کا داخلہ قانوناً ممنوع تھا لیکن گولڈ زیہر نے خصوصی اجازت حاصل کرکے اس میں داخلہ لے لیا اور بحیثیت طالب علم وہاں پڑھنا شروع کیا۔(۲)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گولڈزیہر نے جرمن، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں کتب تصنیف کیں جن کا تعلق اسلامی فرقوں کی تاریخ، فقہ، عربی ادب اور علومِ قرآنیہ سے تھا۔(۳) اس نے اپنی زندگی کے کئی سال اِسلامی موضوعات کی تحقیق وتفتیش میں گذارے اور متعدد موضوعات پر قلم اٹھایا اور مختصر عرصہ میں اس کی تالیفات وتعلیقات اورابحاث ومقالات کی اچھی خاصی فہرست منظرِ عام پر آ گئی۔(۴)

'مذاهب التفسير الاسلامی' کتاب اس کے ترکہ میں بہت زیادہ اہمیت اورشہرت کی حامل ہے اور بلا شک وشبہ یہ کتاب مستشرقین کے لیے علمی سرمایہ ہے، اس کتاب میں اسلام کے مبادیات اورقرآنی علوم پر جس طرز اوراُسلوب سے بحث کی گئی ہے وہ مستشرقین کے نزدیک نہایت بلند مرتبہ کام ہے۔(۵)

گولڈزیہر کے نظریات میں بسا اوقات اسلامی مصادر اوراس کی تعلیمات کے حوالہ سے پوشیدہ روّیوں کا اظہار بھی ہوتا ہے جس کو نہ صرف مسلم علماء بلکہ خود مستشرقین نے بھی اعتراف کرتے ہوئے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر برنارڈ لیوس نے گولڈزیہر کی کتاب "Introduction to Islamic Theology" کے حالیہ انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۹ء کے مقدمہ میں لکھا ہے:

''گولڈزیہر کو خیال ہی نہیں تھا کہ اس کی کتابوں کے قاری مسلمان بھی ہوں گے، اسلئے کہ یہ لوگ اپنا مخاطب مغرب کے قارئین کو ہی بناتے تھے۔ چنانچہ اس عہد کے دوسرے مصنفین کی طرح گولڈزیہر بھی قرآن کو پیغمبرِ اسلام کی تصنیف کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک ایسا کہنا اسلام کی سخت تنقیص ہے، علاوہ ازیں اسلام پر لکھنے والے تمام مغربی مصنفین کی طرح گولڈزیہر بھی قرآن وحدیث میں عہدِ جاہلیت کے بعض اجنبی اثرات پر بحث کرتا ہے۔ یہ موضوع بھی حساس مسلمانوں کے لیے سخت تکلیف دہ ہے''۔(۶)

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کے نزدیک گولڈزیہر اپنی علمی بددیانتی، عداوت اورخطرات کے لیے کسی تعارف کا محتاج نہیں، قرآن مجید اور علمِ حدیث کے موضوع پر خصوصیت سے اس کا قلم پھیلا ہے اور متعدد شبہات قائم کیے ہیں جو بالکلیہ اِستشراقی فکر کی پیداوار ہیں۔(۷) گولڈزیہر 'دائرۃ المعارف الاسلامیہ' کے محررین میں سے ایک ہے۔ قرآن پاک کو محمد ﷺ کا کلام قرار دیتا ہے اوراسلام کو مفتریات کا مجموعہ۔(۸)

قرآن مجید کی قراءات، تفسیر اور تفسیر کے مختلف مناہج واَسالیب کے حوالہ سے گولڈزیہر کی مشہور کتاب کا عربی ترجمہ ''مذاهب التفسير الاسلامی'' کے نام سے قاہرہ یونیورسٹی کے استاذ ڈاکٹر عبدالحلیم النجار نے کیا ہے یہ ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۹۵۵ء میں مصر سے شائع ہوکر اربابِ علم وادب میں بہت مقبول ہوا۔

اگرچہ اسلامی موضوعات میں تحقیق کے دوران قراءاتِ قرآنیہ براہِ راست اور مستقل طور پر گولڈزیہر کا موضوع نہیں رہا تاہم 'مذاهب التفسير الاسلامی' میں خاص طور پر پہلے باب کے آغاز میں ۷۰ صفحات، قرآنی متن میں اِضطراب اورنقص ثابت کرنے کے لیے حدیث سبعۂ احرف کی اِستنادی حیثیت اورقراءات کی حجیت وقطعیت پر بہت سے اعتراضات وشبہات پر مشتمل ہیں۔

راقم کے خیال میں اگر نصِ قرآنی کی عدمِ توثیق کے متعلق مستشرقین کی کوششوں کا جائزہ لیا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گولڈزیہر کے تحریر کردہ یہ صفحات بعد میں آنے والے مستشرقین کے لیے بنیادی فکر فراہم کرنے میں مصدر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود مترجم کتاب ڈاکٹر عبدالحلیم النجار کے بقول یہ کتاب قرآن مجید کے مختلف موضوعات اور اسلامی ثقافت اور تاریخ کے اہم پہلوؤں کو عمدہ منہج اور اسلوبِ بحث سے پیش کرنے میں اپنی نوعیت کا منفرد اور بالکل نئے طرز کا کارنامہ ہے۔(۹)

لیکن اس کے باوجود ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ یہودی مستشرقین کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے کہ وہ مکر اور برائی کے راستوں سے بڑی صفائی سے گذرنے کا فن رکھتے اور قاری کی طبیعت کو اپنے نظریات سے شناسائی بہم پہنچانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ مدح وتوصیف سے سفر شروع کر کے مخفی طریقوں سے پے بہ پے شبہات وارد کرتے ہیں۔(۱۰) غرض مخفی شکوک وابہام پیدا کرنے میں صیہونی مزاج ایک معروف ومسلّم پس منظر رکھتا ہے۔ یہی غیر تحقیقی مزاج گولڈ زیہر کی تحقیقات میں بھی جا بجا ملتا ہے۔

اگرچہ گولڈ زیہر کے نص قرآنی اور قراءات کے حوالہ سے پیش کردہ اعتراضات کے اجمالی سطح پر رد کے لیے متعدد عربی مقالات وتالیفات سامنے آئی ہیں، مثلاً ڈاکٹر عبدالحلیم النجار نے 'مذاهب التفسیر الاسلامی' کے حواشی میں گولڈ زیہر کے نظریات کا خوب رد کیا ہے۔(۱۱) ڈاکٹر عبدالوہاب حمودہ نے اپنی کتاب 'القراء ات واللهجات' میں دسویں فصل اسی کے لیے مخصوص کی ہے۔(۱۲) شیخ عبدالفتاح القاضی نے اس حوالہ سے انتہائی علمی کتاب 'القراء ات فی نظر المستشرقین والملحدین' لکھی۔(۱۳) ڈاکٹر عبدالفتاح اسماعیل شلبی نے 'رسم المصحف العثمانی وأوهام المستشرقین فی قراء ات القرآن الکریم، دوافعها ودفعها'' اسی مقصد کے لیے تالیف کی۔(۱۴) ڈاکٹر ابراہیم عبدالرحمٰن خلیفہ نے 'دراسات فی مناهج المفسرین' میں ایک طویل فصل گولڈ زیہر کے رد کے لئے مخصوص کی۔(۱۵) عبدالرحمٰن السید نے ایک مقالہ بعنوان 'جولد تسهیر والقراء ات' تحریر کیا۔(۱۶) اس کے علاوہ طاہر عبدالقادر الکردی نے 'تاریخ القران وغرائب رسمه وحکمه' میں بھی مختصراً اس پر کلام کیا ہے۔(۱۷) آمدہ صفحات میں ہم گولڈ زیہر کی کتاب 'مذاهب التفسیر الاسلامی' میں وارد قراءاتِ قرآنیہ پر مبنی ایک اہم شبہ کا نقد وتجزیہ پیش کریں گے۔

اختلافِ قراءات.....نصِ قرآنی میں سبب اضطراب

گولڈ زیہر نے قرآنی نص کو محلِ اضطراب اور غیر ثابت متن قرار دینے کے لیے قراءات کو اپنا ہتھیار بنایا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ تمام تشریعی کتب میں سے قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کو سب سے زیادہ اِضطراب اور عدمِ ثبات کا سامنا کرنا پڑا، اس نے دیگر کتب ساویہ سے قرآن کا تقابل کرتے ہوئے نصِ قرآنی کی بابت زیادہ شبہات پیش آنے کا نظریہ قائم کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

”لایوجد کتاب تشریعی اعترفت به طائفة دینیة اعرافاً عقدیا علی أنه نص منزل أو موحی به یقدم نصه فی أقدم عصور تداوله مثل هذه الصورة من الاضطراب وعدم الثبات کما نجد فی نص القرآن“(۱۸)

یعنی کسی بھی مذہب کے عقیدہ کی آسمانی یا الہامی کتاب جس کی نص کو موجودہ دور میں سب سے زیادہ اضطراب اور عدمِ ثبات کا مسئلہ درپیش ہے وہ قرآنی نص ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم اس شبہ کا جواب دینے سے قبل یہ وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ اس طرح کے اشکالات ملحدین بہت پہلے سے کرتے چلے آرہے ہیں اور اہلِ علم ان کا بڑی شدومد سے جواب بھی دے چکے ہیں۔نصِ قرآنی کی عدمِ توثیق کے حوالہ سے بنیادی طور پر ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ) نے متفرق بنیادی شبہات کا اصولی رد کر دیا ہے اور اس اعتراض پر تفصیلی کلام کیا ہے۔(۱۹)

ہمارے خیال میں مستشرق موصوف کا یہ دعویٰ دو لحاظ سے بڑا تعجب خیز ہے:

① گولڈ زیہر نے سابقہ شریعتوں کی کتب کو ان کی اصلی نصوص میں نہیں دیکھا تو کیسے حکم لگا سکتا ہے کہ ان میں قرآن کی طرح متعدد قراءات و وجوہ نہیں تھیں۔

② جبکہ اسی باب میں گولڈ زیہر تلمود،تورات کے ایک ہی وقت میں کثیر زبانوں میں نازل ہونے کا قول اختیار کرتا ہے۔(۲۰)

غرض گولڈ زیہر کا یہ اعتراض تاریخی اور عقلی ہر دو اعتبار سے باطل ہے جس پر دلائل پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔نصِ قرآنی کو کسی قسم کا کوئی اضطراب یا عدمِ ثبات پیش نہیں آیا، کیونکہ اِضطراب اور عدمِ ثبات کا مطلب یہ ہے کہ کسی نص کو مختلف وجوہ اور متعدد صورتوں پر اس طور پڑھا جائے کہ ان صورتوں کے مابین معنی اور مراد ایک دوسرے کے منافی اور معارض ہوں یا ان کا ہدف ومقصود بالکل مختلف چیزیں ہوں اور وہ مفہوم ایسا ہو کہ روایات سے اس کا ثبوت بھی نہ ہو،لیکن اگر نص میں وارد ہونے والی مختلف صورتیں متواتر روایات پر مبنی ہوں اور معنی میں بھی تضاد واقع نہ ہوتو اس کو اضطراب یا عدمِ ثبات نہیں کہا جاتا۔جبکہ قرآن میں موجود وجوہ اور صورتیں ہر قسم کے تناقض سے پاک ہیں اور نہ ہی ان کے معانی میں تعارض وتضاد ہے بلکہ وہ تمام صورتیں ایک دوسرے کو ظاہر اور ثابت کرتی ہیں۔(۲۱)

قرآن کی معتمد قراءات ،بسا اوقات، ایک ہی نص میں مختلف ہوتی ہیں،لیکن ان سب کی نسبت چونکہ مصدرِ اصلی (رسول اللہ ﷺ) کی طرف ہوتی ہے لہٰذا وہ تمام صورتیں بھی قرآن ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کے بقول قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے اور آپ ﷺ نے اجازت دی کہ جس میں سہولت ہو وہی اختیار کرلو۔(۲۲)

بعض عیسائیوں نے غالبًا اپنی کتاب میں بےشمار تحریفات اور انجیل کے مختلف نسخوں میں اختلافات کو قرآنی قراءات کی طرح قرار دیتے ہوئے یہ کہا کہ:

إننا مختلفون فی قراءة کتابنا فبعضنا
یزید حروفا وبعضنا یسقطها(۲۳)

اس کے جواب میں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (م ۴۵٦ھ) نے قرآنی قراءات کے اختلاف کی نوعیت کو اس طرح بیان کیا ہے:

”فلیس هذا اختلافا،بل هو اتفاق منا صحیح؛ لان تلك الحروف وتلك القراء ات کلها مبلغ بنقل الکواف إلی رسول الله ﷺ إنها نزلت کلها علیه؛ فأی تلك القراء ات قرآنا فهی صحیحة وهی محصورة کلها مضبوطة معلومة لازیادة فیها ولا نقص؛ فبطل التعلق بهذا الفصل ولله الحمد“(۲۴)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

امام قرافی رحمہ اللہ نے نصاریٰ کے اس زعم کے جواب میں کافی طویل بحث کی ہے جس میں انہوں نے انجیل اورقرآنی آیات کے درمیان فروق کوواضح کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ قراءاتِ مختلفہ کی اِجازت کا پس منظر قبائل عرب کی مختلف لغات تھیں،کوئی امالہ کرتا تو کوئی تفخیم،کسی کی لغت میں مد ہے کسی میں قصر،کسی کے نزدیک حروف میں جہر ہےتو کسی کے نزدیک اخفاء۔اگرسب کو ایک ہی لغت کا مکلّف قرار دیا جاتا تو ان کو مشقت اٹھانی پڑتی،اس مشقت کو دور کرنے کیلئے قراءات نازل ہوئیں اور یہ سب کی سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر طریقہ سے مروی ہیں۔سو ہمیں ان تمام قراءات پر اعتماد ہے کہ یہ من جانب اللہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے نکلی ہوئی ہیں۔اس کے برعکس عیسائی اپنی اناجیل کے مصنفین کو عادل راویوں کے ذریعہ ثابت کرنے سے بھی قاصر ہیں۔اس لحاظ سے عالمِ عیسائیت کے پاس انجیل کے کسی حرف کے بارے میں یہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اللہ کا کلام ہے لہٰذا انجیل کے حاملین، مسلمانوں کے قرآن کے اصول وقواعد کا اپنی کتاب پر اطلاق کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔(۲۵)

غرضیکہ اختلافِ قراءات،اضطراب اورعدمِ ثبات کے قبیل سے نہیں بلکہ یہ سب قراءات ہمیں یقینی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریقِ تواتر وصول ہوئی ہیں اوران میں سے ہرقراءت قرآن ہے۔لہٰذا گولڈزیہر کا یہ شبہ کسی طرح کی عقلی ونقلی دلیل سے قطعاً عاری ہے اوراگر یہ قرآن کسی غیر کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت زیادہ اختلاف ہوتا،لیکن چونکہ یہ اللہ کا کلام ہے اس لئے اختلافات سے پاک ہے۔تاہم اختلافِ قراءات کی نوعیت سے واقفیت نہایت ضروری ہے۔

قراءات کا اختلاف اس اختلاف کے قبیل سے نہیں جس میں تضاد یا تناقض پایا جاتا ہے بلکہ یہ اختلاف،تغایر اورتنوع کا ہے جوقرآنی اعجاز کی علامت ہے۔ابن قتیبہ رحمہ اللہ (م۲۷۶ھ)اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”الاختلاف نوعان: اختلاف تغاير، واختلاف تضاد فاختلاف التضاد لايجوز، وليست واجده بحمد الله فى شئ من القرآن الا فى الامر والنهى من الناسخ والمنسوخ واختلاف التغاير جائز“(۲۶)

تغیر وتنوع کا یہ اختلاف قرآنی قراءات میں موجود ہےاور ہرقراءت ایک مستقل آیت کے حکم میں ہے یقیناً یہ اختلاف ’ایجاز‘ کو واضح کرتا ہے۔قرآن کا سارا مزاج ارشاد وتعلیم کے اسی راستہ پر چلتا ہے۔(۲۷)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ولا نزاع بين المسلمين أن الحروف السبعة التى أنزل القرآن عليها لا تتضمن تناقض المعنى وتضاده، بل قد يكون معناها متفقاً أو متقارباً، كما قال عبد الله ابن مسعود: إنما هو كقول أحدكم: اقبل، وهلم وتعال“(۲۸)

قراءات کے مابین اختلاف کی ممکنہ صورتیں

قراءات کے مابین اختلاف تین حال سے خالی نہیں ہوتا:

① لفظ مختلف ہوں اور معنی متحد۔

② لفظ اور معنی دونوں مختلف ہوں،لیکن تضاد کے بغیر ایک مفہوم میں جمع ہوں۔

③ لفظ اور معنی مختلف ہوں،ایک شے میں اجتماع بھی ممکن نہ ہو،لیکن ایک دوسری وجہ سے تضاد کے بغیر جمع ہوجائیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تنوعِ قراءات کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

① رَبَّنَا بَاعِدْ اور بَاعَدَ (۲۹)

② اِلَّا اَنْ یُّخَافَا الَّا یُقِیْمَا اور الَّا اَنْ یَخَافَا الا یقیما (۳۰)

③ وَاِنْ کَانَ مَکْرھم لِتَزُوْلُ اور لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَال (۳۱)

④ یخدعون اور یخادعون (۳۲)

⑤ یَکْذِبُوْنَ اور یُکَذِّبُوْنَ (۳۳)

⑥ لمستُمْ اور لامستم (۳۴)

⑦ حَتّٰی یَطْهُرْنَ اور یَطَّهَّرْنَ (۳۵)

ہر قراءت دوسری قراءت کے لیے ایسی ہی ہے جیسے ایک آیت دوسری آیت کے لیے، ہر ایک پر ایمان واجب ہے اور جو معنی وہ قراءات رکھتی ہیں اس کا اتباع بھی واجب ہے۔ تعارض کا گمان کرتے ہوئے دو وجوہ میں سے کسی ایک کو ترک کرنا جائز نہیں بلکہ خود حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”من کفر بحرف فقدکفر به کله“(۳۶)

جن قراءات میں لفظ اور معنی دونوں متحد رہتے ہیں ان کا تنوع دراصل کیفیتِ نطق میں ظاہر ہوتا ہے مثلاً: ہمزات، مدات، امالات اور نقلِ حرکات، اظہار، ادغام، اختلاس، لام اور راء کو باریک کرنا یا موٹا کرنا وغیرہ جن کو قراء 'اصول' کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان میں کوئی تناقض اور تضاد نہیں ہوتا، کیونکہ ایک لفظ کی ادائیگی کے مختلف طریقے لفظ کو مختلف نہیں بناتے بلکہ لفظ بدستور اسی طرح رہتا ہے اور بسا اوقات اَدائیگی کے انہی طریقوں سے متعدد معانی نمودار ہوتے ہیں جو رسم میں متحد ہونے کے باوجود متنوع معانی کے حامل ہوتے ہیں۔(۳۷)

غرض جملہ قراءات حق ہیں اور ان کا اختلاف بھی حق ہے، اس میں کوئی تضاد اور تناقض نہیں۔ قرآن مجید ہر تحریف وتبدیلی یا اضطراب واختراع سے پاک واحد کتاب ہے جس کا تقابل دنیا کی کوئی کتاب نہیں کرسکتی۔ چنانچہ یہ دعویٰ برمحل ہوگا کہ قرآن ہی وہ واحد کتاب ہے جس کی نص کو اضطراب اور عدمِ ثبات پیش نہیں آیا اور باقی تمام کتب تحریفات کا شکار ہوئی ہیں اور اس حقیقت کے دونوں پہلوؤں کے دلائل مختصر انداز سے تحریر کردیئے گئے ہیں۔

قرآن کے متعدد متون اور عدم وحدت

گولڈ زیہر اپنی کتاب میں مختلف قراءات پر تنقید اور ان کو قرآنی متن میں سبب اضطراب قرار دینے کے ساتھ ساتھ یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ مختلف قراءات دراصل قرآن کے متعدد متون ہیں اور تاریخ اسلامی کے کسی دور میں نصِ واحد کے ساتھ قرآن منظرِ عام پر نہیں آسکا ماسوا چند اقدامات کے جن کا اثر مستقل نہیں رہا۔ اس ضمن میں وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع قرآن کے کارنامہ کو نصِ قرآنی کی وحدت کی طرف اہم قدم قرار دیتا ہے، لکھتا ہے:

”وفی جمیع الشوط القدیم للتاریخ الإسلامی لم یحرز المیل إلی التوحید العقدی للنص إلا انتصارات خفیفة“(۳۸)

اس شبہ کا حاصل دو چیزیں ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◉ قراءاتِ مختلفہ قرآن کے متعدد متون ہیں، لہٰذا قرآن ایک نہیں ہے۔
◉ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کو ایک کر دیا۔

گولڈ زیہر اپنے شبہات میں تدریجی رنگ اختیار کرتے ہوئے اوّلاً نصِ قرآنی کو مضطرب گردانتا ہے پھر جمعِ عثمانی سے ماقبل مصاحف کا مصحفِ عثمانی سے تقابل کرتا ہے جس کے بعد اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قرآن کے مختلف Versions ہیں۔ اس کے بعد مذکورہ بالا شبہ پیش کیا جو سابقہ شبہات کا ہی تسلسل ہے۔

گولڈ زیہر کے نزدیک مسلمان ہمیشہ قرآنی نص کی وحدت کی طرف رغبت رکھتے تھے لیکن ان کی یہ خواہش بارآور ثابت نہیں ہوسکی البتہ دورِ عثمانی میں کچھ کامیابی حاصل ہوئی۔ یہاں یہ واضح رہے کہ گولڈ زیہر بھی دیگر مستشرقین کی طرح دلائل سے قطع نظر پہلے سے طے شدہ نظریات ہی کو اپنا واحد وظیفہ بناتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان دعووں پر اس نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ بہرطور جواباً چند نکات ملاحظہ ہوں:

◉ کسی ایک مسلمان سے بھی یہ ثابت نہیں کہ اس نے کبھی یہ خیال کیا ہو کہ قرآن کریم کی کئی نصوص ہیں، ان کو ایک کر دیا جائے اور اگر ایسا ہوتا تو ہم تک یہ بات ضرور پہنچتی۔
◉ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کی جو کتابت کروائی اور ان کو مختلف ممالکِ اسلامیہ کی طرف اِرسال کیا اور لوگوں کو اس پر مامور کیا، اس کا باعث توحیدِ نصِ قرآنی کی طرف میلان نہیں تھا بلکہ تمام مسلمانوں کو قراءاتِ ثابتہ پر اکٹھا کرنے کی رغبت تھی تاکہ متواتر قراءات کے علاوہ قراءات کا خاتمہ ہو اور امت پر آسانی اور سہولت ہو جائے۔ (۳۹)
◉ مصاحف میں قرآن کی کتابت کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اہلِ حمص، اہلِ دمشق اور اہلِ کوفہ و بصرہ کی یہ خبر پہنچی کہ ان میں سے ہر ایک اپنی قراءت کو دوسرے کی قراءت سے بہتر کہتا ہے اور لوگ نزاع میں مبتلا ہو رہے ہیں تو اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے تقریباً بارہ ہزار کی تعداد میں صحابہ رضی اللہ عنہم جمع ہوئے اور یہ رائے دی کہ لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ خلافتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ میں جمع کردہ مصحف کو، جو اس وقت حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، منگوا کر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت کو حکم دیا کہ وہ اس سے عرضۂ اَخیرہ کا لحاظ رکھتے ہوئے مصاحف تیار کریں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان مصاحف کی تیاری کے بعد ہر مصحف کے ساتھ ایک ایک قاری بھی مختلف شہروں میں بھیجا تاکہ وہ رسمِ مصحف کے مطابق متواتر قراءات کی تعلیم دے۔ اس طرح ان علاقوں میں تابعین حفاظ کا ایک جمِ غفیر پیدا ہوگیا جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے براہِ راست شاگرد تھے۔

قاضی ابوبکر باقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”لم يقصد عثمان قصد أبي بكر في جمع القرآن بين لوحين، وإنما قصد جمعهم على القراءات الثابتة المتواترة المعروفة عن النبي ﷺ والغاء ماليس كذلك“(۴۱)

”یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا میلان اور قصد قرآن کو دو تختیوں میں جمع کرنا نہیں تھا بلکہ متواتر اور ثابت قراءات کا جمع وتحفظ مقصود تھا جو پورا ہوا۔“

◉ حافظ ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ کا قول ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت نے باطل اور غیر معروف قراءات کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گنجائش کو مصحف سے نکال باہر کیا اور صرف منقول اور متواتر قراءات کو محفوظ کر دیا۔ مزید لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فعل اور قصد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قصد، قرآن کو دوگتوں میں محفوظ کرنے، کی طرح نہ تھا بلکہ یہ قراءاتِ ثابتہ کو جمع کرنا تھا۔(۴۲)

- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآنی متن کو نقاط اور اعراب سے خالی رکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا میلان اور رغبت لوگوں کو متواتر قراءات پر جمع کرنا تھا اور منسوخ و شاذ قراءات سے چھٹکارا دینا تھا۔(۴۳)
- اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصد توحیدِ نصِ قرآنی ہوتا تو وہ مصاحف کو ایک ہی صورت میں لکھواتے اور ان کے مابین کوئی اختلاف بھی موجود نہ ہوتا۔ پس مختلف صورتوں اور متعدد کیفیات پر اس کی کتابت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے توحیدِ نصِ قرآنی کا ارادہ نہیں کیا بلکہ بطریقِ تواتر منقول قراءات پر لوگوں کو جمع کرنا مقصود تھا۔(۴۴) بالفرض اگر انہوں نے نص کو ایک کیا ہے تو یہ مروجہ قراءاتِ مختلفہ کیا ہیں؟

مصاحف اور قراءات کے مطالعہ میں جیفری کا نظریہ ارتقاء

مشہور مستشرق آرتھر جیفری نے مصاحف عثمانیہ سے قبل بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول قراءات (جنہیں وہ مصاحف شمار کرتا ہے) پر نقد و جرح کی غرض سے ابن ابی داوٗد (م ۳۱۶ھ) کی 'کتاب المصاحف' کا انتخاب کیا۔ جس سے اس کا مقصد قرآنی نص کو مضطرب اور مشکوک انداز میں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے متعدد متون میں ارتقاء ثابت کرنا ہے۔ ہم اس بحث میں آرتھر جیفری کے منہج تحقیق و تنقید پر اُصولی بحث کرتے ہیں تاکہ قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ دراصل تحقیق میں دیانتدارانہ طریقۂ کار کبھی بھی مستشرقین کے حصہ میں نہیں آیا۔

جیفری کے منہج تحقیق کی تقییم

- آرتھر جیفری نے اس کتاب کی Editing کیلئے نسخۂ ظاہریہ پر اعتماد کیا ہے اور اس کا تقابل دارالکتب المصریۃ والے مخطوط سے کیا ہے، حالانکہ مؤخر الذکر نسخہ، نسخہ ظاہریہ سے ہی نقل کیا گیا ہے اور دراصل یہ دونوں ایک ہی نسخہ کی دو شکلیں ہیں نہ کہ دو الگ الگ نسخے۔ اس کے باوجود مستشرق موصوف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ متقابل نسخہ ہے۔(۴۵)
- جیفری نے اپنے مقدمہ میں اس نسخہ کے پہلے ایک دو اَوراق کے سقوط کا ذکر کرتے ہوئے جس گمان کا اِظہار کیا ہے وہ اس کے پہلے سے طے شدہ نتائج کی بھرپور غمازی کرتا ہے۔ اس کے زعم میں اس کتاب کے اصل نسخہ سے کئی صحف ساقط ہیں خصوصاً ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءات اور طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہ کی قراءات پر مشتمل فصول (۴۶) حالانکہ یہ گمان بلا دلیل ہے۔
- مقدمہ کے آخر میں جہاں ابن ابی داوٗد رحمہ اللہ کے کچھ حالات ذکر کیے گئے ہیں، وہیں مخطوط نسخہ میں بعض سماعات کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن میں سے بہت زیادہ تعداد میں سماعات کو جیفری نے ترک کیا ہے۔ اس کی وجہ سماعات کی اہمیت، فوائد اور ان کے نتائج و مقاصد سے ناواقفیت ہے۔(۴۷)
- ہمیشہ کسی مخطوط کی تحقیق اس اصول کی روشنی میں ہوتی ہے کہ مصنف کتاب کی اصل عبارت جوں کی توں رہے اور محقق کے وضاحتی نوٹس بریکٹس ([ ]) یا حاشیہ میں جگہ پائیں لیکن آرتھر جیفری نے اس کے برعکس کتاب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

المصاحف کی تحقیق میں اس اہم اصول سے عدول کرتے ہوئے کئی مقامات پر متن کتاب میں اَبواب کے اِضافے کیے ہیں۔مثلاً مخطوط نسخہ کے مطابق آغاز کسی اثر کی سند سے ہو رہا ہے جس کا پہلا حصہ حذف ہے، لیکن جیفری نے اپنی طرف سے باب کا عنوان باندھا ہے مثلاً ”باب من کتب الوحی لرسول اللہ ﷺ“ اسی طرح کتاب کے مزید کئی مقامات پر اس روش پر عمل کرتے ہوئے عنوان کے ساتھ باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔مثلاً مصنف کے عنوان ”جمع ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ القرآن فی المصاحف بعد رسول اللہ ﷺ“(۴۸) سے قبل ”باب من جمع القرآن“ کا اضافہ کیا ہے۔اسی طرح اثر نمبر ۳۴۴ سے پہلے اپنی طرف سے ”ما اجتمع علیه کُتّاب المصاحف“ عنوان کا اضافہ کیا۔(۴۹)

لطف کی بات تو یہ ہے کہ جیفری کی تحقیق کے دوران چند ایسے مقامات بھی نظر سے گذرے ہیں جہاں لفظ باب کی کوئی ضرورت نہیں تھی، لیکن اس کو رقم کرنے میں حرج نہ سمجھا گیا۔شاید اس کی وجہ مخطوطہ کی تصحیح سے زیادہ صاحب کتاب کی تصحیح مقصود تھی مثلاً ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کے عنوان ”اختلاف خطوط المصاحف“(۵۰) کو ’باب اختلاف خطوط المصاحف“ لکھا گیا ہے۔

- متعدد مقامات پر اپنی طرف سے کلمات کے بے جا اضافہ جات بھی جیفری کے منہج تحقیق کو غیر محکم اور پر نقص بناتے ہیں، غالباً جیفری نے ان کلمات کا اِضافہ کسی ’اثر‘ کے معنی کی تکمیل کی غرض سے کیا ہوگا، لیکن حقیقت میں درست مفہوم زیادتی کلمہ کے بغیر زیادہ درست اور واضح تھا اور عین مخطوطہ کے الفاظ ہی حقیقی اور معنی کی تکمیلی شکل تھے۔ مثال کے طور پر اثر نمبر ۲۶ میں جیفری نے حرف ﴿فی﴾ کا اضافہ ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کی عبارت ”فنسخها عثمان هذه المصاحف“ میں ”فی هذه المصاحف“(۵۱) کے ساتھ کیا ہے حالانکہ علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے اسی اثر کو ’فی‘ کے بغیر ذکر کیا ہے اور وہی صحیح ہے۔(۵۲)
- کتاب المصاحف میں مذکور بعض آثار کی اسناد بیان کرنے میں بھی جیفری سے بہت زیادہ اغلاط سرزد ہوئی ہیں جو یقیناً تحریف کے زمرے میں آتی ہیں۔مصادر و مراجع کی قطعیت (Authenticity) جس طرح مستشرقین کے نزدیک غیر اہم ہے، جس کی بناء پر عموماً ان کے ساتھ غیر محققانہ رویہ روا رکھا جاتا ہے، اور مسلم علماء و محققین ان کی نام نہاد تحقیقات کو قابل اعتناء نہیں گردانتے، اسی طرح اس کتاب کی تحقیق میں بھی غیر محتاط اور غیر سنجیدہ اُسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ہمیں مستشرق موصوف کی عربی لغت میں عدمِ مہارت کا بخوبی احساس ہے، لیکن اس قدر حساس اور نازک موضوع پر جسارت سے قبل کم از کم اس کا احساس ضروری تھا جس کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔
- محقَق نسخہ میں کئی مقامات پر باہم مشابہ حروف کو ایک دوسرے کی جگہ لکھ دیا گیا ہے مثلاً: اثر نمبر ۳۱۶ میں مصنف کا قول ہے: ”والحسن بن أبی الربیع أن عبد الرزاق“ کو مستشرق نے ”بن عبد الرزاق“ کر دیا ہے۔(۵۳)

اسی طرح اثر نمبر ۴۱۴ میں ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کا قول ہے: ’نا محمد نا شعبة‘ جبکہ جیفری نے ’محمد بن شعبة‘ لکھا ہے۔(۵۴) اس میں پہلے ’نا‘ کو غیر ضروری سمجھ کر حذف کر دیا گیا اور دوسرے ’نا‘ کو ’بن‘ کر دیا گیا۔ حالانکہ حدیث کی اصطلاح میں یہ الفاظ ’حدثنا و أخبرنا‘ کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثر نمبر ۴۲۴ میں مصنف کا قول ہے: 'محمد عن سفیان'' میں مستشرق موصوف نے اس کو 'محمد بن سفیان' کر دیا ہے۔(۵۵)

- اکثر مقامات پر جیفری نے آثارِ منقولہ کے رجال کی تعیین میں خطا کی ہے مثلاً وہ عموماً کہتا ہے 'لعله فلان' یعنی شاید یہ وہ ہیں حالانکہ صحیح اس کے علاوہ کوئی اور ہوتا ہے۔ مثلاً اثر نمبر ۳۲۱ میں ''عن (یونس)'' کے متعلق کہتا ہے کہ اس سے مراد ابن حبیب رحمہ اللہ ہیں جبکہ صحیح یہ ہے کہ وہ یونس بن یزید الدیلی رحمہ اللہ ہیں۔(۵۶) اسی طرح کی غلطی اثر نمبر ۵۱۸ میں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔(۵۷)
- ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کے چچا کی تعیین میں جیفری سے سخت غلطی ہوئی ہے اس کے نزدیک ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کے چچا یعقوب بن سفیان رحمہ اللہ ہیں جن کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے۔(۵۸) جیفری کی اس خطاء کا سبب اس کا عبارت نقل کرنے میں غیر محتاط اسلوبِ تحقیق ہے، چنانچہ اس نے مولف کے اس قول "حدثنا عمی ویعقوب بن سفیان'' میں 'عمی' کے بعد واؤ عاطفہ کو حذف کر دیا ہے جس کے نتیجے میں اس کو یہ گمان ہوا کہ یعقوب رحمہ اللہ مولف کے چچا ہیں حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ یعقوب رحمہ اللہ، ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کے شیخ تھے اور آپ کے چچا محمد بن الاشعث السجستانی رحمہ اللہ ہیں۔(۵۹)

ہم یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں کہ باشعور قاری کے لیے کسی درست نتیجہ تک پہنچنے کے لیے سند کا کس قدر اہم کردار ہوتا ہے اور اگر وہی غیر صحیح اور محرف حالت میں ہو تو روایت سے وہ نتائج اخذ نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ کوئی ٹھوس حقیقت یا دعویٰ کی صورت اختیار کرتی ہے۔ سلسلۂ سند میں رجال کی معرفت اور اس کا ایصال صحیح سلسلوں سے مؤکد ہونا سب سے ضروری ہوتا ہے، جس کے اِدراک سے جیفری قطعاً عاری نظر آتا ہے۔

- Materials میں مختلف قراءاتِ قرآنیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جیفری نے "دلنا بدل اهدنا" کی بجائے "دلنا يدك اهدنا" لکھا ہے۔(۶۰) بقول ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری ''جب تک جیفری اپنے مصادر کا تعین نہ کرے کہ وہ یہ الفاظ کہاں سے لے رہا ہے اس وقت تک حصولِ اطمینان محال ہے۔''(۶۱)
- ایک محققِ کتاب کے لیے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ صاحب کتاب کے ان اَقوال وروایات پر بھی بحث کرے جو جمہور علماء کے خلاف ہوں یا جن کی سند میں نقص ہو، صاحب کتاب کے متضاد اور غیر منطقی اَقوال ودلائل پر بھی کڑی نظر رکھتے ہوئے ان کی نشاندہی کرے۔ چنانچہ بالغ النظر اور دیانتدار محقق ہمیشہ ان اُصول وقواعد کو مدنظر رکھتا ہے، لیکن بدقسمتی سے جیفری ان اصولوں کی پاسداری نہیں کر سکا۔ ہم اس کی وجوہات ذکر کرنے کی بجائے ان چند مقامات کی نشاندہی کئے دیتے ہیں جو ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کی 'کتاب المصاحف' میں ایک عام فہم آدمی کے نزدیک بھی قابلِ گرفت شمار ہوتے ہیں۔ لیکن جیفری نے ان سے تغافل برتا ہے۔
- جیفری، ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کی استعمال کردہ 'مصحف یا مصاحف' کی اصطلاح کو واضح نہیں کر سکا اور نہ ہی اس بات کو ذکر کیا ہے کہ ابن ابی داؤد رحمہ اللہ اس کو کتنے معانی ومفاہیم میں استعمال کرتا ہے۔(۶۲) مثلاً اس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب منسوب مختلف قراءات کو مصحف کے عنوان سے بیان کیا ہے، اسی طرح مصحف کو حرف یا قراءت کے معانی میں بھی استعمال کیا ہے۔(۶۳) لہٰذا اس اصطلاح سے قطعی طور پر یہ مفہوم اخذ کرنا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصاحف جمع تھے، بذاتِ خود دو مختلف معنوں کا شبہ پیدا کرتا ہے: **اوّل:** اس سے مراد صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول زبانی روایات ہیں۔(۶۴) **دوم:** تحریری شکل میں نسخے موجود تھے۔

پہلی رائے کے دلائل کی موجودگی کے باوجود جیفری نے دوسری رائے پر ہی اصرار کیا ہے اور اس کی بنیاد پر ان کو 'مقابل قرآن' کا عنوان دیا ہے۔

- مختلف اور متناقض روایات کو ذکر کرتے ہوئے ابن ابی داؤد رحمہ اللہ نے "باب اختلاف مصاحف الصحابة" کے تحت لکھا ہے:

"إنما قلنا مصحف فلان لما خالف مصحفنا هذا من الخط أو الزيادة أو النقصان"(۶۵)

''ہم جب کہتے ہیں فلاں کا مصحف، تو وہ دراصل خط کی وجہ سے ہمارے مصحف کے مخالف ہوتا ہے یا زیادتی یا نقصان کی وجہ سے۔''

غالباً جیفری نے اسی عبارت سے Rival Codex یا مقابل مصاحف کے نظریہ کا استدلال کیا ہے حالانکہ خط کی مخالفت کی وجہ سے اگر یہ مان لیا جائے تو زیادتی ونقصان کی اِمکانی توجیہات کو قبول نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ایسے مصاحف کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب منسوب کیا جا سکتا ہے جبکہ طرزِ روایت بھی کمزور ہو۔

بالفرض اگر ان روایات کی صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف نسبت کو صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی وہ تفسیری روایات یا شاذ قراءات کے درجہ میں رہتی ہیں۔ ان روایات میں زیادہ اختلافات قرآنی سورتوں کی ترتیب کے ملتے ہیں جو دراصل صحابہ رضی اللہ عنہم کے ان سورتوں کے درجہ بدرجہ میسر آنے کے لحاظ سے فطری طور پر واقع ہوئے ہیں۔ لہٰذا مستشرق موصوف کو کسی بھی طرح روا نہ تھا کہ 'مقابل قرآن' کا عنوان قائم کرتا بلکہ اس کو چاہئے تھا کہ وہ ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کے اس منہج کو تنقید کا نشانہ بناتا۔(۶۶)

- ابن ابی داؤد رحمہ اللہ نے 'مصحفِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ' کا عنوان قائم کیا ہے۔(۶۷) جس کو دیکھتے ہی یہ تاثر ملتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پورا قرآن علیحدہ طور پر جمع کیا تھا، لیکن تین آیات میں صرف تین صورتوں کا ذکر کرنے کے بعد یہ مصحف اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔(۶۸) ایسی صورت میں ایک عقلمند شخص کسی بھی طرح تین اختلافی وجوہ کی بناء پر کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو کسی مستقل مصحف کا حامل نہیں گردان سکتا اور نہ ہی اس سے مصحف امام کے ساتھ تقابل کی منطق سمجھ میں آتی ہے، لیکن جیفری ان کو مقابل مصحف کا حامل گردانے پر مصر ہے۔(۶۹)
- اس سے بھی زیادہ قابلِ تعجب بات یہ ہے کہ مصحفِ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد 'مصحفِ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ' میں صرف ایک روایت ذکر کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ﴿آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾(۷۰) کو اس طرح پڑھتے تھے ﴿آمن الرسول بما انزل اليه وآمن المومنون﴾(۷۱) ظاہر ہے کہ ابن ابی داؤد رحمہ اللہ اس سے تفسیری روایات کو واضح کرنا چاہتا ہے، لیکن محقق نے اس کو بھی مصحف گردانا ہے۔
- واضح رہے کہ بعض مولفین نے 'مصحفِ فلان' کے لفظ کا اطلاق ان چند قراءات پر بھی کیا ہے جو کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہوں جیسا کہ حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی جانب مصحف منسوب کیا ہے حالانکہ وہ قرآن کریم کے مکمل ہونے سے آٹھ سال قبل غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے۔(۷۲) اس سے معلوم ہوا کہ مصحف کے لفظ کا اطلاق پورے قرآن کے جمع پر ہی نہیں ہوتا بلکہ ایک یا زیادہ روایات پر بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا آرتھر جیفری کے مقابل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصاحف کی حقیقت زیادہ سے زیادہ صرف اس قدر ہے کہ یہ وہ چند قراءات یا تفسیری اضافے ہیں جن کی استنادی حیثیت سے قطع نظر ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔یقیناً یہ چند روایاتِ احاد، متواتر قرآن کے مدمقابل قابلِ تسلیم نہیں ہیں۔

◉ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے مصحف کو 'لباب القلوب' سے منسوب کیا گیا ہے جس کے ذیل میں صرف چار قراءات بیان کی گئی ہیں:

① 'ابراھیم' کی جگہ 'ابراھام'
② 'لا یعقلون' کی جگہ 'لا یفقھون'
③ 'صوافّ' کی جگہ 'صوافِیَ'
④ مَنْ قَبْلَهٗ کی جگہ من تلقاء ہ(۷۳)

صرف چار صورتوں کی بناء پر جن میں دو قراءات ہیں اور دو تفسیری روایات ہیں، قطعاً الگ مصحف کو خاص اسم سے منسوب کرنا قرآنی تاریخ میں گھات لگانے کے مترادف ہے۔(۷۴)

جیفری نے کتاب المصاحف کی Editing کے بعد اس کے شروع میں عربی زبان میں ایک مقدمہ اور آخر میں Materials for the history of the text of the Qur`an کے نام سے اپنا مسودہ شاملِ اشاعت کیا ہے۔ اپنے مقدمہ کی ابتدائی سطور میں اس نے بڑی آسانی سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''ہم یہ کتاب قراء کے لیے اس امید پر پیش کررہے ہیں کہ یہ ان کے لیے قرآنی قراءات کے ارتقائی تاریخ پر ایک تازہ اور نئی بحث کے طور پر بنیاد ثابت ہوگی۔ اگر چہ اس دور میں مشرق کے علماءِ قرآن کے اعجاز واَحکام کے متعلق بہت سی کتابیں شائع کررہے ہیں، لیکن وہ ہمارے سامنے قراءات کے اِرتقائی مراحل کی وضاحت کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ہمیں یہ بات صحیح طور پر معلوم نہیں ہوسکی کہ مسلمان اس بحث میں تحقیق کرنے سے اس حد تک کیوں گریزاں ہیں، جبکہ فی زمانہ، ارتقاء کے متعلق، کتب قدیمہ میں خاص طور پر کئی نزاعات سامنے آرہے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب میں جو تبدیلی یا تحریف واقع ہوئی ہے اس حوالہ سے بعض لکھنے والے کامیاب بھی ہوئے ہیں۔''(۷۵)

مستشرق موصوف کے اس بیان کا جو پس منظر راقم کے سامنے آتا ہے وہ درحقیقت اس کا اپنی مقدس کتب کی حقیقتوں سے صحیح معنوں میں روشناس ہونا ہے، چنانچہ اس کو اس بات کا بخوبی احساس ہے کہ انجیل اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں ہے اور اس میں پے بہ پے ارتقاء کے سبب پیدا ہونے والی تبدیلیوں سے اس کا متن ناقابلِ اعتبار ہو چکا ہے۔ بالکل شعوری طور پر وہ مسلمانوں کے قرآن کو اپنی کتب کے مساوی حیثیت میں لانے کے لیے یہ جملہ ذکر کررہا ہے۔ یقیناً اس کے بقول جو مصنفین اس 'تحقیق' میں کامیاب ہوئے ہیں وہ انجیل کی تحریفات اور اس میں ارتقائی تبدیلیوں کے صحیح تجزیہ نگار ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایسے کام کی نہ تو کبھی ضرورت محسوس ہوئی اور نہ ہی قرآن میں ایسے ارتقاء کی کوئی گنجائش ہے۔

قرآن کی قراءاتِ متواترہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ومنقول ہیں اور آپ ﷺ وحیِ الٰہی کے بغیر کوئی تبدیلی یا کمی بیشی نہیں کرسکتے تھے جیسا کہ قرآن نے اس کی تصریح کی ہے:

﴿قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ﴾(۷۶)

''کہہ دیجئے کہ مجھے اختیار نہیں کہ میں اس کو اپنی طرف سے بدلوں، میں تو صرف اسی کی اتباع کرتا ہوں کہ جو مجھ پر وحی ہوتی ہے''۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے قرآن کریم کے تمام حروف والفاظ جبریل علیہ السلام سے حاصل کر کے ہو بہو اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچائے ،اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے بعد والوں کو اور آج تک یہ سلسلہ بغیر کسی تبدیلی یا کمی بیشی کے جاری ہے اور رہے گا۔اس لئے یہ تو ایک ایسی سنت ہے جو نقل در نقل ثابت ہے، چنانچہ مسلمان قراءات کی تحقیق ووضاحت سے غافل نہیں اور نہ ہی اس کو چھپاتے ہیں بلکہ وہ تو اس حد تک ٹھہرے ہوئے ہیں جو ان کو بطریقِ تواتر موصول ہوئی ہے اور یہیں سے مستشرقین وملحدین کی عدمِ واقفیت کی بھی قلعی کھلتی ہے کہ وہ کس قدر قرآنی قراءات کے ایصال وترویج اور ان کے تواتر سے بتکلف صرفِ نظر کرتے ہیں۔ آرتھر جیفری کا یہ شبہ، کہ مسلمان علماء اپنی کتاب میں ارتقاء کی بحث سے رکے رہے ہیں،اس کی اس تمنا اور خواہش کو واضح کرتا ہے کہ کاش یہودی اور عیسائی علماء کی طرح مسلمان بھی اپنی کتاب میں تحریف کرتے ،لیکن مسلم علماء کی امانت ودیانت اور علم وتحقیق میں ان کا نقل وتواتر پر مدار کتاب اللہ کی حفاظت کا واضح ثبوت ہے۔

جیفری نے کتاب المصاحف کے مقدمہ میں اپنے پیشرو نولڈکے (Noldeke)، شوالی (Schewally)، برجسٹراسر (Bergrtrasser) اور پرٹزل (Pritzl) کے اتباع میں قرآنی متن کو اپنا موضوعِ تحقیق بنایا ہے اور خاص طور پر نولڈکے کی 'تاریخ القرآن' کو بنیاد بناتے ہوئے چند نتائج کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے نزدیک یہ نتائج مستشرقین کی ابحاث ہی سے ماخوذ ہیں،ان کے بغور مطالعہ سے ہمیں متعدد اغلاط اور متناقض آراء بھی ملتی ہیں۔جیفری نے ان کے بیان میں کسی منقولی دلیل سے استدلال کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ہم جیفری کے ذکر کردہ ان تحقیقی نتائج کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہیں:

- جیفری کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں پورا قرآن نہیں لکھا گیا بلکہ اس کے کچھ حصے لکھے گئے تھے۔ اس سلسلہ میں وہ ان روایات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں جن میں آپ ﷺ کے عہد میں کتابت قرآن اور آپ ﷺ کی زندگی میں ہی قرآن کریم کے صحف یا اَوراق میں غیر مرتب صورت میں جمع ہونے کے شواہد ملتے ہیں۔اس کے الفاظ ہیں:

"وهذا الرأى لا يقبله المستشرقون لأنه يخالف جاء فى أحاديث أخرى أنه قبض ﷺ ولم يجمع القرآن فى شئ"(۷۷)

''مستشرقین اس رائے کو قبول نہیں کرتے ، کیونکہ دیگر اَحادیث اس دعویٰ کی مخالفت کرتی ہیں،جن میں آیا ہے کہ آپ ﷺ وفات پا گئے اور قرآن کسی چیز میں جمع نہیں ہو سکا''۔

جیفری نے صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ جنگِ یمامہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمعِ قرآن کا مشورہ دیا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ اگر حفاظ صحابہ رضی اللہ عنہم اسی طرح شہید ہوتے رہے تو قرآن کریم کے بہت سے حصوں کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے،اس روایت کی بناء پر وہ کہتا ہے:

"ويتبين من هذا أن سبب الخوف هو قتل القراء الذين كانوا قد حفظوا القرآن، ولو كان القرآن قد جمع وكتب لما كانت هناك علة لخوفهما"(۷۸)

''اس سے واضح ہوتا ہے کہ خوف کا سبب حفاظ وقراء صحابہ رضی اللہ عنہم کا شہید ہونا تھا اگر قرآن کریم عہدِ نبوی میں جمع ہو چکا ہوتا تو اس وجہ سے ان حضرات کو قرآن کے ضائع ہونے کا خوف نہ ہوتا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعجب ہے کہ جیفری نے بخاری کی حدیث کو یہ کہہ کر کہ 'مستشرقین اس رائے کو قبول نہیں کرتے' ردکر دیا ہے حالانکہ قبولیت وعدمِ قبولیت ،روایت کی سند یا متن میں اِضطراب اورعلت کے ثبوت یا عدمِ ثبوت پر ہے نہ کہ رائے یا ذاتی خواہش پر۔ مستشرق موصوف کا یہی وہ منہجِ تحقیق ہے جس کی بناء پر اسلامی دنیا میں ان نظریات کو خاطر خواہ جگہ نہیں مل سکی۔

یہ بات بھی حیرت انگیز اورافسوسناک ہے کہ بعض دوسرے مستشرقین کی طرح جیفری نے بھی صحیح بخاری کی اس روایت کو درست ماننے سے انکار کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سرکاری سطح پر کوئی نسخہ تیار فرمایا تھا وہ لکھتا ہے:

"His collection would have been a purely private affair, just as quite a number of other companions of the Prophet had made personal collections as private affairs"(۷۹)

حالانکہ اگر عہدِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جمع شدہ قرآن Private collection ہوتو اس کے جمع کے لیے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کی کوئی ضرورت نہ تھی اس کے باوجود انہوں نے مشورہ فرمایا۔ ظاہر ہے کہ یہ مشورہ تب ہی ہوسکتا ہے جب وہ جمع ذاتی نہ ہو بلکہ سرکاری سطح پر ہو۔ خود جیفری کے بقول دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی ذاتی مصحف تھے اور وہ انہوں نے کسی کے مشورہ یا اس قسم کے حالات سے متاثر ہوکر نہیں لکھے تھے۔ لہٰذا عہدِ ابوبکر رضی اللہ عنہ میں جمعِ قرآن سرکاری سطح پر ہی ہوا تھا۔

نیز یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں وہ ساری باتیں تو جیفری کی نگاہ میں جھوٹی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سرکاری سطح پر قران کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا تھا، لیکن اسی روایت کا وہ حصہ اس کی نظر میں بالکل صحیح ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ جملہ نقل کیا گیا ہے کہ ''اگر صحابہ رضی اللہ عنہم اسی طرح شہید ہوتے رہے تو خطرہ ہے کہ کہیں قرآن کا بڑا حصہ ضائع نہ ہوجائے''۔ ایک طرف تو وہ پوری روایت نقل کر کے اسے من گھڑت اورموضوع کہتا ہے اور دوسری طرف اسی روایت سے قرآن کریم کے غیر مکتوب ہونے پر استدلال بھی کرتا ہے ۔ اس کے باوجود اس کا دعویٰ یہ ہے کہ مستشرقین کا انصاف، نیک نیتی اورغیر جانبداری بالکل واضح ہے۔(۸۰) اس طرح کی متناقض (Paradox) آراء مستشرقین کی تحقیقات میں جابجا نظر آتی ہیں۔

طاش کبریٰ زادہ رحمہ اللہ نے علامہ خطابی رحمہ اللہ کے حوالہ سے عہدِ رسالت میں مصحف واحد میں عدمِ جمع قرآن کی حکمتوں کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"إنما لم یجمع القرآن فی المصحف لما کان یترقبه من ورود ناسخ لبعض أحکامه أو تلاوته، فلما انقضی نزوله بوفاته الهم الله الخلفاء الراشدین ذلك وفاء بوعده الصادق لضمان حفظه علی هذه الامة"(۸۱)

''قرآن ایک مصحف میں اس لئے جمع نہیں ہوا، تاکہ احکامات اورتلاوت میں ناسخ کے ورود کا انتظار کیا جائے۔ پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے اس کا اِمکان ختم ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے خلفاءِ راشدین کو اُمت کے لیے اس کتاب کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حفاظت کی ضمانت اور اپنے وعدہ کو سچا کرنے کی توفیق بخشی۔''

- آرتھر جیفری قرآن کی ترتیب کو بھی موضوعِ بحث بناتا ہے، اور اس حوالے سے رقمطراز ہے:

"فإن علماء الغرب لا يوافقون على أن ترتيب نص القرآن كما هو اليوم فى أيدينا من عمل النبى ﷺ"(۸۲)

یعنی مغرب کے علماء نصِ قرآنی کی موجودہ ترتیب کو عملِ نبی ﷺ ماننے پر متفق نہیں ہیں۔ اس اعتراض کی عبارت میں اولاً تو اخفاء ہے کہ 'ترتیبِ نصِ قرآنی' سے اس کا کیا مفہوم ہے، کیونکہ ترتیبِ آیات اور ترتیبِ سور دونوں مصحف کے حصے ہیں۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے کہ مستشرقین نے قرآن کی آیات وسور کی ترتیب کو اپنا خاص موضوع اس لئے بنایا تا کہ وہ قرآن کریم کو غیر مرتب اور ناقص ثابت کر سکیں۔ ان کے نزدیک قران اس ترتیب کے مطابق نہیں جس پر وہ نازل ہوا تھا۔ چنانچہ Rodwell نے ترجمۂ قرآن کے پیش لفظ میں تحریر کیا ہے کہ 'اس وقت مصحف میں موجود ترتیب دراصل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تیار کردہ ہے، ان کو جمعِ قرآن کے وقت جس ترتیب سے مختلف مقامات سے قرآن ملتا گیا وہ اسے اسی ترتیب کے مطابق جوڑتے چلے گئے، ان میں کوئی تاریخی ربط یا ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی۔(۸۳)

صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذاتی مصاحف کا مصحفِ عثمانی سے تقابل اور اس کی حقیقت

جیفری نے کتاب المصاحف کے مقدمہ میں "اختلاف مصاحف الصحابة" کے عنوان کے تحت متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذاتی مصاحف جن میں علی بن ابی طالب، ابی بن کعب، سالم مولیٰ حذیفہ، عبداللہ بن مسعود، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن زبیر، ابوزید اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وغیرہ کے نام لے کر یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے قرآن کو اپنے اپنے مصحف میں جمع کیا۔ جیفری کہتا ہے کہ اگرچہ بعض لکھنے والوں نے جمع سے مراد حفظ لیا ہے، لیکن ہم ان کے قول سے موافقت نہیں کرتے جس کی چار وجوہ ہیں:

- حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا جمع شدہ مصحف اونٹ پر لاد کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس لائے۔
- ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا جمع کیا ہوا مصحف لوگوں میں 'لباب القلوب' کے نام سے موسوم ہوا۔
- ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا جمع کردہ مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلا دیا۔
- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عراق میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر کو اپنا جمع کردہ مصحف پیش کرنے سے انکار کیا۔

اس سے لازم آتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو جمع کیا تھا وہ مصاحف میں تحریری صورت میں جمع تھا اور ہر صحابی رضی اللہ عنہ کا خاص مصحف انہی سورتوں اور آیات پر مشتمل تھا جن سے وہ مطلع ہو پائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کیلئے جو مصحف زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے لکھا وہ بھی مستشرقین کی رائے میں 'مصحفِ خاص' تھا۔(۸۴) جیفری ان تفصیلات کو ذکر کرنے کے بعد اپنا ہدف ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"وكانت هذه المصاحف يختلف بعضها عن بعض لأن كل نسخة منها اشتملت على ما جمعه صاحبها وما جمعه واحد لم يتفق حرفا ما جمعه الآخرون"(۸۵)

''یہ مصاحف آپس میں ایک دوسرے سے مختلف تھے، کیونکہ ہر نسخہ اپنے جامع کی درج کردہ (معلومات) پر مشتمل تھا اور

www.KitaboSunnat.com

ایک کا جمع کیا ہوا دوسروں سے ایک حرف میں بھی متفق نہیں تھا۔''

جیفری نے کتاب المصاحف کی ساتھ ملحقہ Materials میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذاتی طور پر جمع کئے ہوئے نسخوں کے متعلق یہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان مصاحف کا باہمی اختلاف بذاتِ خود ایک پیچیدہ مسئلہ ہے نیز یہ مصاحف ِصحابہ مصحفِ عثمانی کے مقابل ہیں۔ اس نے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے ۲۸ مصاحف کو مصحفِ عثمانی کے مقابل قرار دیتے ہوئے تقریباً ۶۰۰۰ سے زائد ایسے مقامات کی نشاندہی کی ہے جو کہ مصحفِ عثمانی سے مختلف تھے۔(۸۶) بنیادی مصاحف میں درجِ ذیل صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام مذکور ہیں:

① حضرت سالم رضی اللہ عنہ (۱۲ھ)
② حضرت عمر رضی اللہ عنہ (۲۳ھ)
③ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (۲۹ھ)
④ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ (۳۳ھ)
⑤ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (۴۴ھ)
⑥ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا (۴۵ھ)
⑦ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (م ۴۸ھ)
⑧ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۵۹ھ)
⑨ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (۶۵ھ)
⑩ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (۶۸ھ)
⑪ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (۷۳ھ)
⑫ حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ (۷۴ھ)
⑬ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ
⑭ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
⑮ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب کہ ثانوی مصاحف میں ۱۳ تابعین کے نام شمار کیے گئے ہیں۔(۸۷)

غرض قرآنی نص کو تنقید کا نشانہ بنانے کے لیے ان مصاحف میں مذکور اختلافات کو جیفری نے حتی المقدور اُچھالنے کی کوشش کی ہے، لیکن ساتھ ہی وہ اس حقیقت کا بھی اظہار کرتا ہے:

"This is the absences of any direct manuscripts evidence".(۸۸)

''بہر حال یہ روایات براہِ راست کسی باقاعدہ تحریری ثبوت کی حامل نہیں ہیں''۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذاتی مصاحف میں اختلافات کے ضمن میں جیفری کے معاندانہ رویۂ تحقیق سے پیدا شدہ بے بنیاد شکوک وشبہات کے ازالہ اور مستشرق موصوف کی اس کام کی تقییم (Evaluation) سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مصاحفِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے مسلم محققین اور علماء کے نقطۂ نظر کا طائرانہ جائزہ لیا جائے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعددِ مصاحف اوران کی حقیقت......جمہور علماء کا موقف

صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذاتی مصاحف کے وجود یا عدمِ وجود کے متعلق دو آراء پائی جاتی ہیں: ایک یہ کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خاص طور پر اپنے لیے کچھ اَوراق، قرآنی آیات اور اس کی قراءات وتفسیر پر مشتمل رکھے ہوئے تھے۔ جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً ابن سیرین رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

”لمّا مات رسول اللهﷺ آليت إلا آخذ عليّ ردائی إلا لصلاة الجمعة حتی أجمع القران فجمعته“(۸۹)

’’جب آپ ﷺ فوت ہوئے تو میں نے قسم اٹھائی کہ میں سوائے نمازِ جمعہ کے اپنے اوپر چادر نہیں لوں گا یہاں تک میں قرآن کو جمع کردوں، سو میں نے اس کو جمع کرلیا‘‘۔

یا عمومی طور پر بخاری کی اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف لکھوانے کے بعد ان مصاحف کے علاوہ ہر صحیفہ یا مصحف جلانے کا حکم ارشاد فرمایا۔(۹۰)

دوسرا یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا انفرادی طور پر جمع شدہ مواد 'مصحف' کا نام اختیار کر چکا تھا جبکہ درحقیقت وہ چند روایات ،اخبارِ آحاد یا شاذہ قراءات تھیں جو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بطورِ تفسیرِ قرآن ذکر کردیں جو بعد میں اپنی استنادی حیثیت سے قطع نظر لغت، ادب اور قراءات کی کتابوں میں جگہ پاگئیں۔ واضح رہے کہ ابن ابی داؤد رحمہ اللہ نے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناموں کا ذکر کیا ہے جن کو جیفری بعد میں 'مقابل نسخہ جات' کے حامل بنا کر پیش کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود ابن ابی داؤد رحمہ اللہ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان دس اصحاب رضی اللہ عنہم کے پاس تحریری شکل میں الگ الگ قرآن کے نسخے تھے۔ اسی طرح ابن ابی داؤد رحمہ اللہ ان حضرات کی جانب منسوب مختلف قراءات کو مصحف کے عنوان سے بیان کرتا ہے اور ساتھ ہی وہ جَمَعَ القرآن کے الفاظ ان حضرات کے لیے بھی استعمال کرتا ہے جنہوں نے قرآن کریم یاد کررکھا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

”فإنه يقال للذی يحفظ القرآن قد جمع القرآن“(۹۱)

اسی طرح لفظ مصحف کو بطور حرف یا قراءت کے معانی میں بھی استعمال کیا ہے تاکہ اس کی ذکر کردہ مختلف قراءات کا کسی باقاعدہ تحریری نسخہ سے ماخوذ ہونے کا گمان نہ ہو۔(۹۲) اگرچہ جیفری بھی ان مصاحفِ صحابہ کی مستقل تحریری شکل کے عدمِ ثبوت کا قائل ہے تاہم اس کا میلان ان کو باقاعدہ مصحف کی صورت میں پیش کرنے کی طرف ہے جو کہ قطعی طور پر غیر تحقیقی اور بے بنیاد ہے۔

- یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ مصاحفِ صحابہ کے عنوان سے جن کتب کا تاریخ میں تذکرہ ملتا ہے ان کی تعداد ابن ندیم رحمہ اللہ نے ۱۲ شمار کی ہے ان میں قدیم ترین کتاب ابن عامر یحصبی رحمہ اللہ (م۱۱۸ھ) کی کتاب 'اختلاف مصاحف الشام والحجاز والعراق' ہے۔(۹۳) ابن ابی داؤد رحمہ اللہ (م۳۱۶ھ)، ابن انباری رحمہ اللہ (م۳۲۸ھ) اور ابن اشتہ رحمہ اللہ (م۳۶۰ھ) کی کتبِ مصاحف کے سوا کسی اور کتاب نے اپنا نشان نہیں چھوڑا۔ مذکورہ تین کتابوں میں سے بھی مؤخر الذکر دونوں کتب ضائع ہو چکی ہیں۔(۹۴) صرف ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کی کتاب زمانہ کی دست برد سے محفوظ رہی۔ مصحفِ عثمانی کے اتنے عرصہ بعد ان کتب کا رواج محض علمی ورثہ کے طور پر فنون کی وسعتوں کا ایک مظاہرہ ہے جس کا سند وروایت یا محکم ومحقق ذرائع سے کوئی واسطہ نہیں اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ ہی امت مسلمہ میں ان کی وجہ سے کبھی کوئی تشویش ہی پیدا ہوئی۔

- یہاں ایک بنیادی طرز کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذاتی مصاحف کو جمعِ قرآن کے وقت ممنوع کیوں نہیں قرار دیا؟ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح ان کے جلانے کا حکم کیوں نہ ارشاد فرمایا؟ یقیناً اس کی یہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ مصاحف صحابہ کے ذاتی اور مخصوص مصاحف تھے جو صرف انہی کے زیر استعمال رہتے تھے اور کسی دوسرے کی اس تک پہنچ نہ ہوتی اور نہ ہی ایسے واقعات اس وقت تک نمودار ہوئے تھے کہ جو مصحفِ واحد کا تقاضا کرتے۔ چونکہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا تھا اس لئے دوسری قراءات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ترغیب ان مصاحف کے بقاء کی ایک وجہ تھی۔ (۹۵) جن کی ضرورت عہدِ عثمانی میں قراءات سمیت قرآن کے جمع ہوجانے کے بعد ختم ہوگئی، اس لیے ان کو جلا دیا گیا۔
- آرتھر جیفری نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب مصاحف منسوب کرنے میں بڑی جرات کا مظاہرہ کیا ہے اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ گویا مختلف قسم کے ۲۸ مقابل قرآن ایجاد ہوگئے حالانکہ اس نے بعض ایسے حضرات کو بھی مصحف کا حامل گردانا ہے جن سے پورے قرآن میں صرف چند مقامات پر قراءات کے اختلافات وارد ہوئے ہیں مثلاً حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے مصحف میں صرف دو روایات ذکر کر کے (۹۶) اس کو مصحف کا بھاری بھرکم عنوان دے دیا ہے۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے ۴ روایات (۹۷)، ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے کوئی نہیں (۹۸)، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ۱۰ روایات (۹۹) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ۱۰ روایات (۱۰۰)، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ۴ روایات (۹۵)، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ۲۴ (۱۰۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ۲۹ (۱۰۳)، ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے ۳۵ روایات (۱۰۴) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ۱۳ روایات ذکر کی گئی ہیں۔ (۱۰۵)

جیفری نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مصاحف کے حوالہ سے جس مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے اس کی ایک جھلک اس کے اس قول سے نظر آتی ہے کہ

”وما جمعه واحد لم يتفق حرفا مع ما جمعه الآخرون“ (۱۰۶)

”یعنی ہر ایک مصحف دوسرے مصحف سے ایک حرف میں بھی موافقت نہیں رکھتا۔“

نصِ قرآنی کی تحریف اور عدمِ توثیق کیلئے اس قدر بلا دلیل جملہ تحقیق کے میدان میں قطعاً کوئی وزن نہیں رکھتا کیونکہ یہ تمام مصاحف خود جیفری کی مقدور بھر کوشش سے Materials میں مرتب کیے گئے ہیں۔ اس کے سوا ان کی کچھ حقیقت نہیں۔

- یہاں اس امر کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ جیفری نے غیر تصحیح شدہ نسخہ جات سے جن اختلافی قراءات کو نقل کیا ہے ان سب کی اسناد غیر مصدقہ ہیں۔ وہ کوئی قابلِ اعتبار سند کے ساتھ ایسی کوئی قابلِ ذکر اختلافی قراءت لانے میں کامیاب نہیں ہو سکا جو مصحفِ عثمانی کی اسناد کی طرح محکم و متواتر ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض اختلافی قراءات جو ہم تک پہنچی ہیں وہ لسانی اعتبار سے بھی ناممکن نظر آتی ہیں اور بعض اختلافی روایات کی اسناد ناممکن الوجود اور محال ہیں جو زمانی اعتبار سے درست تسلیم نہیں کی جاسکتیں یا وہ روایت کے معروف اصولوں کے مطابق نہیں ہیں۔ (۱۰۷)
- جیفری کے بقول: تمام مستشرقین کے نزدیک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے جو مصحف حضرت زید بن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ثابت رضی اللہ عنہ نے لکھا وہ بھی مصحف خاص تھا، رسمی نہ تھا۔(۱۰۸) حالانکہ صحیح بخاری کی روایت ہے جس میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس حکم پر یہ جملہ کہا تھا کہ

"فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مما امرنی بہ"(۱۰۹)

''بخدا اگر مجھے کسی پہاڑ کے اٹھانے کا مکلّف بنایا جاتا تو وہ اس حکم کی نسبت آسان ہوتا۔''

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مذکوہ جملہ جیفری کے پیشِ نظر ہے، حیرت ہے کہ اگر یہ حکم محض مصحفِ خاص کی تیاری کے لیے ہوتا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اس قدر ذمہ داری کا احساس کیوں ہوتا؟ جب کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پاس پہلے سے مصحف موجود تھا۔ پس ثابت ہوا کہ یہ مصحف خاص نہیں بلکہ رسمی اور سرکاری تھا۔ تاہم اگر ایک لمحہ کے لیے جیفری کے نظریہ کو تسلیم بھی کرلیا جائے کہ وہ مصحف خاص تھا پھر بھی قرآنی نص کی توثیق میں فرق واقع نہیں ہوتا، کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم تھا کہ کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے سینوں میں قرآن مجید کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں، بالفرض اگر ضرورتِ رجوع پیش آئے تو 'مصحفِ خاص' کی موجودگی سے سہولت لی جائے۔ لہٰذا مصحفِ خاص ماننے سے بھی کسی طرح کا حرج لازم نہیں آتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہی مصحف عہدِ عثمانی میں مصاحف کی تیاری کے لیے سب سے بنیادی مصدر تھا۔(۱۱۰)

- مقابل مصاحف کا عنوان دیتے ہوئے جیفری نے اس حقیقت کو بھی یکسر فراموش کر دیا ہے کہ مصحفِ عثمانی کی تیاری میں کئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے بالواسطہ یا بلا واسطہ شرکت کی اور بالآخر تقریباً بارہ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع منعقد ہوا۔ بالفرض اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مصاحف میں باہمی اختلاف ہوتا تو وہ اپنے مصاحف پر ڈٹے رہنے کا اعلان کرتے اور کبھی بھی مصحفِ عثمانی کو تسلیم نہ کرتے۔(۱۱۱)

خود ابن ابی داؤد رحمہ اللہ، جن کو جیفری نے بظاہر اپنے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے، اپنی کتاب میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے مصاحف میں اختلافات کے ضمن میں مصحفِ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے منقول روایات ذکر کرنے کے بعد اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں:

"لا نری أن نقرأہ إلا المصحف عثمان الذی اجتمع علیہ أصحاب النبی ﷺ، فإن قرأ إنسان بخلافہ فی الصلوٰۃ أمرتہ بالاعادۃ"(۱۱۲)

''ہمارے خیال میں اصحابِ پیغمبر رضی اللہ عنہم کا مجمع علیہ مصحفِ عثمان رضی اللہ عنہ ہی پڑھا جانا چاہیے۔ اگر کوئی شخص اس کے برخلاف نماز میں قراءات کرے تو میں اس کو نماز لوٹانے کا حکم دوں گا۔''

لیکن مستشرق موصوف کو ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کی کتاب المصاحف کے غالبًا انہی اجزاء سے اتفاق ہے جو اس کے طے شدہ فکر سے ہم آہنگ ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے منسوب مصاحف اور جیفری کا نقطہ نگاہ

آرتھر جیفری نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے منسوب مصاحف میں روایات کی چھان بین کئے بغیر مصحفِ عثمانی سے ان کا تقابل کیا ہے اور تقریباً ۶۰۰۰ سے زائد ایسے مقامات کی نشاندہی کی ہے جو مصاحف صحابہ میں موجودہ قرآن سے مختلف تھیں۔ ان مصاحف میں ایسی آیات وقراءات کا تذکرہ بھی کرتا ہے جو قرآنی نص سے کم یا زیادہ ہیں۔

جیفری کے ان شبہات کا جواب ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کی کتاب المصاحف میں مذکور روایات کی عدمِ صحت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو دلیل بنانے سے بھی زیادہ مناسب اس انداز سے دیا جا سکتا ہے کہ جیفری کی منتخب روایات کی توضیح اس طرح کی جائے کہ تطبیق ،ترجیح اور تاویل کی صورت میں مفہومِ روایت کی وضاحت ہو جائے۔ دورِ قریب کے عظیم مفکر ڈاکٹر حمیداللہ رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے تھی ۔ وہ جمعِ قرآن سے متعلق ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کی کتاب المصاحف اور ایسی دوسری کتابوں میں بیان کی گئی روایات کو رد نہیں کرتے بلکہ وہ ان روایات کی تشریح وتوضیح اس انداز سے کرتے ہیں کہ ان کتابوں میں موجود روایات کی تردید بھی نہیں ہوتی اور ان کی ایسی تاویل ممکن ہوتی ہے جس سے ان کا اپنا مدلل نقطۂ نظر بھی متاثر نہیں ہو پاتا۔(۱۱۳) ذیل میں یہی منہج اختیار کرتے ہوئے جیفری کی محققہ ،ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کی ،کتاب المصاحف کی چند روایات کی تاویلات پیش کی جاتی ہیں جن سے واضح ہوگا کہ بالفرض اگر ایسی روایات کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس کا درست مفہوم ،صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین اور دیگر علماءِ امت کے متفقہ نظریہ ہی کے موافق بنتا ہے۔

الغرض جیفری کے وضع کردہ تمام مصاحف اور ان میں موجود قراءات وروایات کا کوئی اطمینان بخش ثبوت نہیں ملتا اور غالباً جیفری اسی وجہ سے ان روایات کے استنادی ثبوت کے درپے نہیں ہوا اور نہ ہی ان قراءات کے مصادر متعین کیے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ Materials کے ۳۶۲ صفحات میں مرقوم 'مصاحف' مروج ومتواتر متنِ قرآنی کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور نہ ہی کمزور روایات کا مصحف عثمانی سے تقابل کا کوئی منطقی جواز بنتا ہے۔جیفری کو یہ بات معلوم ہونے کے باوجود کہ تابعین کے مصاحف سراسر مصاحفِ صحابہ کے تابع ہیں۔مثلاً مصحفِ علقمہ (م ۶۲ ھ)،ربیع بن خیثم رحمہ اللہ (م ۶۴ ھ)،حارث بن سوید رحمہ اللہ (م ۷۰ ھ)، حطان رحمہ اللہ (م ۷۳ ھ)،اسود رحمہ اللہ (م ۷۴ ھ)،طلحہ بن مصرف رحمہ اللہ (م ۱۱۲ ھ) اور مصحفِ اعمش (م ۱۴۸ ھ) مکمل طور پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے مصاحف پر مبنی تھے۔اس کے باوجود اس نے ۱۳ تابعین کے مصاحف کو محض اپنی کتاب کی ضخامت کا ذریعہ بنایا ہے۔

جیفری نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ان مختلف مصاحف کے متعلق یہ نظریہ بھی قائم کیا ہے کہ یہ مختلف شہروں میں مصحف عثمانی سے قبل رائج تھے اور انہی کے مابین اختلاف کے باعث لوگ ایک دوسرے کی قراءات کا انکار کرنے لگے۔(۱۱۴) حالانکہ تاریخی یا منقولی اعتبار سے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ مصاحفِ عثمانیہ کے ارسال سے قبل صحابہ رضی اللہ عنہم کے کوئی رسمی مصاحف تھے بلکہ ان کے پاس صحف اور قرآن کی بعض سورتوں کے اجزاء تھے۔چونکہ اصل بنیاد حفظ پر تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف حروف سن لینے کی بناء پر ان کی ادائیگی میں اختلاف پیدا ہوا ،مفہوم ومقصد پر سب کا اتفاق تھا۔یہی وجہ بنی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قراء کو بھی بھیجا تا کہ لوگوں کو بعینہ ان حروف پر قرآن پڑھائیں جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔(۱۱۵)

اسی ضمن میں آرتھر جیفری نے کہا ہے کہ اہلِ شام مصحفِ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر متفق تھے(۱۱۶) حالانکہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں مقیم تھے جبکہ شام میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ موجود رہے۔(۱۱۷)

- مصاحف عثمانیہ کے نقطوں اور حرکات سے خالی ہونے کی وجہ سے جن اختلافات کا جیفری نے تذکرہ کیا ہے اس کی بنیاد گولڈ زیہر ہے جس کا موقف گزشتہ بحث میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

◉ جیفری نے مروّجہ قراءات کو ائمہ قراء کا انتخاب واختیار قرار دیتے ہوئے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ان کی اصلیت منقولی نہیں بلکہ اجتہادی واختیاری ہے۔قراءات کے ارکانِ ثلاثہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اس نے دوسری شرط 'صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہونا' ذکر کیا ہے حالانکہ علماءِ اسلام میں سے کسی نے یہ رکن بیان نہیں کیا بلکہ سند کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ومربوط ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

◉ ابن مجاہد رحمہ اللہ کے سات قراءات منتخب کرنے کی بنیاد جیفری نے حدیث سبعۂ احرف قرار دی ہے۔[118] حالانکہ سات قراءات کا یہ اختیار حدیث سبعۂ احرف کی بناء پر نہیں اور نہ ہی ابن مجاہد رحمہ اللہ نے کہیں اس کی صراحت کی ہے۔ بلکہ یہ ایک اتفاق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے مزید تین قراءات کو بھی مشہور قرار دیا اوران کو بھی سبعہ احرف پر مبنی قرار دیا۔ پھر یہ اختیار کسی قرعہ یا ذاتی خواہش پر نہیں تھا بلکہ کثرتِ روایت اور تدریسِ قرآن میں ممارست وتجربہ اورمہارت کی بنیاد پر تھا۔ چنانچہ محقق ابن الجزری رحمہ اللہ (م۸۳۳ھ) لکھتے ہیں:

”إضافة الحروف والقراء ات إلى أئمة القراء ة ورواتهم المراد بها أن ذلك القارى وذلك الامام اختار القراء ة بذلك الوجه من اللغة حسب ما قراء به فآثره على غيره وداوم عليه ولزمه حتى اشتهر وعرف به وقصد فيه وأخذ عنه فلذلك أضيف إليه دون غيره من القراء وهذا الاضافة اختيار ودوام ولزوم لا إضافة اختراع ورايٍ واجتهادٍ“[119]

غرض ائمہ قراء کی طرف یہ انتساب ان کے ہمیشگی اختیار اورالتزام کی وجہ سے ہے نہ کہ اختراع ورائے کی بنیاد پر۔
مثلاً ابن البازش رحمہ اللہ نے امام نافع رحمہ اللہ کے مطابق لکھا ہے کہ انہوں نے جس قراءت کا لزوم کیا وہ اہلِ مدینہ کے لیے مرجع بن گئی اوران کے اختیار کی طرف لوگوں نے رجوع کیا۔[120] یہی وجہ ہے کہ قراءات کے اختیار کے بھی چند قواعد ہیں جن کو امام ابوعبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے ان میں سے ایک قاعدہ 'کثرت' ہے یعنی کسی قراءت کو کثرتِ استعمال کی وجہ سے بھی بعض قراء اختیار کر لیتے ہیں۔[121] جن قراء نے قراءات کو اختیار کیا انہوں نے اس کو روایت بروایت صحابہ رضی اللہ عنہم اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیا۔ مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کی ہے۔[122] ڈاکٹر محمد الحبش نے لکھا ہے کہ ان قراءات میں ائمہ کا کوئی اجتہاد نہیں اور نہ ان کو نص میں کسی قسم کے تصرف اورتحکّم کا کوئی اختیار حاصل ہے،ان کا کام صرف روایت کی صحت، ضبط اوراس کی توثیق کی حد تک محدود ہے۔[123]

◉ جیفری نے قراءاتِ حفص کی ترجیح وتعمیم اوراس میں نافع رحمہ اللہ کی روایت کو مستحسن قرار دینے میں بھی یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ ترجیح یا استحسان دراصل اختیاری ہے اورقراءات کے مابین بھی تفاوت واختلاف پایا جاتا ہے۔[124] حالانکہ متواتر قراءات میں ترجیح نہیں ہوسکتی، کیونکہ تمام قراءات ثابت اورمرتبہ میں ایک دوسری کے برابر ہیں اسی طرح نافع رحمہ اللہ کی روایت شہرت اور کثرتِ ممارست ومدارست کی وجہ سے اختیار کی گئی ہے۔ استحساناً ایسا نہیں کیا گیا۔[125]

◉ اس مقدمہ کے آخر میں مستشرق موصوف نے پھراسی بات کا اِعادہ کیا ہے جو مقدمہ کے شروع میں کیا تھا کہ قرآنی قراءات میں ارتقاء واقع ہوا ہے۔ اس کے نزدیک آغاز میں مصاحف قدیمہ کا رواج تھا، پھر مصاحفِ عثمانیہ مختلف شہروں میں رائج ہوئے بعدازاں قراءات کو اختیار کرنے میں آزادی کا رجحان پیدا ہوا، پھر سبعہ یا عشرہ کا تسلط ہوا، پھر روایاتِ عشرہ کو اختیار کیا گیا اورآخر میں قراءتِ حفص عام شہروں میں رائج ہوگئی۔[126] قراءات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآنیہ میں ارتقاء کا یہ نظریہ کئی لحاظ سے باطل ہے:

- مصاحفِ قدیمہ کی اِصطلاح جیفری کی اپنی وضع کردہ ہے اور جیفری نے ثانوی درجہ کے مصادر میں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم کی تفسیری روایات کو مصاحفِ قدیمہ کا نام دیا ہے حالانکہ عرضۂ اخیرہ کے مطابق تمام آیاتِ قرآنیہ مصاحفِ عثمانیہ کی صورت میں باجماعِ صحابہ اُمت میں مروج ہوئیں۔
- قراءات کے اختیار میں آزادی نہیں تھی بلکہ قراءات سنتِ متّبعہ اور منزل من اللہ ہیں، ان میں کسی انسان کے لیے کسی قسم کے اجتہاد واختیار کی کوئی گنجائش نہیں۔
- سبعہ یاعشرہ قراءات کا 'تسلط' (۱۲۷) نہیں ہوا بلکہ ان کی ترویج شہرت اور تواتر کی وجہ سے ہوئی۔
- قرآن کریم کی قراءات کو بنیاد بنا کر جس ارتقائی تاریخ کی غیر تکمیلی صورت کا مستشرق موصوف نے تذکرہ کیا ہے وہ انتہائی مضحکہ خیز ہے خصوصاً یہ سوچ جس کی بناء پر وہ قرآن کو بائبل کے مقابلہ میں کمتر پیش کرنے کی جسارت کررہا ہے، انتہائی غیر دیانتداری پر مبنی رویۂ تحقیق ہے۔ اس کا اندازہ صرف اس بات سے ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید کے برعکس جملہ کتب انبیاء کی وفات کے سینکڑوں سال بعد ان کے حواریوں کے ہاتھوں لکھی گئیں جبکہ قرآن اور اس کی قراءات خالصتاً سماعی اور منقولی بنیادوں پر پھیلی ہیں، کتابت اس کیلئے کبھی کوئی معیار نہیں رہا بلکہ بعد میں کتابتِ قرآن ان قراءات کو پیشِ نظر رکھ کر مکمل ہوئی۔ غرض قراءات میں کسی قسم کا کوئی تطور، تغیر یا ارتقاء نہیں ہوا بلکہ اللہ کے رسول ﷺ سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے تابعین، ائمہ قراء اور امت تک بطریقۂ تواتر یہ قراءات ہم تک پہنچی ہیں اور قرآن کا ہر حرف ابدی صداقتوں کا حامل ہے اور ان میں آج تک کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔

صنعاء (یمن) سے دریافت شدہ قرآنی مخطوطات اور استشر اقی توقعات

یمن کے شہر صنعاء کی عظیم جامع مسجد کی نئی تعمیر کے دوران اس کے بالا خانہ سے ۱۹۷۲ء میں پرانے چرمی اوراق، بہت بڑی تعداد میں دریافت ہوئے، جن میں سے اکثر پر قرآنی آیات تحریر تھیں، یمن میں محکمہ آثارِ قدیمہ کے چیئرمین قاضی اسماعیل الاکوع نے جب ان پارچہ جات کو ملاحظہ کیا تو ان کی قدامت اور خستہ حالی کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ ان اوراق کو صحیح سالم حالت میں محفوظ کرنے کیلئے ماہرینِ فنِ آثارِ قدیمہ کو دعوت دینا زیادہ مناسب ہے چنانچہ قاضی اسماعیل الاکوع کی خصوصی دلچسپی سے جرمنی کی وزارتِ خارجہ کے ذریعہ دو جرمن ماہرین ڈاکٹر گریڈ، آر پیوئن (Dr. Gred. R. puin) اور ایچ۔سی۔ گراف وان بوتھمر (H.C.Graf Von Bothemer) کو ان قرآنی مخطوطات کی حفاظت اور بحالی کیلئے طلب کیا گیا۔ ان ماہرین نے اس منصوبہ پر چند سال کام کیا۔

اس بات سے قطع نظر کہ ان ماہرین نے اس تحقیقی منصوبہ پر کیا اور کتنا کام کیا، یہ بات واضح طور پر مشاہدہ کی گئی کہ ان کے استشر اقی مقاصد اور مشنری جذبات کسی صورت بھی ان سے جدا نہیں ہوئے، چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ بوتھمر نے اس دوران ۳۵۰۰۰ پارچہ جات کی مائیکروفلم کا ریکارڈ خفیہ طور پر محفوظ کیا اور ان کو اپنے ساتھ جرمنی لے آیا۔ ۱۹۸۷ء میں انہی پارچہ جات کے حوالے سے بوتھمر اور پیوئن نے ایک مقالہ لکھا اور اُن مخطوطات کے نمبر دینے کے ساتھ ساتھ ایک چرمی مخطوطے جس کا نمبر ۳۲۔۱۰۳۳ تھا، کے بارے میں یہ نشاندہی کی کہ اس کی قدامت پہلی صدی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجری کے آخری چوتھائی حصہ سے ہے۔ یہ آرٹیکل ''Observations on Easly Qru'an Manuscript in Sana'' کے عنوان سے تحریر کیا گیا اور مختصر عرصے میں مستشرقین کی توجہات کا مرکز بن گیا، چنانچہ اس سلسلے میں ایک سیمنار لائیڈن ۱۹۹۸ء میں مطالعات قرآنی (Qur'anic Studies) کے نام سے منعقد کیا گیا جس میں بوتھمر اور پیوئن نے صنعاء کے مخطوطات قرآنیہ کے حوالے سے لیکچرز دیئے۔[۱۴۸]

منعقدہ لیکچرز کی تفصیلات اگرچہ نہیں ملتی تاہم Puin کا آرٹیکل پڑھنے سے چند اہم نکات معلوم ہوتے ہیں۔

◎ Puin کے بقول اس کے پیش رو مستشرقین میں سے آرتھر جیفری Arthur Jeffery، اوٹو پرٹزل Otto Pretzel، انتونی سپٹلر (Antony Spitaler) اور اے فچر (A Fischer) نے قرآن کا نظر ثانی شدہ (Revised Versian) مصحف تیار کرنے کیلئے ایک سنجیدہ کوشش کی تھی اور اس ضمن میں انہوں نے اسوقت تک کے موجود ہزاروں مصاحف قرآنی کا آپس میں تقابل کرنے کے منصوبہ پر کام کا آغاز کیا۔ اس کے لیے جرمن کی میونخ یونیورسٹی میں یہ تمام مواد جمع کر کے بڑے پیمانے پر کام کو آگے بڑھایا گیا، لیکن انتہائی افسوسناک واقعہ اس وقت رونما ہوا جب دوسری جنگِ عظیم کے دوران یہ سارا مواد اور ریکارڈ بمباری سے تباہ ہوگیا۔ Piun کی نظر میں صنعاء کی یہ دریافتیں اسی منصوبہ کو دوبارہ شروع کرنے میں ایک بہت بڑی امید کی کرن اور اہم موقع کی حیثیت رکھتی ہیں اور قرآن کا Revised Versian فراہم کرنے اور اس کی نصوص میں اضطراب وارتقاء ثابت کرنے میں معاون ثابت ہوں گی۔ اس کے بقول:

"So many Muslims have this belief that everything between the two covers of the Koran is just God's unlatered word,"{Dr.Puin} says."They like to quote the textual work that shows that the Bible has a history and did not fall straight out of the sky, but until now the Koran has been out of this discussion. The only way to break through this wall is to prove that the Koran has a history too. The Sana fragments will help us to do this."[۱۴۹]

''مسلمان اکثریت یہ ایمان رکھتی ہے کہ جو کچھ قرآن کے دوگتوں کے درمیان میں ہے وہ بلاشبہ من وعن (بغیر کسی کمی بیشی کے) خدا کا کلام ہے۔ وہ قرآنی نصوص کونقل کرتے ہوئے یہ تأثر دیتے ہیں کہ بائبل ایک تاریخ کی حیثیت رکھتی ہے اور آسمانوں سے نازل نہیں ہوئی، تاہم اب (ان دریافتوں کے بعد) قرآن ایسی کوئی بحث کرنے کے قابل نہیں رہا، کیونکہ اب قرآن ''تاریخ'' ہے۔ صنعاء کے یہ اوراق ومخطوطات قرآن کی تاریخی حیثیت کو ثابت کرنے کیلئے ایک کامیابی ثابت ہوں گے۔''

◎ Puin ان دریافت شدہ قرآنی اوراق کے مطالعہ کے بعد موجودہ قرآن سے انحرافی یا اختلافی مقامات کی نشاندہی بھی کرتا ہے، مثلاً

1. بہت سارے اوراق میں الف (ہمزہ) غلط طریقہ سے درج لکھا گیا ہے۔
2. کچھ سورتوں میں آیات کے نمبرز ایک دوسرے سے مختلف دیئے گئے ہیں۔
3. دو یا تین مقامات پر سورتوں کی ترتیب بھی مروجہ مصاحف میں سورتوں کی ترتیب سے ہٹ کر پائی گئی ہے۔[۱۳۰]

◎ اگرچہ خود Puin کی نظر میں یہ اختلافات کوئی ایسے بڑے اختلافات نہیں ہیں جن کے ذریعے ان کوعلومِ قرآنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

میں کسی اہم پیش رفت کا زینہ قرار دیا جاسکے، لیکن اسکے باوجود اُن قدیم اوراق پر اپنے پہلے سے طے شدہ نتائج کا اظہار کرتا ہے۔

قرآن اپنے آپ کو مبین (واضح) کہتا ہے، لیکن اگر آپ اس پر نظر ڈالیں تو آپ اس کے ہر پانچویں جملے میں غیر معنویت کا مشاہدہ کریں گے، بہت سارے مسلم سکالرز اور مستشرقین بھی آپ کو بتائیں گے، حقیقت یہی ہے کہ قرآنی متن کا پانچواں حصہ بالکل ناقابلِ فہم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو ترجمہ کرتے وقت روایتی اضطراب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر قرآن خود عربی زبان میں ہی نہیں سمجھا جاسکتا تو اسکا ترجمہ کہاں ممکن ہوگا، لہٰذا قرآن کا اپنے بارے میں بار بار 'مبین' کہنا قطعی طور پر صحیح نہیں۔(۱۳۱)

◉ نیز اوپر ذکر کئے گئے اختلافات، سورتوں اور آیات کی ترتیب میں اختلافات اس بات کا عندیہ دیتے ہیں کہ قرآن پیغمبر کی زندگی میں حتمی شکل میں لکھا ہوا مروّج نہ تھا۔(۱۳۲)

قارئین ملاحظہ کرسکتے ہیں کہ بائبل کے ماننے والوں کی یہی وہ بنیادی خواہش ہے جو گذشتہ ایک صدی سے مختلف طریقوں سے اظہار کے راستے تلاش کر رہی ہے کہ کسی طرح قرآن کو بھی بائبل کے بالمقابل لاکھڑا کیا جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ جس طرح تاریخی اعتبار سے بائبل لاتعداد تبدیلیوں اور ارتقاءات کا سامنا کرتی رہی، مسلمانوں کے قرآن کو بھی وقت اور تاریخ کے ساتھ ساتھ لفظی و معنوی تغیرات وارتقاءات کا ملغوبہ قرار دیا جاسکے۔

Puin اس حوالے قلوا(قالوا)، قل (قال)، قلت(قالت) ، کنوا(کانوا)، سحر (ساحر)،اور بصحبکم (بصاحبکم) جیسی مثالیں پیش کرتا ہے، اگرچہ Puin یہ سمجھتا ہے کہ ان الفاظ کا تلفظ اور ادائیگی الف کے ساتھ ہوتی ہے تاہم یہ رسم ،شبہات کو جنم دیتا ہے، وہ اباؤکم ، اور ابوکم ، بلحق (بالحق)اور کلجواب(کالجواب) جیسی رسم کی غلطیوں کی بھی نشاندہی کرتا ہے۔(۱۳۳)

ٹوبی لسٹر Toby Lester نے Puin کی تحقیقات کو کافی تفصیلی بحث کرتے ہوئے قرآنی علوم اور اس کے متن میں ارتقاء کے حوالے سے ایک اہم پیش رفت کے طور پر اس ضمن میں اپنے مشہورِ زمانہ مقالہ ''What is the Koran?'' میں لکھتا ہے کہ ان صنعانی مخطوطات پر Puin کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن میں ارتقائی عمل جاری رہا ہے چنانچہ اسکے بقول موجودہ قرآن اس طرح نہیں ہے جس طرح محمد ﷺ کی زندگی میں ان کے پاس تھا۔ بلکہ یہ قرآن اسکی ترقی یافتہ شکل ہے۔(۱۳۴)

Puin کے آرٹیکل میں جو تضادات پائے جاتے ہیں ان کا اظہار درج ذیل نکات میں کیا جاسکتا ہے:

① میونخ یونیورسٹی میں ۴۲۰۰۰ قرآنی مصاحف کو جمع کر کے ان میں باہمی تقابل کے نتیجہ میں تضادات تلاش کرنے کا جو استشراقی منصوبہ بنایا گیا، اس کے تباہ ہونے سے کچھ پہلے ایک اعلان کیا گیا، جس کا ذکر ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ نے اس طرح کیا ہے:

> ''قرآن مجید کے نسخوں میں مقابلے کا جو کام ہم نے شروع کیا تھا وہ ابھی مکمل تو نہیں ہوا لیکن اب تک جو نتیجہ نکلا ہے وہ یہ ہے کہ: ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن روایات کا اختلاف ایک بھی نہیں ہے۔''(۱۳۵)

② معمولی اختلافات سورتوں کی ترتیب میں اس قدر پرانے اوراق میں بالکل قدرتی عمل ہے۔ موجودہ مصاحف میں ترتیب کے خلاف کچھ لوگوں نے بذات خود بھی ترتیبات لگانے کی کوشش کی ہے، جسے فلوجل نے کیا، Puin

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کسی جگہ بھی قرآنی سورتوں کی متن میں اختلافات کی طرف اشارہ نہیں کرسکا۔

④ کسی قدیم مصحف میں مروّج ومتواتر قرآن سے ہٹ کر بعض غلطیوں کا ملنا دراصل تصحیحات کے زمرے میں تو آ سکتا ہے تحریفات کے قبیل سے نہیں۔خود پیوئن نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے،ٹوبی لسٹر کے افسانے پر پیوئن نے قاضی اسماعیل الاکوع کو خط لکھ کر معذرت کرنے کے ساتھ ساتھ اعتراف کیا کہ سوائے چند رسم کی اغلاط کے ان اوراق میں اختلاف ہم دریافت نہیں کر پائے۔اس خط کا متن Impact International کے شمارہ نمبر ۳، مارچ ۲۰۰۰ء میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

④ یہ بے ترتیبی صرف سورتوں میں نہیں ، اوراق کے حوالے سے ذکر کی گئی ہے جیسا کہ Puin کے قبضہ میں ۳۵۰۰۰ مخطوطات تھے تو یہ ایک فطری عمل ہے۔

⑤ سورتوں میں ترتیب کا یہ خلا اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ مسلمان حفظ کے لیے چند سورتوں پر مشتمل مصاحف بھی استعمال کرتے تھے، اور مسجدیں اس وقت مدارس اور مکاتب کا کام دیتی تھیں ، لہٰذا یہ سورتوں کی بے ترتیبی نہیں بلکہ خاص مقصد کیلئے ترتیب دیئے جاتے تھے۔

⑥ اگر ایسا کوئی حصہ یا پورا قرآن بھی مل جائے تو یہ اس بات کی قطعی طور پر دلیل نہیں بن سکتا ہے کہ نبی ﷺ کے عہد میں یا کسی عہد میں یہی نسخہ مروّج رہا ہو، بلکہ ممکن ہے کہ یہ نسخہ کسی کاتب نے املاء کیا ہو اور یہاں محفوظ ہو گیا ہو۔ کیونکہ صدیوں کا تواتر اس کی نفی کرتا ہے۔

حواشی

(۱) زرکلی خیر الدین، الاعلام، ۱/۸۴، دار العلم للملايين ، بیروت، ط۲، ۱۹۸۴ء

(۲) نجیب العقیقی، المستشرقون، ۳/۹۰۶، دار المعارف مصر، ۱۹۶۵ء

(۳) الاعلام، ۱/۸۴......ونجیب العقیقی، المستشرقون، ۳/۹۰۷

(۴) گولڈزیہر، العقیدة والشريعة في الاسلام، ص۴، ترجمہ: محمد یوسف موسیٰ، علی حسن عبدالقادر، عبدالعزیز عبدالحق، دار الکتب الحدیثة، قاہرہ ۱۹۵۹ء

(۵) العقيدة و الشريعة، ص۵

(۶) دیکھئے: Ignaz Gold Zihr, Islamic Studies, Goerge Allen and Unwin Ltd. Landon, 1886.

(۷) الدکتور مصطفیٰ السباعی، الاستشراق والمستشرقون، ص۳۳، مکتبہ دار البیان کویت، س۔ن۔

(۸) تفصیل کے لیے الغزالی محمد الغزالی کی کتاب دفاع عن العقيدة و الشريعة ضد مطاعن المستشرقين ص۵ یا ۱۰، دار الکتب الحدیثۃ مصر، ط۳، ۱۳۸۴ھ اور علیان محمد عبدالفتاح کی اضواء على الاستشراق ص۹ تا ۵۲، دار البحوث العلمیۃ کویت، ط۱، ۱۴۰۰ھ ملاحظہ ہوں۔

(۹) عبدالحلیم النجار، تقدیم مذاهب التفسير الاسلامی، ص ث (۱۰) أضواء على الاستشراق، ص۹ تا ۵۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(۱۱)ڈاکٹر عبدالحلیم النجار،مذاھب التفسیر الاسلامی(ترجمہ وتقدیم) (۱۲)الدکتور عبدالوہاب حمودہ، القرا ء ات واللھجات ،مکتبہ النہضۃ المصریۃ قاہرہ، ۱۹۴۸ء

(۱۳)عبدالفتاح القاضی، القراء ات فی نظر المستشرقین والملحدین، دارمصر للطباعۃ، ۱۴۰۲ھ

(۱۴)شلبی عبدالتفاح اسماعیل، رسم المصحف العثمانی واوھام المستشرقین فی قراء ات القرآن الکریم:دوافعھا ودفعھا، مکتبہ نہضۃ مصر، ۱۹۶۰ء

(۱۵)ڈاکٹر ابراہیم عبدالرحمٰن خلیفہ، دراسات فی مناھج المفسرین، ص۶۹ تا ۲۱۲، بحوالہ بازمول محمد بن عمر بن سالم، القراء ات واثرھا فی التفسیر والاحکام، ۱/۱۱۳، دارالہجرۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء

(۱۶)الدکتور عبدالرحمٰن السید، کولدتسیھر والقراء ات ،منشور بمجلۃ المربط، اصدار جامعۃ البصرۃ، عدد اول، بحوالہ: دکتور عبدالھادی الفضلی، القراء ات القرآنیۃ: تاریخ وتعریف، ص۱۱۱، ط۳، دارالقلم بیروت، ۱۹۸۰ء

(۱۷)الکردی طاہر عبدالقادر، تاریخ القرآن وغرائب رسمہ وحکمہ، مطبعہ مطصفی البابی الحلبی مصر، ط۲، ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء

(۱۸)مذاھب التفسیر الاسلامی، ص۴ (۱۹)ابن قتیبہ ابو محمد بن عبداللہ مسلم ،تاول مشکل القرآن، ص۲۴و۲۵، ت: السید احمد صقر، دارالتراث القاہرہ مصر، ط۲، ۱۹۹۳ء

(۲۰)مذاھب التفسیر الاسلامی، ص۵۳ (۲۱)ہامش مذاھب التفسیر الاسلامی، ص۴

(۲۲)یہ حدیث متواتر ہے، دیکھئے:نظم المتناثر، ص۱۱ بحوالہ: محمد بن عمر بن سالم بازمول، القراء ات واثرھا فی التفسیر والاحکام، ۱/۳۱۵

(۲۳)ابن حزم ،الفصل فی الملل والاھواء والنحل، ۲/۷۶، دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر بیروت، ط۲، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء (۲۴)مرجع سابق

(۲۵)الاجوبۃ الفاخرۃ، ص۹۷تا۹۹ (۲۶)تاویل مشکل القرآن، ص۳۳

(۲۷)القراء ات فی نظر المستشرقین والملحدین، ص۱۸ (۲۸)ابن تیمیہ ،مجموع الفتاویٰ، ۱۳/ ۳۹۱، جمع عبدالرحمٰن بن محمد بن قاسم، مطبعۃ الرسالۃ سوریا، ط۱، ۱۳۹۸ھ

(۲۹) سبا:۱۹ (۳۰) البقرۃ:۲۲۹ (۳۱)ا ابراھیم:۴۶ (۳۲)ا البقرۃ:۹ (۳۳)البقرۃ:۱۰ (۳۴)النساء:۴۳ (۳۵)البقرۃ:۲۲۲ (۳۶)طبری ابوجعفر محمد ابن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، ۱/۵۵، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، ۱۹۶۸ء (۳۷)مجموع الفتاویٰ، ۱۳/ ۳۹۲

(۳۸)مذاھب التفسیر الاسلامی، ص۵ (۳۹)القراء ات فی نظر المستشرقین والملحدین، ص۱۹

(۴۰)عبدالواحد بن عاشر الاندلسی، تنبیہ الخلان علی الاعلان بتکمیل موردالظمآن، ص۲۸۲، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴۱)القراء ات فی نظر المستشرقین، ص۹۳
(۴۲)جامع البیان فی القراء ات السبع (مخطوط) بحوالہ: قاری ابراہیم میر محمدی، مکانۃ القراء ات عند المسلمین، ص۲۹و۳۰ملخصاً، جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور، س۔ن
(۴۳)القراء ات فی نظر المستشرقین ،ص۱۹و۲۰ (۴۴)مرجعِ سابق
(۴۵)جیفری، مقدمہ کتاب المصاحف، ص۳ ۔ تحقیق کی غرض سے آرتھر جیفری کا ''کتاب المصاحف'' کو منتخب کرنا اتنا ہی پر حیرت معلوم ہوتا ہے جس قدر اس کے تحقیقی مناہج کے نقائص۔ اصولِ انتقادِ اعلیٰ (Principal of Higher Criticism) کے حامی اور موید محقق کیلئے ضروری تھا کہ وہ کتاب کے انتخاب کے ساتھ ساتھ اس کے مندرجات سے سرسری یا سطحی واقفیت کی بجائے اس کے جملہ پہلوؤں سے شناسائی پیدا کرتا۔ محض کتاب کے رطب و یابس مواد پر مشتمل ہونے کو کافی سمجھ کر بلا دلیل و تعمق تبصرہ کرنا محقق کے شایانِ شان نہیں ہوتا۔
(۴۶)نفس المصدر، ص۱۶ (۴۷)یہ سماعات جیفری کے مقدمہ ص۱۴تا۱۶ ملاحظہ ہوں۔ (۴۸)کتاب المصاحف، ص۱۱ (۴۹) دیکھئے: کتاب المصاحف، ص۱۱۷
(۵۰)نفس المصدر، ص۱۱۵ (۵۱)نفس المصدر، ص۱۶ (۵۲)سخاوی، جمال القراء، ۸۸/۱ (۵۳)ابن ابی داؤد، کتاب المصاحف، ص۱۱۲ (۵۴)نفس المصدر، ص۱۵۳ (۵۵)نفس المصدر، ص۱۵۵ (۵۶)نفس المصدر، ص۱۱۲ (۵۷)نفس المصدر، ص۱۷۵ (۵۸)مثلاً دیکھئے نفس المصدر، ص ۳۱ (۵۹)سبحان واعظ محبّ الدین، مقدمہ کتاب المصاحف، ص۱۱۵ (۶۰) Materials,p.117 (۶۱) p.183 (۶۲)ابن ابی داؤد، کتاب المصاحف، ص۵، ۱۰، ۱۵، ۵۰، ۷۵ (۶۳) M.A.Chaudhary,p.182
(۶۴)یہ زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ جمع قرآن کا پیرایہ ان حضرات کیلئے بھی استعمال ہوا ہے جو قرآن کریم حفظ کیے ہوئے تھے (کتاب المصاحف، ص۱۰)
(۶۵)نفس المصدر، ص۵۰ (۶۶)ماخوذ از: الاسلام والمستشرقون، ص۶۳ (۶۷)ابن ابی داؤد، کتاب المصاحف، ص۵۰ (۶۸)نفس المصدر، ص۵۰تا۵۲
(۶۹)الاسلام والمستشرقون، ص۶۴ (۷۰)البقرۃ:۲۸۵ (۷۱)ابن ابی داؤد، کتاب المصاحف، ص۵۳
(۷۲)کرمانی رضی الدین ابوعبداللہ محمد، شواذ القراءۃ واختلاف المصاحف، ص۱۴۴، مخطوط بجامعۃ الازہر، بحوالہ: عبدالصبور شاہین، تاریخ القرآن، ص۱۲۶ (۷۳) Materials,p.211 (۷۴)عبد الصبور شاہین، تاریخ القرآن، ص۱۲۷و۲۸ (۷۵)جیفری، مقدمۃ کتاب المصاحف، ص۳ (۷۶)یونس:۱۵
(۷۷)جیفری، مقدمہ کتاب المصاحف، ص۵ (۷۸)مرجعِ سابق (۷۹) Materaials,p6&7
(۸۰)تقی عثمانی، علوم القرآن، ص۲۳۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۸۱)طاش کبریٰ زادہ،مفتاح السعادۃ،۳۹۲/۲ (۸۲)ابن ابی داوٗد،مقدمہ کتاب المصاحف،ص۵
(۸۳) Rodwell J.M., The Koran (Translated), London,1953, p.2 (۸۴)جیفری، مقدمہ کتاب المصاحف،ص۵و۶ (۸۵)مرجع سابق
(۸۶)Primary Codexes میں ۱۵صحابہ کے نام ذکر کیے ہیں جبکہ Secondary Codexes میں ۱۳ تابعین کے نام شمار کئے ہیں(p.14
(۸۷) Materials, p.14 (۸۸) مرجع سابق (۸۹)سیوطی،الاتقان،۵۷/۱ (۹۰)بخاری ،الجامع الصحیح ، کتاب فضائل القرآن
(۹۱)ابن ابی داوٗد،کتاب المصاحف،ص۱۰ (۹۲)ڈاکٹراکرم چوہدری ،اختلافِ قراء ات اورمستشرقین،آرتھر جیفری کا خصوصی مطالعہ،ص۱۸۲ (۹۳)ابن ندیم،الفہرست،ص۳۶
(۹۴)لیکن ان دونوں کتب کی محتویات'الاتقان' اور'درالمنثور'میں ملتی ہیں۔(لبیب السعید، المصحف المرتل،ص۳۲۱) (۹۵)Materials, p.234 (۹۶)مرجع سابق
(۹۷)نفس المصدر،230 (۹۸)نفس المصدر،p.22 (۹۹)نفس المصدر،p.212 (۱۰۰)نفس المصدر،p.211
(۱۰۱)نفس المصدرp.216 & 217
(۱۰۲)نفس المصدر،p. 220 to 222 (۱۰۳)نفس المصدر،p.227 to 229 (۱۰۴)نفس المصدر، p.232 & 233 (۱۰۵)جیفری،مقدمہ کتاب المصاحف،ص۶
(۱۰۶)ملاحظہ ہو:Materails, p.16(ترجمہ:ص۷۰) (۱۰۷)جیفری، مقدمہ کتاب المصاحف ،ص۵
(۱۰۸)ایضا
(۱۰۹)بخاری، الجامع الصحیح ، باب نزول القرآن بلسان قریش (۱۱۰)سبحان واعظ،مقدمہ ،ص۱۲۹ (۱۱۱)صُبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص۷۱
(۱۱۲)ابن ابی داوٗد،کتاب المصاحف،ص۵۴
(۱۱۳)محمد احمد غازی،علومِ اسلامیہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی خدمات،مجلّہ فکرونظر۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ خصوصی اشاعت۔اپریل ستمبر۲۰۰۳ء،شمارہ نمبر:۱۶۴،ادارہ تحقیقاتِ اسلامی ،بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی،اسلام آباد۔
(۱۱۴)سبحان واعظ،مقدمہ،ص۱۳۰ (۱۱۵)جیفری،مقدمہ کتاب المصاحف،ص۶ (۱۱۶)سبحان واعظ،مقدمہ،ص۱۳۰
(۱۱۷)جیفری،مقدمہ کتاب المصاحف،ص۸ (۱۱۸)ابن الجزری،النشر ،۱۲/۱ (۱۱۹)ابن البازش،الاقناع فی القراء ات السبعۃ،۵۵/۱
(۱۲۰)دیکھئے:ابوجعفر النحاس ،اعراب القرآن،۶۸۶/۱،تحقیق: د۔ظہیر غازی زاہد،مطبعۃ المعانی بغداد،۱۹۸۰ء
(۱۲۱)دیکھئے:الابانۃ ،ص۹۹و۱۰۰
(۱۲۲)ڈاکٹرمحمدالحبش،القراء ات المتواترۃ واثرھا فی الرسم العثمانی والاحکام الشرعیۃ،ص۲۶،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ط ا، دار الفکر المعاصر، دمشق، ۱۹۹۹ء

(۱۲۳) جیفری، مقدمہ کتاب المصاحف، ص۸ و ۹...... بنیادی طور پر یہ شبہ ابوشامہ کو بھی پیش آیا کہ جب کوئی قراءت کسی ایک شخص کی جانب منسوب ہوتی ہے تو وہ خبرِ واحد کے درجہ میں آتی ہے۔ (ابن الجزری، منجد المقرئین، ص۲۴۸)۔ ابن الجزری رحمہ اللہ کا قول ہے: میں نے اپنے شیخ شمس الدین محمد ابن احمد خطیب شافعی رحمہ اللہ کے سامنے ابوشامہ رحمہ اللہ کا یہ قول پیش کیا کہ بعض وجوہ کے ناقلین آحاد و قلیل ہیں نا کہ لاتعداد و بے شمار۔ تو فرمایا: ابوشامہ رحمہ اللہ اس بارے میں معذور ہیں کیونکہ انہوں نے قراءات کی تخریج کو احادیث کی تخریج پر قیاس کیا اور یہ سمجھ لیا کہ جس طرح احادیث میں جب کسی حدیث کا مدار ایک ناقل پر ہو تو اس کو خبرِ واحد کہتے ہیں اسی طرح قراءات میں بھی جب کسی قراءت وروایت کی نسبت ایک ہی امام کی طرف ہو تو اس کو بھی خبرِ واحد ہی کہیں گے نہ کہ متواتر۔ اور ابوشامہ رحمہ اللہ پر یہ بات مخفی رہی کہ خاص اس امام کی طرف اس روایت وقراءت کی نسبت اصطلاح وعرف کی بناء پر ہے وگرنہ ہر زمانہ میں پورے شہر والے اس روایت وقراءت کو پڑھتے اور پڑھاتے تھے جس کو انہوں نے جماعت در جماعت پہلے لوگوں سے حاصل کیا تھا اور اگر اس قراءت وروایت کا ناقل ایک ہی ہوتا اور دوسرے اہلِ شہر میں اس کا چرچا اور رواج نہ ہوتا تو اس پر کوئی بھی اس ایک امام کی موافقت نہ کرتا بلکہ سب کے سب اس قراءت وروایت سے بچتے اور دوسروں کو بھی اس سے بچنے کی تلقین کرتے حالانکہ ایسا نہیں۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے قاری طاہر رحیمی مدنی، دفاعِ قراءات، ص۳۹۲)۔

(۱۲۴) سجان واعظ، مقدمہ، ص۱۳۲ و ۱۳۳ (۱۲۵) جیفری، مقدمہ کتاب المصاحف، ص۸ تا ۱۰ (۱۲۶) سجان واعظ، مقدمہ، ص۱۳۲ و ۱۳۳

(۱۲۷) 'تسلط' کے لفظ کا استعمال ایک سلیم العقل اور معتدل محقق سے بعید ہے (سجان واعظ، مقدمہ، ص۱۳۴)۔

(128)Mohar Ali"The Quran and the Orientalists" .Jamiyat Ihyaa Minhaaj Al-Sunnah,U.K 2004,p267.

(129)Puin G. R "Observations on Early Qur'an Manuscript in Sana" in Stefan Wild (ed.) The Qur'an as Text, E.J.Brill, Leiden,1996.P108

(130) Ibid PI03-10

(131) Ibid P108-9

(132) Ibid

(133) Ibid

(134)P220

(۱۳۵) خطبات بہاولپور ص 20, 21

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوعبدالقادر قاری محمد طاہر رحیمی*

دفاعِ قراءات......خلاصۂ کتاب

ماہنامہ رُشد قراءات نمبر (حصہ اوّل) میں ہم نے پانی پتی سلسلہ قراءات کے بانی اُستاد، محقق عالم دین مولانا قاری طاہر رحیمی رحمہ اللہ کا معروف منکر حدیث تمنا عمادی کے اختلاف قراءات سے متعلقہ نظریات کے ردّ پر مشتمل مضمون شائع کیا تھا۔ موصوف کا شمار چونکہ برصغیر میں انکار قراءات کی نمائندہ ہستیوں میں ہوتا ہے اور جن کے افکار ہی کو بنیاد بنا کر عام منکرین قراءات اس کارِغلط میں شریک ہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں اُن کے افکار کا تفصیلی ردّ انتہائی ضروری محسوس ہوتا ہے۔ شیخ القراء قاری طاہر رحیمی رحمہ اللہ نے اس قرض کو یوں چکایا ہے کہ علامہ تمنا عمادی کے قراءات کے حوالے سے نظریات کو ہی موضوع بحث بنا کر تقریباً ہزار صفحات پر مشتمل مفصل کتاب 'دفاع قراءات' کے نام سے ترتیب دی ہے، جو کہ الحمدللہ مطبوع حالت میں موجود ہے۔ اس کتاب کی تلخیص بھی مصنف نے تمہیداً خود پیش کر دی ہے۔ قارئین رشد کے اِفادے کے لیے کتاب کے پیش لفظ اور خلاصہ کو ہم ماہنامہ رُشد کی اس اشاعت خاص میں خصوصی طور پر شائع کر رہے ہیں۔ [ادارہ]

اَعداءِ اسلام دائما متعدد وسائل و ذرائع سے اسلامی تشریع کے اوّلین سرچشمہ قرآن کریم کے متعلق مسلمانوں میں جدال وخلاف اور شکوک وشبہات پیدا کرنے کے درپے رہتے ہیں تاکہ ضعیف الایمان مسلمانوں کو اسلام سے مرتد و برگشتہ کردیں۔ افسوس صد افسوس! بعض مسلمان اہل علم بھی بالخصوص استشراق المانی و اُوربی کی نشأت کے بعد ان اعداء اسلام کی ملمع کاریوں سے متاثر ہوکر ان کے دام فریب وتزویر میں پھنس جاتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اسلام کا دفاع کریں اُلٹا اُنہیں کے ہم نوا ہوکر قرآن کریم پر شبہات عائد کرنے کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں۔ اُن کے اس طریقہ کار سے اسلام اور اہل اسلام کو اعداء اسلام سے بھی زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ کما قال القائل:

لا یبلُغ إلا عداء من جاھل
ما یبلغ الجاھل من نفسہ

''جاہل کے دشمن اس کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے جتنا خود وہ جاہل اپنی ذات کو نقصان پہنچا لیتا ہے۔''

ایسے لوگوں کا مقصد دانستہ یا نادانستہ اسلامی بنیادوں کو منہدم اور کھوکھلا کردینا ہوتا ہے۔ مگر ارشادِ حق ہے:

﴿يُرِيْدُوْنَ أَنْ يُّطْفِؤُا نُوْرَ اللهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللهُ إِلَّآ أَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

☆ پانی پتی سلسلہ قراءات کے بانی اُستاد......مصنف کتب کثیرہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم نے کتاب ہذا میں 'اختلاف قراءات' اور 'سبعہ احرف' کے متعلق چند جدید شبہات کے بفضلہٖ تعالیٰ تشفی بخش اور دندان شکن جوابات دیئے ہیں۔ جس ناقد نے یہ شبہات عائد کیے ہیں اُس نے سبعہ احرف جیسی عظیم حدیث متواتر تک کو موضوع کہہ دیا ہے گویا اُس نے اس حرکت عظیمہ سے پورے اسلاف اُمت پر سے اعتماد اٹھا دیا۔ کوئی 'صحیح العقیدہ سنی مسلمان' جو ایک شمہ بھر بھی علم و شعور رکھتا ہوتا ایسا قول کرنے کی قطعاً جرأت و بیباکی نہیں کرسکتا۔ یہ قول صرف اُسی جاہل مطلق سے سرزد ہوسکتا ہے جس کو ایک شمہ بھی علم حاصل نہ ہو مگر ناقد تو علامۃ الزمان اور ثانی مجدد الف ثانی کے خواب دیکھ رہے ہیں پھر نہ معلوم! اُن سے ایسا جاہلانہ قول کیونکر صادر ہوگیا؟

جناب ناقد! سب سے پہلے تو آپ سے یہ لغزش ہوئی کہ فن قراءت کے رجال کو آپ نے حدیث کے رجال پر قیاس کیا ہے باوجودیکہ دونوں میں بون بعید ہے کسی متواتر چیز کے رجال سند سے بحث مقصود بالذات نہیں ہوتی بلکہ وہ محض ثانوی و تائیدی درجہ میں ہوتی ہے۔ دراصل وہ متواتر چیز قطعی الثبوت ہی رہے گی اگر کسی جگہ سند میں کوئی سقم ہوگا تو وہ قطعی مضر و قادح نہ ہوگا بشرطیکہ واقعتاً سقم ہو۔ ایسا نہ ہو احمد بن یزید الحلوانی المقری رحمہ اللہ قالون رحمہ اللہ [لسان المیزان: ۱/۴۹۳] کی عبارت کے باوجود حلوانی کو قالون کا شاگرد ماننے سے انکار ہو یا اصبھانی ابوبکر رحمہ اللہ راویٔ ورش رحمہ اللہ کو قتیبہ بن مہران اصبھانی رحمہ اللہ شاگرد کسائی رحمہ اللہ سمجھ کر یہ دعویٰ کردیا جائے کہ اصبہانی رحمہ اللہ اوّل تو کہیں بھی ورش رحمہ اللہ کے شاگردوں میں نہیں بلکہ اصبہانی رحمہ اللہ کے استاد تو کسائی رحمہ اللہ ہیں۔ یا یہ کہہ دیا جائے کہ ابن کثیر مکی رحمہ اللہ المولود ۴۵ھ بوقت وفات عبداللہ بن السائب رحمہ اللہ المتوفی ۶۵ھ کمسن تھے باوجودیکہ حساب سے اُس وقت ابن کثیر رحمہ اللہ کی عمر ۲۰ سال کی بنتی ہے۔ بیس سالہ نوجوان کو کمسن کہنا ناقد ہی کی قلم کا کرشمہ ہے۔

جو شخص ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی عربی عبارت کے ترجمہ اور مطلب میں نحوی ولغوی و سیاقی اغلاط کا مرتکب ہو کر اصل مقصد ہی نہ سمجھ سکے اور اناپ شناپ باتیں ہانکتا رہے اور الداری کا ترجمہ ''رے کا رہنے والا'' کرے اس کی علمی قابلیت عقل سے وراء اور غالباً علم لدُنی و وہبی ہی کی کوئی خاص قسم ہے۔ حضرت علامہ ناقد کا ایک عجیب لطیفہ یہ ہے کہ حضرت کو یہی علم نہیں کہ بسا اوقات مصنفین اپنی کتب کے انتساب کی مزید صحت و وثاقت کے لیے اپنے آپ کو غائب کے صیغہ سے جابجا ذکر کرتے ہیں ابن جریر طبری رحمہ اللہ تفسیر طبری میں متعدد مقامات پر قال ابوجعفر رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

سنن ابی داوٗد کا قال أبو داؤد تو خوب ہی معروف ہے، طیبة النشر کے شروع میں محقق ابن الجزری رحمہ اللہ قال محمد هو ابن الجزری فرما رہے ہیں۔ خود قرآن کریم میں ﴿وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ جیسے مواقع میں ذات الٰہی بصیغۂ غائب مذکور ہے۔ ایسی صورت حال میں جناب ناقد، تیسیر میں جابجا قال ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ کے تذکرہ سے یہ نتیجہ کس بنیاد پر نکال رہے ہیں کہ یہ دانی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے ہی نہیں۔ ناقد نے ترجمہ عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج رحمہ اللہ کے تحت وقال الدانی راوی عنه القراء ة عرضاً نافع بن أبی نعیم [تهذیب التهذیب: ۲/۵۶۲] کی عبارت میں عرضاً کا ترجمہ زبانی سن کر حاصل کرنے کا کیا ہے جبکہ اس کا صحیح ترجمہ زبانی پڑھ کر حاصل کرنے کا ہے، واقعی ایسی قابلیت قابل صد آفریں ہے۔

علاوہ ازیں فن قراءات کے رجال پر تبصرہ کرتے وقت رجال قراءت کی کتب زیر مطالعہ رکھنا ضروری تھا۔ تهذیب التهذیب، لسان المیزان وغیرہما درحقیقت رجال حدیث کی کتب ہیں۔ بعض قراء محدثین کا تذکرہ ضمناً وتبعاً آ گیا ہے اور وہ بھی صرف اُن کی شان تحدیث کی حیثیت سے، فن رجال قراءت کی اصل کتب معرفة القراء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الکبار للذهبی اور طبقات القراء لابن الجزری وغیرہما ہیں۔ہم یہ بدگمانی تونہیں کرتے کہ ناقد کے پاس اصل کتب طبقات القراء موجود تھیں اور اُن کے مندرجات سے وہ بخوبی باخبر وواقف تھے مگر دیدہ دانستہ اُن کے حوالہ جات سے گریز کیا ہے بلکہ حسن ظن کی بنا پر یہی سمجھتے ہیں کہ ناقد کو طبقات القراء کی کتب دستیاب نہ ہوئی ہوں گی اس لیے رجال قراء ت کی بابت اُن کی معلومات اُدھوری رہ گئیں۔مگر ایسی صورت حال میں کسی مضمون کو تحقیق کا اور دیانتدارانہ تنقید کا نام ہرگز نہیں دیا جاسکتا۔کیونکہ کسی موضوع پر تحقیقی کام کرنے والے پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اولاً وہ زیر بحث موضوع کی جملہ کتب متعلقہ فراہم کرے اور اس کے بعد ہی ریسرچ و تحقیق کا کام شروع کرے مگر یہاں صورتِ حال کچھ یوں محسوس ہورہی ہے کہ ناقد نے اولاً اپنے ذہن میں قراءات کے متعلق ایک غلط مفروضہ و نظریہ قائم کرلیا ہے اور پھر اس کے برخلاف جہاں جہاں بھی کوئی چیز نظر آئی اس کونظر انداز کرتے گئے اور جہاں کہیں کوئی معمولی سی تائید بھی اپنے زعم کے مطابق نظر آئی بس اس کوفوراً اور بے چوں و چرا بلا تحقیق درج کر دیا۔

دوسرے نمبر پر آپ سے یہ غلطی اور چوک ہوگئی کہ رجال قراءات میں سے کسی قاری یا راوی کو جب کسی محدث نے 'ضعیف فی الحدیث' کہہ دیا تو آپ نے اس کوقراءت میں بھی ضعیف قرار دے دیا جوسراسر نادانی وکم عقلی و بے انصافی ہے۔کسی ایک فن میں کمال حاصل نہ ہونے سے دوسرے فن کا عدم کمال قطعاً لازم نہیں آتا جیسا کہ کوئی مقری صاحب فن کسی محدث کو 'ضعیف فی القراء ۃ' کہہ دے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ محدث،حدیث میں بھی ناقص وغیر ماہر ہے۔تفصیلات اپنے مواقع میں آرہی ہیں۔

تیسرے نمبر پر آپ سے بنیادی تسامح یہ ہوا ہے کہ اقوال شاذہ یا اقوال روافض کی بنیاد پر کئی رجال قراءت کو آپ نے رافضی قرار دے دیا باوجودیکہ روافض تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کو نہیں بخشتے ہیں ائمہ کو تو کیا چھوڑیں گے، فی الواقع روافض،قراءات مختلفہ کوتحریفات قرار دیتے ہیں جس سے وہ تحریف قرآن پر استدلال کرتے ہیں آنجناب نے بھی قراءات کوتحریفات قرار دیا ہے تو پھر روافض کا یہ دعویٰ بھی 'کہ قرآن محرف ہے' معاذ اللہ صحیح تسلیم کرنا ہوگا۔اگر دعویٰ غلط ہے تو دلیل بھی غلط ہے۔دلیل صحیح ہے تو دعویٰ بھی صحیح ہے۔

روافض نے یہ خیال کیا کہ ہم سنی رجال قراءت کو ہی رافضی ثابت کردیتے ہیں تاکہ وہ سنیوں میں مطعون و بدنام ہوجائیں اور اُن سے سنیوں کا اعتماد اُٹھ جائے جس سے وہ ازخود ہی یہ نتیجہ نکال لیں گے کہ یہ قراءات۔معاذ اللہ غلط ہیں۔روافض کی یہ چال آپ نہیں سمجھ پائے ہیں یا پھر آپ ان کے ہمنوا بن گئے ہیں۔

چوتھے نمبر پر آپ سے یہ سنگین غلطی ہوئی کہ آنجناب نے تحریک قراءت کو اہل کوفہ کے ملاحدہ اور اُن کے موالی اعجام کی سازش قرار دیا ہے۔مولیٰ ہونا تو قابل فخر چیز ہے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنّیٰ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے صاحبزادے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مولیٰ بنایا۔یہ تو قرآن کا کمال ہے کہ اس نے مولیٰ اعجام جیسے لوگوں کو رفعت بخش دی۔پھر قراءات سب کی سب معجزہ ہیں موالی تو کجا بڑے بڑے احرار خالص فصحا عرب بھی قرآن کا مثل بنا کر نہیں لاسکے ہیں اور آپ کہہ رہے ہیں کہ موالی اعجام نے اپنے پاس سے معجزہ نما قراءات گھڑلی ہیں۔والعیاذ باللہ۔کیا اس طرح قرآنی اعجاز بحال رہ جائے گا؟ یا کیا ایسی صورت حال میں اہل اسلام یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ آج تک کوئی بھی قرآن کا مثل بنا کر پیش نہیں کرسکا ہے؟

الغرض شرف قرآن شرف نسب سے فائق ہے اسی لیے عجمی عالم باعمل، نکاح میں سیدزادی کا کفو شمار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے۔[کما فی الشامية:۲/۳۲۳]"فالعالم العجمي يكون كفوًا للجاهل العربي والعلوية لأن شرف العلم فوق شرف النسب"باقی ملاحدہ و روافض کوفہ نے اصل منزل اختلاف قراءات کے مٹانے کی سرتوڑ کوشش کی اور اس سلسلہ میں انہوں نے کئی من گھڑت جعلی الفاظ بھی شامل قرآن کرنا چاہے، مثلا بو لاية علی وغیرہ مگر وہ نہ چل سکے۔اُن کی تحریک، مخالفت قراءات وسعی تحریف قرآن اور الحاق الفاظ موضوعہ مخترعہ کی تھی۔اختلاف قراءات جو مدینہ منورہ میں منزل من اللہ ہوا ہے۔روافض اس کو کیوں کر پھیلانے لگے تھے؟

پانچویں نمبر پر آپ سے یہ بھول ہوگئی کہ قراءات متواترہ کو آنجناب نے غیر محفوظ قرار دیا ہے۔قراءات میں حرکات وسکنات،حروف وکلمات کی تبدیلی تو بعد کی بات ہے آج تک اختلاف قراءات سے متعلق ادائی چیزوں کی منقولہ آوازیں بھی محفوظ ہیں۔اِمالہ کس طرح ہوتا ہے؟اس کی کیا آواز ہے؟ باریک حرف کی باریکی کی آواز کیسی ہوتی ہے؟ اظہار کی آواز کیا ہے؟ غُنّہ کی صوت منقول کیا ہے؟تسہیل کی آواز کس طرح ہوتی ہے؟ آج کوئی ان آوازوں میں ہی کسی قسم کی تبدیلی و غلطی وتحریف کرکے نہیں دکھا سکتا ہے تو کیا ازمنۂ متقدمہ سالفہ اس پُرفتن دور سے بھی گئے گزرے ہوگئے تھے کہ اُن ادوار مبارکہ میں آوازیں تو کجا حرکات وسکنات حروف وکلمات تک میں بھی تبدیلی ہوگئی اور تمام علماء،قراء،افاضل اور اکابر ائمہ مجتہدین حضرات مجددین تماشا دیکھتے رہ گئے؟

چھٹے نمبر پر آپ سے یہ انتہائی سنگین غلطی سرزد ہوئی کہ سبعہ احرف والی متواتر وقطعی الثبوت حدیث کو معاذ اللہ موضوع بتایا ہے؟ معلوم نہیں آپ نے موضوعات کی کون سی کتاب میں یہ بات ملاحظہ کی ہے۔واقعی چیز کو غیر واقعی بنا دینا دن کو رات کہنے کے مترادف ہے۔کسی حوالہ سے تو اس حدیث کی موضوعیت یا کم از کم اس کا ضعف ہی آپ نے ثابت کرنا تھا تا کہ آپ کے مطالعہ کی وسعت کی داد دی جاتی،مگر یہ تا قیام قیامت ناممکن ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ میرے پاس اس بات کے دلائل قطعیہ موجود ہیں کہ دنیا میں مکہ معظّمہ یا مدینہ منورہ نام کا کوئی شہر ہی موجود نہیں ہے۔ایسا شخص یقیناً دیوانہ اور مؤوف الدماغ ہی کہلائے گا۔

ناقد کے تمام شبہات کا عمومی اور کلی جواب یہ ہے کہ اختلافِ قراءات قطعی الثبوت متواتر روایات ونقول اور اجماع وتعامل اُمت سے ثابت ہے اور یہ تمام شبہات محض ظنیات وقیاسات اور عقلیات کے باب سے ہیں اور قطعی الثبوت کے مقابلہ میں ظنی معقول، لا شئ محض کے درجہ میں ہے۔ان تمام شبہات کی بنیاد بلکہ ناقد کی پوری تنقیدی ذہنیت کی بنیاد حسب ذیل بارہ اصول پر قائم ہے

1. شذوذ وتفرد
2. حدوث وابتداع
3. تغلیط کل اُمت وتفریق جمیع ملت
4. تجریح وطعن جمیع سلف بمصداق حدیث يطعن آخر هذه الامة أولها
5. فتنہ پردازی بقرب یوم القیامۃ بمصداق خالف تعرف (مخالفت کرو۔پہچانے جاؤ گے)
6. تخریب وہدم اَحادیث صحیحہ بمجرد الرأی والقیاس
7. تخریب وہدم اختلافات قرآنیہ منزلہ من اللہ بمجرد الهوى النفسانى
8. محض عقلی وقیاسی اٹکل پچو باتوں کی بنیاد پر حقائق واقعیہ کو مسخ کرکے غیر واقعی امور کو واقعی اور واقعی کو غیر واقعی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنا دینا

⑨ علماء اسلام کی بجائے اعداء اسلام اور روافض و مستشرقین کی ڈگر پر چلنا

⑩ اعجاب وخودرائی، کبر و تعلّی، کثرت جہل

⑪ منکرین حدیث کو تقویت پہنچانا

⑫ قلت معرفت و ناواقفیت علوم نحو و عربیت

الغرض اس طریق پر چلتے ہوئے ناقد نے 'غرض صلیبی استعماری خبیث' کو خوب ہی خوب تقویت پہنچائی ہے۔زمانہ حاضرہ میں قرب قیامت کی اکثر نشانیاں واقع وظہور پذیر ہوچکی ہیں اُنہی میں سے ایک نشانی قلت علم اور کثرت جہل و اعجاب کل ذی رأی برأیہ بھی ہے۔کثرت جہل کے ساتھ جب سلف پر طعن و نقد بھی شامل ہوجائے تو عقل مسخ ہوجاتی ہے اور مسخ عقل کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص حقائق قرآنیہ حدیثیہ تاریخیہ کو یکسر مسخ کرکے رکھ دیتا ہے، ناقد موصوف نے ہر ہر جگہ اولاً اپنی عقل کل سے جدت کا شاہکار ایک مردہ مفروضہ قائم کرلیا ہے جو قطعی لا رُوح فیہ کا مصداق ہے اور پھر اُس مفروضہ کے خلاف جو کچھ بھی سامنے آیا خواہ وہ قرآن کے اختلاف قراءات سے متعلق تھا، خواہ حدیث کی روایات سے، خواہ تاریخی حقائق و وقائع سے سب کو بے دریغ رد کردیا ہے۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ تیرہ صدیوں کے جملہ اکابر اہل السنۃ والجماعۃ، ثقات مؤرخین، ائمۂ مجتہدین، محدثین، مفسرین، مجددین اور طائفات منصورہ حقہ سے جو چیز بتواتر وتعامل سلف ثابت چلی آرہی تھی اُس کے متعلق ان سب کو بیک جنبش قلم غیر ثقہ اور غیر معتمد علیہ قرار دے دیا۔بس جہاں اپنے مفروضہ کے موافق ان حضرات کی کوئی بات نظر آگئی اُسے جھٹ پکڑ لیا اور باقی کو خیر باد کہہ دیا پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اس مفروضہ کو اپنے گمان میں موصوف اصل حقیقت حال وغیرہ کا نام بھی دے لیتے ہیں۔فإلی اللہ المشتکی

خلاصۂ کتاب دفاعِ قراءات

(۱): مصحف عثمانی اور سبعہ احرف کا منکر کافر و واجب القتل ہے

① قال أبوعبید والقرآن الذی جمعه عثمان بموافقة الصحابة لو أنکر بعضه منکر کان کافراً حکمه حکم المرتد یستتاب فإن تاب وإلا ضرب عنقه[تفسیر قرطبی:۱/۶۰]

''ابوعبید رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وہ قرآن جسے عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بموافقت صحابہ رضی اللہ عنہم جمع فرمایا ہے اگر کوئی منکر اُس کے صرف بعض حصے کا بھی انکار کردے تو وہ بھی کافر ہوگا۔اُس کا حکم، مرتد کا سا ہوگا اولاً اس کو توبہ کی دعوت دی جائے باز آجائے تو ٹھیک وگرنہ اُس کی گردن اُڑا دی جائے۔''

② یحکم علیٰ من أنکر من مصحف عثمان شیئاً مثل ما یحکم علی المرتد من الاستتابة فإن أبی فالقتل (ابوعبید)[فضائل القرآن،ص۱۹۴]

''عثمانی مصحف کی کسی ایک چیز کے انکار کرنے والے پر بھی مرتد کا سا حکم لگایا جائے گا کہ اس کو توبہ کی دعوت دی جائے گی اگر انکار کرے تو قتل کردیا جائے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

③ ومن قرأ وجادل على مايخالف خطَّ المصحف ودعا الناس إليه وجب عليه القتل۔ (أبوالعباس المهدوی) [منجدالمقرئین،ص۲۲۱]

''جوشخص رسم مصحف عثمانی کے برخلاف شاذ قراءتوں کے پڑھنے پر اصرار وہٹ دھرمی کرے اور لوگوں کو اس کی دعوت دے وہ واجب القتل ہے۔''

④ لو سمع علیٌ أحداً یذکرہ فی القرآن لامضٰی علیه الحد وحکم علیه بالقتل...... (أبوبکر بن الانباری) [تفسیر القرطبی:۱/۶۰]

''روافض کی مصنوعی قراءتیں اپنے تذکرہ فی القرآن کی بابت حضرت علی رضی اللہ عنہ سن لیتے تو خود اُن پر حد نافذ فرماتے اور اُن کے قتل کا فیصلہ صادر فرماتے۔''

⑤ لما كانت أحادیث إنزال القرآن على سبعة أحرف متواترةً فإن منکر الاحرف السبعة أصلاً مع علمه بتواتر أحادیثها کافر لا شك ولاریب (حسن ضیاء الدین عتر) [الاحرف السبعة و منزلة القراء ات منها،ص۱۰۱]

''چونکہ سبعہ احرف پر انزال قرآن کی احادیث متواتر ہیں اس بناء پر تواتر کے علم کے باوجود سرے سے سبعہ احرف ہی کا منکر بلاشبہ کافر ہے۔''

⑥ ما اجتمع فیه ثلاث خلال ۔ من صحة السند وموافقة العربیة والرسم۔ قطع علی مغیبه و کفر من جحده (ابومحمد مکی) [النشر الکبیر:۱/۱۴]

''جس قراءت میں صحت سند، موافقت عربیت، موافقت رسم یہ تینوں چیزیں جمع ہوں اُس کے نزول من الغیب کی قطعی تصدیق کی جائے گی اور اُس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا۔''

⑦ عثمانی مصاحف اور مروّجہ قراءات میں جامع اللغات لغت قریش کی شکل میں سب ہی احرف سبعہ کچھ حصے کے لحاظ سے یقیناً بدستور اور قطعاً ثابت وقائم علیٰ حالہا ہیں۔

⑧ قراءات متواترہ کے مقابلہ میں روافض و ملاحدہ کوفہ کی سازش، رافضیانہ جعلی ومن گھڑت قراءتوں کی بابت تھی۔

⑨ عثمانی مصاحف میں نقطے اور اعراب اس بناء پر نہ دیئے گئے تھے کہ قراءت کے جملہ اختلافات منقولہ کو یہ رسم شامل ومحیط ہوجائے یہ نہیں کہ نقطے اور اعراب نہ ہونے کی بناء پر اختلاف قراءت پیدا ہوا ہے۔

(ب): شہر کوفہ کا علمی مقام

⑩ عن مسروق شاممت أصحاب محمد ﷺ فوجدت علمهم ینتهی إلی الستة إلی علی وعبدالله وعمر وزید بن ثابت وأبی الدرداء وأبی ابن کعب ثم شاممت الستة فوجدت علمهم انتهی إلی علی وابن مسعود۔اھ [أعلام الموقعین لابن قیم]

''مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو (خوب) سونگھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ان سب حضرات کا علم حضرت علی، حضرت عبداللہ، حضرت عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوالدرداء اور اُبی بن کعب رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سمٹ آیا ہے پھر میں نے ان چھ حضرات کو سونگھا تو اُن کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں سمٹا ہوا پایا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز فرماتے ہیں ان دونوں کا ابرعلم یثرب کی پہاڑیوں سے اُٹھا اور کوفہ کی وادیوں پر برسا۔ ان دونوں آفتاب وماہتاب نے ریگستان کوفہ کے ذرّہ ذرّہ کو چمکا دیا تھا۔ [آثارِ خیر،ص۵۰۱]

⑪ یاروں نے امام صاحب سے عناد کے سبب 'کوفہ' جیسے مرکز علم و ہدایت کے متعلق عجیب عجیب کہاوتیں گھڑ لیں، حالانکہ یہ شہر تاریخی اہمیت کا حامل ہے اسے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ صحابی نے بسایا، فقیہ اُمت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو وہاں کا معلم مقرر کیا، ہمارے نسلی جد بزرگوار سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنا حکومتی مرکز قرار دیا۔ ہزاروں صحابہ وتابعین اور ہرعلم وفن کے ماہرین کا یہ مرکز رہا، لیکن 'ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بغض' میں بات کو اس حد تک پھیلایا گیا کہ دیانت سرپیٹ کر رہ گئی۔ ادھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خاندان سے عقیدت کے جھوٹے دعوے داروں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ہر دو فرزندوں سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے جو 'سلوک' کیا اس نے 'کوفہ کو ناپسندیدہ شہر' قرار دے دیا اور جس کے منہ میں جو آیا کہہ دیا اور کسی نے نہ سوچا کہ بابل میں نمرود تھا تو ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔ مصر میں فرعون کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام اور مکہ و مدینہ میں ابوجہل، ابولہب، ولید، ابوطالب، ابن اُبي اور ایسے ہی لوگوں کے ساتھ محمد عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ اور ان کے ہزاروں ہزار جانثار رُفقاء بھی تھے۔ بہرحال حقانی صاحب نے امام رحمہ اللہ کی تابعیت اور کوفہ کی مرکزیت کو خوب نکھارا۔ [حقانی کتابیں،ص۳۴]

(ج): موالی واَعاجم اور قراءسبعہ کا دینی وعلمی مرتبہ ومقام

⑫ قراء سبعہ اور اُن کے رُواۃ میں سے اکثر حضرات عجمی النسل آزاد کردہ غلام ہیں۔ مگر اُنہیں قراءت کی امامت کا مقام رفیع عطا ہوا۔ ایسی عجمیت اور غلامی پر لاکھوں عربیتیں اور کروڑوں آزادیاں قربان ہیں۔ ہزاروں نہیں ایسے خوش نصیبوں کی تعداد لاکھوں سے بھی متجاوز ہوگی جو میدان جہاد میں گرفتار ہوکر دارالاسلام لائے گئے اور اسلامی معاشرے کی صداقت وامانت خلوص وللّٰہیت، اعلیٰ اخلاق واعمال کو دیکھ کر بصدق دل حلقۂ بگوش اسلام ہوگئے۔ جنہیں کفر کی ظلمتوں، جہنم کی وادیوں سے زبردستی کھینچ کر جنت کے گلزاروں میں داخل کردیا گیا۔ اسلامی معاشرے نے نہ صرف اُنہیں ایمان واسلام کی لازوال دولت سے نوازا، بلکہ قرآن وسنت کے علوم تقویٰ وطہارت، اور وہ مثالی واعلیٰ اخلاق واعمال بھی دیئے جن کی بنا پر اُمت مسلمہ کی علمی وروحانی قیادت اور اِمامت بھی ان پابند سلاسل ہوکر آنے والوں کونصیب ہوئی۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ تعجب کرتے ہیں ایسے لوگوں پر جنہیں زنجیروں کے ساتھ جنگ کی طرف کھینچا جارہا ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ کون ہیں آزاد شدہ غلام جن کی امانت وعظمت اور ولایت پر اُمت کا اجماع ہے۔ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کون تھے۔ آزادشدہ غلام جن کے سامنے ابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسے امام الائمہ نے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

اس حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے لیے امام زہری رحمہ اللہ اور خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ کا ایک اہم مکالمہ ملاحظہ ہو:

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ کے پاس گیا اس نے مجھ سے سوالات کئے، پوچھا تم کہاں سے آئے ہو، میں نے کہا مکہ مکرمہ سے۔

عبدالملک: مکہ سے تمہاری روانگی کے وقت اہل مکہ کا سردار کون تھا؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زہری: عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ
عبدالملک: وہ عرب ہیں یا غلام؟
زہری: آزاد شدہ غلام
عبدالملک: تو پھر وہ عرب کے سردار کیونکر بن گئے؟
زہری: علم و دیانت کی وجہ سے۔
عبدالملک: بیشک علم و دیانت سرداری کے مستحق ہیں۔ پھر عبدالملک نے دریافت کیا اچھا اہل یمن کا سردار کون ہے؟
زہری: طاؤس بن کیسان رحمہ اللہ
عبدالملک: عرب ہیں یا غلام؟
زہری: غلام
عبدالملک: تو پھر یمن کا سردار کیونکر بن گیا؟
زہری: جس بناء پر عطاء رحمہ اللہ اہل مکہ کا سردار ہے۔
عبدالملک: بیشک جو شخص عطاء رحمہ اللہ کی طرح صاحب علم و دیانت ہو اس کو سیادت کا حق ہے۔ اچھا اہل مصر کا سردار کون ہے؟
زہری: یزید بن حبیب رحمہ اللہ
عبدالملک: عرب ہے یا غلام؟
زہری: غلام

عبدالملک نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے پھر پوچھا اہل شام کا سردار کون ہے؟

زہری: مکحول الدمشقی رحمہ اللہ
عبدالملک: عرب ہے یا غلام؟
زہری: غلام اور غلام بھی کیسا، حبشی قبیلۂ ہذیل کی ایک عورت کا آزاد کردہ غلام۔
عبدالملک: اہل جزیرہ کا سردار کون ہے؟
زہری: میمون بن مہران رحمہ اللہ
عبدالملک: عرب ہے یا غلام؟
زہری: غلام
عبدالملک: اچھا اہل حرم کا سردار کون ہے؟
زہری: ضحاک بن مزاحم رحمہ اللہ
عبدالملک: عرب ہے یا غلام؟
زہری: غلام
عبدالملک: بصرہ کا سردار کون ہے؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زہری: حسن بن ابی الحسن رحمہ اللہ

عبدالملک: عرب ہے یا غلام؟

زہری: غلام

عبدالملک: کوفہ کا سردار کون ہے؟

زہری: ابراہیم نخعی رحمہ اللہ

عبدالملک: عرب ہے یا غلام؟

زہری: عرب

عبدالملک رحمہ اللہ نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا نام سنا جو عرب تھے تو فرطِ مسرت سے کہنے لگا زہری تو برباد ہوا تو نے اب میری تشویش کو دور کر دیا اس کے بعد خود کہا اللہ کی قسم غلاموں کو بڑے بڑے لوگوں پر سردار ہونا چاہئے۔ یہاں تک کہ ان کے نام کے خطبے برسرِ منبر پڑھے جائیں اور عرب ان کے نیچے بیٹھے ہوں۔ زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے کہا بیشک امیرالمومنین سرداری اللہ کا حکم ہے اور اس کا دین ہے جو کوئی اس کی حفاظت کرے گا سردار ہوگا اور جو کوئی اس کو ضائع کرے گا ذلیل وخوار ہوگا۔ [تفسیر روح البیان:۳۲۱/۲]

خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ نے ، ان موالی (آزاد شدہ غلام) اَساطین اُمت کو جن لفظوں میں خراج تحسین اَدا کیا ہے اس سے بڑھ کر مشکل ہے۔ واقعی ان ائمہ کرام کی علمی وعملی روحانی خدمات ایسی ہیں جنہیں سنہری حروف سے لکھا جائے۔ [عصر حاضر کے لیے مشعل ہدایت، ص۴۸ تا ۵۰]

⑬ نافع رحمہ اللہ (تبع التابعین):

- قراءة نافع سنة [مالك رحمہ اللہ۔ عبد الله بن وهب رحمہ اللہ]
- قال لی مالك قرأت علی نافع [إسماعیل بن أبی أویس رحمہ اللہ]
- قراءة أهل المدینة أحب إلیّ [أحمد بن حنبل رحمہ اللہ]
- إمام الناس فی القراءة نافع بن أبی نعیم [لیث بن سعد رحمہ اللہ]
- رأیت فیما یری النائم النبیﷺ وهو یقرأ فی فِیَّ فمن ذلك الوقت أشُمُّ من فی هذه الرائحة رائحة المسك...... [نافع رحمہ اللہ]

⑭ ابن کثیر رحمہ اللہ (تابعی):

- لم یکن بمکة أقرأ منه [سفیان بن عیینة رحمہ اللہ]
- قراء تنا قراءة عبد الله بن کثیر وعلیها وجدت أهل مکه من أراد التمام فلیقرأ لابن کثیر [الامام الشافعی رحمہ اللہ]
- ...... حدیثه مُخَرَّجٌ فی الصحیحین
- حدیثه مخرج فی الکتب الستة۔الذهبی رحمہ اللہ۔ [معرفة القراء الکبار:۷۲/۱]
- کان فصیحا بالقرآن [جریر بن حازم رحمہ اللہ]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

- رأيت أبا عمرو بن العلاء يقرأ على عبد الله بن كثير [حماد بن سلمة رحمہ اللہ]
- كان ابن كثير أعلم بالعربية من مجاهد [أبوعمرو بن العلاء رحمہ اللہ]

⑮ **ابوعمرو① رحمہ اللہ (تابعیٌ، عربیٌ خالصٌ):**

- قراءة أبی عمرو أحب القراءات إلیَّ هی قراءة قريش و قراءة الفصحاء [أحمد بن حنبل رحمہ اللہ]
- نظرت فی هذا العلم قبل أن أختن ولی أربع وثمانون سنة [أبو عمرو رحمہ اللہ]
- كان من أشراف العرب ووجوههم [أبوعبيدة رحمہ اللہ]
- أبوعمرو ثقة [يحيىٰ بن معين رحمہ اللہ]
- كان فی عصره جماعة من أهل العلم بالقرآن لم يبلغوا مبلغه [أبوبكر بن مجاهد رحمہ اللہ]
- كان أبوعمرو علامة زمانه فی القراءات والنحو والفقه ومن كبار العلماء العٰملين [ابن كثير رحمہ اللہ۔ فی البداية والنهاية]
- كان مقَدَّمًا فی عصره عالما بالقراءة ووجوهها قدوة فی العلم باللغة العربية [أبوبكر بن مجاهد رحمہ اللہ]
- وان امرأ دنياه اكبرهمه: لمستمسك منها بحبل غرور [نقش خاتم أبی عمرو رحمہ اللہ]

⑯ **ابن عامر رحمہ اللہ (تابعیٌ جليلٌ۔ عربیٌ محضٌ):**

- مقرئ الشاميين فصدوق ماعلمت به بأساً وقد تكلم فی قراءته من لا يعلم وهی قراءة حسنة ...... [الذهبی رحمہ اللہ: میزان الاعتدال:۲/۴۴۹]
- ...... حديثه مخَرَّجٌ فی صحيح مسلم
- ......من رواته هشام بن عمار أحد شيوخ البخاري①
- كان عالما قاضيا صدوقا اتخذه أهل الشام إماما فی قراءته واختياره [أبونعيم رحمہ اللہ فی الحلية]
- كان يأتم به فی الصلوات وجمع له منصبی الامامة والقضاء [عمر بن عبدالعزيز رحمہ اللہ]

⑰ **عاصم رحمہ اللہ (تابعی):**

- مولود فی امرة معاوية۔ له حديث مشهور فی مسند أحمد۔ خرّج له الشيخان لكن مقرونًا بغيره لا أصلًا وانفرادًا [الذهبی رحمہ اللہ]
- الإمام الكبير مقرئ العصر......[الذهبی رحمہ اللہ: سیر اعلام النبلاء:۵/۲۵۶]
- ثقة [أحمد العجلی والنسائی]
- جلس عاصم يقرئ الناس وكان أحسن الناس صوتا بالقرآن حتى كان فی حنجرته

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جلاجل [أبوبكر بن عياش رحمہ اللہ]

- أهل الكوفة يختارون قراء ته وأنا اختارها [أحمد بن حنبل رحمہ اللہ]
- ثبت فی القراء ة وهو فی الحديث دون الثبت صدوق يهم ، حسن الحديث وقال أحمد وأبو زرعة ثقة ...... [الذهبی رحمہ اللہ: میزان الاعتدال:۲/۳۵۷]

⑱ **حمزة رحمہ اللہ (تبع تابعین):** من رجال صحيح مسلم

- هذا حبر القرآن [الأعمش رحمہ اللہ]
- شيئان غلبتنا عليهما لسنا ننازعك فيهما: القرآن والفرائض [أبوحنيفة رحمہ اللہ]
- قرأ عليه۔ سفيان الثوری وشريك بن عبد الله ووكيع وجماعة من أئمة أهل الكوفة
- مرَّ بی حمزة الزيات فی يوم شديد الحر فعرضت عليه الماء ليشرب فابٰی لانی كنت أقرا عليه القرآن [جريربن عبد الحميد رحمہ اللہ]

⑲ **الكسائی رحمہ اللہ:**

- كان إمام العربية والناس فی القراء ة فی عصره [ابن مجاهد رحمہ اللہ]
- من كبار أصحاب نافع ما رأيت أقرأ كتاب الله من الكسائی [إسماعيل بن جعفر المدنی رحمہ اللہ]
- من أراد أن يتبحر فی النحو فهو عيال علی الكسائی [الإمام الشافعی رحمہ اللہ]
- ناظرتُ الكسائیَّ يومًا وزدتّ [الفراء رحمہ اللہ]
- فكأنّی كنت طائرًا أشرب من بحرٍ
- كان أعلم الناس بالنحو وأوحدهم بالغريب وكان أوحد الناس بالقرآن [أبوبكر بن الأنباری رحمہ اللہ]
- كان فی الاحرام لابسا كساء [الإمام الشاطبی رحمہ اللہ]

(د): قراء سبعہ کے عربی حالات کا اُردو ترجمہ:

⑳ **نافع رحمہ اللہ (تبع تابعی):**

- قراءۃ نافع سنت ہے۔ [مالک رحمہ اللہ، عبداللہ بن وہب رحمہ اللہ]
- مجھ سے مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے نافع رحمہ اللہ سے قرآن پڑھا ہے۔[اسماعیل بن ابی اویس رحمہ اللہ]
- قراءت اہل مدینہ مجھے بہت مجبوب ہے۔[احمد بن حنبل رحمہ اللہ]
- قراءت میں نافع بن ابی نعیم رحمہ اللہ امام الناس تھے۔[لیث بن سعد رحمہ اللہ]
- میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے مونہہ میں قرآن شریف پڑھ رہے ہیں پس اُسی وقت سے میں اپنے مونہہ سے کستوری کی یہ خوشبو سونگھتا ہوں۔[نافع رحمہ اللہ]

۲۱۔ **ابن کثیر رحمہ اللہ (تابعی):**

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

❁ مکہ میں ابن کثیر رحمہ اللہ سے بڑا کوئی قاری نہ تھا۔ [سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ]
❁ ہماری قراءت، قراءۃ عبداللہ بن کثیر رحمہ اللہ ہے۔ اہل مکہ کو میں نے اسی پر پایا ہے۔ جو قراءۃ کاملہ کا خواہشمند ہو وہ قراءۃ ابن کثیر پہ پڑھے۔ [امام شافعی رحمہ اللہ]
ابن کثیر رحمہ اللہ کی حدیث، صحیحین میں مخرج ہے، نیز موصوف کی حدیث کتب ستہ میں مخرج ہے۔
[ذہبی رحمہ اللہ، معرفۃ القراء الکبار: ۷۲/۱]
❁ قرآن میں فصیح تھے۔ [جریر بن حازم رحمہ اللہ]
❁ میں نے یہ ماجرا دیکھا کہ ابوعمرو بن علاء رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن کثیر رحمہ اللہ کے سامنے قراءت کی بابت زانوئے تلمذ طے کر رہے تھے۔ [حماد بن سلمہ رحمہ اللہ]
❁ ابن کثیر رحمہ اللہ عربیت میں مجاہد رحمہ اللہ سے اعلم تھے۔ [ابوعمرو بن علاء رحمہ اللہ]

⑫ ابوعمرو رحمہ اللہ (تابعی، خالص عربی النسل):

❁ آپ کے رُواۃ میں ابوعمر دوری رحمہ اللہ بھی ہیں جن سے ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں روایت حدیث کی ہے۔ ابوحاتم رحمہ اللہ نے انہیں صدوق کہا ہے۔ ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو دیکھا کہ ابوعمر دوری رحمہ اللہ سے حدیث لکھ رہے تھے۔ قراءۃ ابی عمرو مجھے احب القراءات ہے۔ یہ قریش کی قراءت ہے، فصحاء کی قراءت ہے۔ [احمد بن حنبل رحمہ اللہ]
❁ میں نے اس علم میں نظر کی جبکہ میرے ختنے بھی نہیں ہوئے تھے اور اب میری چوراسی سال عمر ہے۔ ابوعمرو اشراف و سادات عرب میں سے تھے۔ [ابوعبیدہ رحمہ اللہ]
❁ ابوعمرو رحمہ اللہ ثقہ ہیں۔ [یحییٰ بن معین رحمہ اللہ]
❁ بصرہ میں علماء قرآن کی ایک جماعت آپ کی معاصر تھی مگر اس میں سے کوئی بھی آپ کے مرتبہ تک نہ پہنچ سکا۔ [ابوبکر بن مجاہد رحمہ اللہ]
❁ ابوعمرو رحمہ اللہ قراءات ونحو وفقہ میں علامۃ الزمان تھے اور کبار علماء عاملین میں شمار ہوتے تھے۔
[ابن کثیر رحمہ اللہ، البدایہ والنہایہ]
❁ اپنے زمانہ میں مقدم وفائق، قراءت اور اس کی توجیہات کے عالم اور علم لغت عربیہ میں مقتدا تھے۔
[ابوبکر بن مجاہد رحمہ اللہ]
❁ جس شخص کا بڑا مطمح نظر دنیا ہی ہو وہ یقیناً فریب کی رسی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے۔
[ابوعمرو رحمہ اللہ کی مہر کا نقش]

⑬ ابن عامر رحمہ اللہ (تابعی جلیل خالص عرب النسل):

❁ اہل شام کے مقری اور صدوق ہیں۔ میں اُن میں کوئی حرج نہیں جانتا، آپ کی قراءت کی بابت ناواقف لوگوں نے کلام کی ہے، مگر ان کی قراءات 'قراءۃ حسنۃ' ہے۔ [ذہبی رحمہ اللہ، میزان الاعتدال: ۴۴۹/۲]
❁ صحیح مسلم میں موصوف کی حدیث مخرج ہے۔ منجملہ آپ کے رواۃ ہشام بن عمار رحمہ اللہ ہیں جو بخاری کے مشائخ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہیں۔ہشام رحمہ اللہ صدوق کبیر المحل ہیں۔[دار قطنی]

- ثقہ ہیں[یحییٰ بن معین رحمہ اللہ]
- ہشام رحمہ اللہ سے بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں اور ابوداؤد رحمہ اللہ ، نسائی رحمہ اللہ ، ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں روایت حدیث کی ہے نیز ترمذی رحمہ اللہ جعفر فریابی رحمہ اللہ ابوزرعہ دمشقی رحمہ اللہ نے موصوف سے حدیث حاصل کی ہے)
- آپ عالم قاضی صدوق تھے۔اہل شام نے موصوف کو ان کی اختیار کردہ قراءت میں امام تسلیم کیا ہے۔

  [ابونعیم فی الحلیہ]
- عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نمازوں میں آپ کی اقتدا کرتے تھے اور امامت و قضاء کے ہر دو مناصب کی جامعیت سے انہوں نے آپ کو نوازا ہوا تھا۔

۴۴ عاصم رحمہ اللہ (تابعی):

- عہد معاویہ رحمہ اللہ میں پیدا ہوئے۔مسند احمد میں آپ سے ایک مشہور حدیث مروی ہے۔شیخین نے آپ کی اَحادیث کی تخریج کی ہے مگر اصالۃً ومستقلاً نہیں بلکہ صرف مقرونا بالغیر،امام کبیر اور مقرئ العصر ہیں۔

  [ذہبی رحمہ اللہ ، سیر اعلام النبلاء: ۲۵۶/۵]
- ثقہ ہیں۔[احمد عجلی رحمہ اللہ ونسائی رحمہ اللہ]
- عاصم رحمہ اللہ لوگوں کو تعلیم قراءت دینے کے لیے تشریف فرما رہے۔صوت تلاوت میں احسن الناس تھے گویا آپ کے گلے میں گھنٹیاں بج رہی ہیں۔[ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ]
- اہل کوفہ قراءۃ عاصم کو پسند کرتے ہیں، میں بھی اُسے پسند کرتا ہوں۔[احمد بن حنبل رحمہ اللہ]
- قراءت میں پختہ کار ہیں۔البتہ حدیث میں ثبت سے کم درجہ میں ہیں۔بہت راست باز ہیں کبھی وہم لاحق ہو جاتا ہے۔حسن الحدیث ہیں۔احمد وابوزرعہ رحمہ اللہ کے بقول ثقہ ہیں۔[ذہبی رحمہ اللہ ، میزان: ۳۵۷/۲]

۴۵ حمزہ رحمہ اللہ (تبع تابعی):

- یہ قرآن کے متبحر عالم ہیں۔[اعمش رحمہ اللہ]

  دو چیزوں میں آپ ہم پر غالب ہیں ان میں ہم آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔قراءت اور علم میراث۔

  [امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ]
- آپ سے سفیان ثوری رحمہ اللہ ،شریک بن عبداللہ رحمہ اللہ ، وکیع رحمہ اللہ اور ائمہ اہل کوفہ کی ایک جماعت نے قراءت پڑھی ہے۔شدید موسم گرما میں ایک روز حمزہ زیات رحمہ اللہ کا میرے پاس سے گذر ہوا میں نے پینے کا پانی پیش کیا تو انکار فرما دیا، کیونکہ میں آپ سے قراءت پڑھتا تھا۔ [جریر بن عبدالحمید رحمہ اللہ]

۴۶ کسائی رحمہ اللہ:

- اپنے زمانے میں عربیت کے نیز قراءت میں لوگوں کے امام تھے۔[ابن مجاہد رحمہ اللہ]
- نافع رحمہ اللہ کے کبار تلامذہ میں سے ہیں۔میں نے کتاب اللہ کا کسائی رحمہ اللہ سے بڑا قاری نہیں دیکھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

[اسماعیل بن جعفر مدنی رحمہ اللہ]

- جو شخص نحو میں تبحر کا متمنی ہے وہ کسائی رحمہ اللہ کا دست نگر ہے۔ [امام شافعی رحمہ اللہ]
- میں نے ایک روز کسائی رحمہ اللہ سے خوب بڑھ چڑھ کر مناظرہ کیا تو گویا میں ایک پرندہ تھا جو دریا سے پانی پی رہا تھا۔ [فراء رحمہ اللہ]
- نحو میں اعلم الناس اور حدیث کے مشکل الفاظ نیز قراءات میں سب لوگوں میں لاثانی تھے۔ [ابوبکر بن الانباری رحمہ اللہ]
- بحالت احرام کمبل میں ملبوس تھے۔ [امام شاطبی رحمہ اللہ]

(ھ): تشکیل قراءات کا پس منظر:

٢٧ حضور اقدس ﷺ پر قرآن کریم، سات قبائل عرب کی سات لغات قریش ہذیل، ثقیف، ہوازن، کنانہ، تمیم، یمن کی اجازت کے ساتھ نازل ہوا ہے، لیکن ہر قبیلہ کو اپنی لغت میں آزادنہ پڑھنے کی قطعی کھلی چھٹی و رخصت نہ تھی بلکہ وہ اس بارے میں تلقین وتوقیف وتعلیم نبوی کے تابع و پابند تھے۔ قراءات کے اُصولی اختلافات انہیں سبعہ لغات سے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ رمضان المبارک میں حضور علیہ السلام کے متعدد دوروں میں قرآن کریم کے متعدد کلمات وفرش الحروف، قرآنی شان اعجازی کے حامل، علم بیان وعلم بدیع کے انواع والوان کے ساتھ مختلف طرق تلفظ وانداز واَسالیب بیان وتراکیب عربیت و بلاغت پر نازل ہوئے اور وہ یہ ہیں:

① ابدال الحرف بالحرف مع تغیر المعنٰی بدون تغیر صورت رسم (تَبْلُوْا۔ تَتْلُوْا)
② ابدال الحرف بالحرف مع تغیر المعنٰی والصورۃ (مِنْکُم ۔ مِنْھُمْ)
③ ابدال الحرکۃ بالحرکۃ مع تغیر المعنٰی (وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ ، وَقَدْ اُخِذَ مِیْثَاقُکُم)
④ زیادت ونقص (وَسَارِعُوْا ، سَارِعُوْا)
⑤ تقدیم وتاخیر (فَیَقْتُلُوْنَ ویُقْتَلُوْنَ ، فَیُقْتَلُوْنَ ویَقْتُلُوْنَ)
⑥ اختلاف صیغ (لاتُضَآرَّ ، لاتُضَارُّ ، لایَضِرکُم ، لایضُرُّکُمْ ، وَلَا یُقْبَل ، ولا تُقْبَلُ ، یَعْمَلُوْنَ ، تَعْمَلُوْنَ)
⑦ ابدال المادہ بالمادہ (فَتَبَیَّنُوْا ، فَتَثَبَّتُوْا) قراءات کے فرش الحروف انہیں طرق تلفظ و اسالیب بیان سے ماخوذ ہیں۔

پھر مروّجہ قراءات کی اَسانید میں مندرجہ ذیل سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدار ومرکز و مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔
عثمان، علی، ابن مسعود، زید بن ثابت، ابی بن کعب، ابوالدرداء، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم

اولاً: حضور علیہ السلام نے ان سات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کو اُصول ولغات تو خاص انہی کے لغت قبیلہ کے مطابق ہی پڑھائیں البتہ فرش الحروف قسم کی وجوہ خلافیہ منزلہ تقسیم کرکے متفرقاً پڑھائیں کہ بعض وجوہ ایک صحابی کو اور بعض دوسرے کو۔ وعلیٰ ہذا القیاس

ثانیاً: ان سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی اختلافات جو بطریق تواتر وقطعیت، آخری دور نبویؐ کے مطابق ثابت و مروی تھے انہیں اختلافات کی مصاحف عثمانیہ میں رعایت کی گئی ہے اور ان کے علاوہ باقی قراءات واختلافات اَحادیہ

www.KitaboSunnat.com

شاذہ کی رعایت کو ترک کردیا گیا۔

ثالثاً: آگے ان ساتوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی خاص خاص اختلافات جو تلقین نبوی سے پڑھے اور محفوظ کیے تھے ان ائمہ قراءات کو بالواسطہ یا بلا واسطہ پڑھائے۔ بعض ائمہ قراءات نے ان ساتوں میں سے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے پڑھا بس یہی وہ مرحلہ ہے جس میں بعض لغات کا بعض لغات میں اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منقول فرش الحروف کا دوسرے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منقول فرش الحروف کے ساتھ باہم انضمام و تداخل واجتماع وتشارک شروع ہوا اور اسی بنیاد پر اور انہیں منقول وجوہ کی روشنی میں آگے آئمۂ قراءات نے ذاتی و شخصی طور پر خاص خاص مختلف الانتخاب ترتیبات اور متعدد اختیارات کی تدوین کی اور یہی اختیارات آگے قراءات کے نام سے موسوم ہوئے۔

نتیجہ یہ کہ مروّجہ قراءات عشرہ کی ترتیب اس طریقہ سے ہوئی کہ مصاحف عثمانیہ کے متعدد مقری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین نے اور تابعین سے تبع تابعین نے اور ان سے ائمہ مشہورین نے احرف سبعہ کی روشنی میں متعدد قراءات حاصل کیں، کیونکہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احرف سبعہ کو اپنے مابعد کے لوگوں تک نقل کیا تو وہ لغات باہم متداخل اور مخلوط ہوگئیں حتیٰ کہ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے اخذ کرنے والا قاری کچھ حصہ ایک صحابی کی تلقین کردہ لغت کے مطابق اور کچھ دوسرے صحابی کی تلقین کردہ لغت کے مطابق پڑھنے لگا اسی کے نتیجہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اَخذ کردہ قراءات متعدد ہوگئیں مگر یہ سب اَحرف سبعہ سے خارج قطعاً نہیں۔

تو یہ سب قراءات کثیرہ منتشرہ، نتیجہ ہیں نزول القرآن علٰی سبعۃ احرف کا، ہر قراءت کی ترتیب فقط ایک ہی لغت عربیہ کے لحاظ سے نہیں کہ پورا قرآن من اوّلہٖ الٰی آخرہٖ فقط اُسی ایک ہی لغت کے مطابق پڑھا جاتا ہو اور دوسری لغات میں سے کسی لغت کا کوئی لفظ بھی قطعاً اس میں شامل نہ ہو ایسا ہرگز نہیں بلکہ ہر قراءت میں سب کی سب لغات عرب کا اشتراک و تداخل موجود ہے۔

(و): کیا ابن شہاب زُہری رحمہ اللہ، بقول ناقد۔معاذ اللہ شیعہ ہیں؟

۲۸ حضرت ابن شہاب زہری رحمہ اللہ، حدیث پاک کے 'اوّل المدونین' ہیں جنہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حکم سے سب سے پہلے احادیث کو مدون فرمایا، خود زہری فرماتے ہیں: "أمرنا عمر بن عبدالعزيز بجمع السنن فكتبناها دفتراً دفتراً" [أخرجه ابن عبد البر في جامع بيان العلم] "أوّلُ من دوّن العلم ابن شهاب" [قاله، السيوطي في الوسائل إلى معرفة الاوائل] کیا خلیفۂ راشد کو زہری رحمہ اللہ کی شیعیت کا علم نہ ہوسکا؟ اگر نہیں تو خود خلیفۂ راشد پر حرف آتا ہے۔ ابن شہاب زُہری رحمہ اللہ کے تلامذہ میں امام مالک رحمہ اللہ، سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ، اوزاعی رحمہ اللہ، لیث بن سعد رحمہ اللہ جیسے کبار ائمۃ شامل ہیں ان حضرات کو بھی علم نہ ہوسکا کہ ہمارے استاذ والعیاذ باللہ شیعہ ہیں۔ ایسے ذمہ دار ائمہ امت کو اپنے استاذ کے حالات کا زیادہ علم ہوسکتا ہے یا آپ جیسے علامہ آخرالزمان کو؟ آج اگر کسی سنی عالم کے متعلق علم ہوجائے کہ وہ فلاں شیعہ شیخ سے علم حدیث حاصل کرتا ہے تو سنی حضرات اس عالم کا سخت ایکشن لینے پر تُل جائیں گے اگر زُہری آپ کے بقول شیعہ ہوتے تو لامحالہ اُس زمانۂ خیر و رُشد کے لوگوں کو اس بات کا علم ہوتا اور وہ امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ پر اعتراض کا طوفان کھڑا کردیتے کہ یہ ایسے شیعہ محدث سے حدیثیں حاصل کررہے ہیں مگر اس قسم کی کوئی بات پایہ ثبوت تک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں پہنچی جس سے روز روشن کی طرح یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حضرت زُہری رحمہ اللہ قطعی سنی ہیں۔

(ذ): کیا حدیث جمع القرآن۔معاذ اللہ۔موضوع ہے؟

۲۹ ناقد نے حدیث جمع القرآن کو موضوع بتایا ہے۔اس کی بابت اتنا ہی عرض ہے کہ چلئے! اگر آپ سنی ائمہ حدیث سے اتنے ہی ناراض ہیں کہ وہ سب آپ کے یہاں قطعاً درخور اعتناء نہیں بلکہ سب کے سب مطعون و قابل تنقید ومجروح ہیں اور اس حدیث جمع القرآن کو صحیح سمجھتے ہیں۔خاکم بدہن۔سب ہی حضرات محدثین نے غلطی کی ہے تو باوجودیکہ آپ بزعم خود سنی ہیں مگر بایں ہمہ طبری رافضی (جو فی الواقع سنی ہیں) کی مدح سرائی میں آپ رطب اللسان ہیں اور ستہ احرف کی متروکیت کے متعلق ان کے قول سے آپ نے بھرپور استدلال کیا ہے کہ موصوف نے جمع عثمانی میں چھ حروف کے مرفوع ومنسوخ ومتروک ہوجانے کا قول کیا ہے (اگرچہ اس کی اصل صورت حال اس کے برخلاف ہے جو آگے اپنے موقع پر بیان ہوگی) بس اتنی درخواست ہے کہ طبری رحمہ اللہ رافضی ہی کی بات کو تسلیم کرکے آپ جمع قرآن کی حدیث پر ایمان واعتقاد لے آیئے۔ وگرنہ طبری رحمہ اللہ کے قول سے استدلال کو ترک کردیجئے۔ فتأمل كراتٍ بعد مراتٍ ينقلب إليك البصر خاسئاً وهو حسير

(ح): راوی کی عدالت کے ثبوت کا ایک ذریعہ شہرت واستفاضہ اور اشتغال علم بھی ہے

۳۰ مقدمہ ابن الصلاح اُصول حدیث کی مشہور کتاب ہے، اس میں لکھتے ہیں:

”عدالة الراوى تارة تثبت بتنصيص العدلين على عدالته وتارة تثبت بالاستفاضة فمن اشتهرت عدالته بين أهل النقل أو نحوهم من أهل العلم وشاع الثناء عليه بالثقة والامانة استغنى فيه بذلك عن بينة شاهدة بعدالته تنصيصاً هذا هو الصحيح فى مذهب الشافعى وعليه الاعتماد فى فن أصول الفقه“ [ص:۴۰]

”یعنی راوی کی عدالت کبھی ثابت ہوتی ہے کہ دو عادل اس کی عدالت پر تصریح کردیں اور کبھی ثابت ہوتی ہے ساتھ شہرت اور استفاضہ کے۔ پس جس کی عدالت اہل علم کے درمیان مشہور ہو اور اس پر ثقہ ہونے کی اور امین ہونے کی تعریف شائع ہو تو وہ مستغنی ہوتا ہے ایسے بینہ سے جو اس کی عدالت پر صراحتہً شاہد ہو یہی صحیح ہے مذہب شافعی میں اور اسی پر اعتماد ہے۔فن اصول فقہ میں، بلکہ حافظ ابوعمر بن عبدالبر رحمہ اللہ نے تو اور توسیع کرکے یہاں تک کہہ دیا ہے۔ “

”كل حامل علم معروف العناية به فهو عدل محمول فى أمره ابداً على العدالة حتى يتبين الجرحة...... الخ“ [مقدمہ،ص۴۰]

”یعنی ہر صاحب علم جس کا اشتغال علم کے ساتھ معروف ہو عادل ہے اور ہمیشہ عادل قرار دیا جاوے گا جب تک اس پر جرح ثابت نہ ہو۔“ [آثارِ خیر،ص۲۴۲]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالرحمن کیلانی ☆

جمع قرآن ...... روایات کے آئینے میں

[طلوعِ اسلام کے اِعتراضات کا جائزہ]

معروف مفسر قرآن جناب مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ کی ذات گرامی قدر علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ آپ نے مسلمانوں کی زندگی کے ہر گوشے پر قلم اٹھایا ہے اور دادِ تحقیق حاصل کیے۔ آپ کی کئی تصانیف ایسی ہیں جنہیں ڈاکٹریٹ کی سطح کی تحقیق قرار دیا جاسکتا ہے۔ انکار حدیث میں پیش پیش ہستیوں کے ردّ پر کئی کتب اُردو زبان میں تصنیف فرمائی ہیں۔ صرف مسٹر غلام احمد پرویز کے اِنکار حدیث کے نظریات پر ایک ہزار صفحات پر مشتمل ایک انسائیکلو پیڈیا ''آئینہ پرویزیت'' کے نام سے علمی دنیا میں موجود ہے۔ اس تحقیقی کتاب میں مسٹر پرویز کے جمیع افکار کو زیر بحث لا کر ان پر تنقید کی گئی ہے، جن میں انکار قراء ات کا نظریہ بھی شامل ہے۔

مؤلف اگرچہ متنوع قراء توں کے مکمل طور پر قائل تھے، لیکن سبعة أحرف کی متعدد تشریحات میں سے اکثر اہل علم کی مثل امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی تعبیر کی طرف رجحان رکھتے تھے۔ اسی لئے اس تحریر کے مطالعہ کے ضمن میں قارئین کو اُن دیگر مضامین کا بھی ضرور جائزہ لے لینا چاہئے، جن میں سبعة أحرف کی تعبیر میں امام ابن جریر رحمہ اللہ کے موقف کی توضیح کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں مستقل بحث تو آئندہ رُشد قراء ات نمبر (حصہ سوم) میں پیش کی جائے گی، البتہ سردست زیر نظر شمارے میں جناب ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی حفظہ اللہ (نواسہ صاحبِ مضمون) کے مضمون ''علم قراء ات کا تعارف...... اہم سوالات و جوابات'' کا ضرور مطالعہ کرلینا چاہئے، جس میں سبعة أحرف کے ضمن میں امام ابن جریر رحمہ اللہ کے موقف کی مفصل وضاحت آ گئی ہے۔ [ادارہ]

طلوعِ اسلام کا دعویٰ

جب قرآن کریم کی تنزیل ختم ہوئی تو اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اتنی فرصت ہی کب ملی تھی کہ وہ سارے قرآن کو از سرِ نو موجودہ ترتیب کے مطابق لکھوا سکتے، پھر 'طلوع اسلام' کا یہ دعویٰ کہ ''جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت اُمت کے لاکھوں افراد کے پاس قرآن اپنی اسی موجودہ ترتیب کے لحاظ سے لکھا ہوا موجود تھا، از خود ہی غلط اور باطل قرار پاتا ہے۔ اس دعویٰ پر دلیل یہ دی گئی تھی کہ '' آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں لاکھوں افراد کے مجمع سے یہ اقرار لیا تھا کہ میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اس ثبوت کی کمزوری اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتی ہے کہ دعویٰ اور دلیل میں کوئی باہمی ربط نہیں۔ دعویٰ یہ ہے کہ اُمت کے لاکھوں افراد کے پاس قرآن کے موجودہ ترتیب

☆ معروف تفسیر تیسیر القرآن کے مؤلف...... مصنفِ کتب کثیرہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کے لحاظ سے لکھے ہوئے نسخے موجود تھے اور دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں لاکھوں افراد سے یہ پوچھا کہ ''کیا میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا؟'' تو انہوں نے جواب دیا،'ہاں!' اسے ہی کہتے ہیں 'سوال گندم جواب چنا'۔

اپنے دعویٰ کی تردید

آگے چل کر 'طلوع اسلام' اپنے اس دعویٰ کی خود ہی تردید فرما دیتا ہے۔ چنانچہ 'قرآن کے لاکھوں نسخے' کے ذیلی عنوان کے تحت درج ہے کہ:

''امام ابن حزم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ خلیفۂ اول کے زمانہ میں کوئی شہر ایسا نہیں تھا جہاں لوگوں کے پاس بکثرت قرآن کریم کے نسخے نہ ہوں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کتاب عظیم کے لکھے ہوئے نسخے ایک لاکھ سے کم نہ تھے۔'' [طلوع اسلام: فروری ۱۹۸۲ء، ص۱۲]

اَب دیکھیے اس شمارہ میں تو یہ (قرآن) بعینہٖ اسی شکل میں اور ترتیب میں، جس میں یہ اس وقت ہمارے پاس ہے، لاکھوں مسلمانوں کے پاس موجود اور ہزاروں سینوں میں محفوظ تھا'' اور ص ۱۶ پر فرماتے ہیں کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کے نسخے ایک لاکھ سے کم نہ تھے۔''

جامع قرآن کون؟

سوال یہ ہے کہ اس وقت جو قرآن کریم ہمارے پاس موجود ہے، اس کو جمع کس نے کیا تھا؟ آیا خود رسول اللہ ﷺ نے جمع فرمایا تھا یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے؟ ''طلوع اسلام کا یہ کہنا ہے کہ اس کو جمع بھی خود رسول اللہ ﷺ نے ہی کیا تھا اور جامع قرآن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مشہور ہیں، تو یہ باتیں غلط ہیں۔ چنانچہ اپنے اس نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

''ضمناً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جو جامع القرآن کہا جاتا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ آپ جامع القرآن نہیں تھے بلکہ دیگر خلفاء کی طرح ناشر قرآن ہی تھے۔ انہوں نے البتہ اس کا اہتمام ضرور کیا کہ کہیں کوئی نسخہ ایسا نہ رہے جو ان مستند اور مصدقہ نسخوں (وہ سات یا آٹھ نسخے جو آپ رضی اللہ عنہ نے مرتب کرا کر مختلف دیار و امصار میں بھیجے تھے) کے مطابق نہ ہو اور ایسا کرنا نہایت ضروری تھا۔ لوگوں نے جو نسخے اپنے اپنے طور پر مرتب کیے تھے ان میں سہو اور خطا کا امکان ہو سکتا تھا۔ اس زمانے میں چھاپے خانے تو تھے نہیں کہ حکومت اپنی زیرنگرانی قرآن کریم کے لاکھوں نسخے چھپوا کر تقسیم کر دیتی اور اس طرح غیر مصدقہ نسخے باقی نہ رہتے۔ اس کے لیے یہی انتظام کیا جا سکتا تھا کہ مصدقہ نسخے مختلف مراکز میں بھیج کر ہدایت کر دی جاتی کہ ان کے مطابق اپنے لیے نسخے مرتب کر لیں اور اگر کسی کے پاس یا کوئی ایسا نسخہ ہو جو ان کے مطابق نہ ہو، سے تلف کر دیا جائے تاکہ ایسے نسخے کی اشاعت نہ ہونے پائے جس میں کوئی غلطی ہو۔'' [ایضا: ص۱۲]

اس اقتباس سے مندرجہ ذیل سوالات ذہن میں اُبھرتے ہیں:

① حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی دوسرے خلفاء کی طرح ناشرِ قرآن ہی تھے اور بحیثیت ناشرِ قرآن ان کا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے سات یا آٹھ نقول تیار کروا کر مختلف مراکز میں بھیجی تھیں۔ یہ تو ان کا بحیثیت ناشر کارنامہ تھا۔ پھر یہ بھی تو بتلانا چاہیے تھا کہ دوسرے خلفاء نے بحیثیت ناشرِ قرآن کیا کارنامے سرانجام دیئے تھے؟

② حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ کام کرنا اس لیے ''نہایت ضروری تھا کہ لوگوں نے جو نسخے اپنے اپنے طور پر مرتب کیے تھے ان میں سہو وخطا کا امکان ہو سکتا تھا۔'' اور یہی وہ سہو وخطا کا امکان تھا جسے کتاب المصاحف لابن ابی داوٗد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں یا اسی طرح کے دوسرے مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ ان مصاحف میں بیان شدہ اختلافات کا کثیر حصہ ایسے ہی سہو وخطا کے امکانات پر مشتمل ہے۔ پھر آپ ان روایات کو وضعی کیوں قرار دیتے ہیں؟

③ حکومت نے جو نسخے تیار کروائے تھے، تو ان میں بھی سہو وخطا کا امکان تھا، کیونکہ یہ انسانوں ہی نے لکھے تھے۔ کتاب المصاحف والوں نے ایسی ہی اغلاط کو اختلاف کہہ کر اگر پیش کیا تو آخر کون سا جرم کیا؟ جسے طلوع اسلام اچھال اچھال کر مہیب اِختلافات کی صورت میں پیش کرتا ہے۔

④ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ نسخے اس لیے مختلف مراکز میں بھیجے تھے کہ ''لوگ ان کے مطابق اپنے اپنے نسخے مرتب کر لیں۔''جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے پاس جو نسخے پہلے سے موجود تھے، وہ اس ترتیب کے موافق نہیں تھے جو ترتیب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دی تھی یا جو امت کے نزدیک مستند نسخہ قرار پائی۔ اگر یہ ترتیب پہلے سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود دے چکے تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ ہدایت دینے کی کیا ضرورت تھی؟ کہ لوگ اب اس 'امام' کے مطابق اپنے نسخے مرتب کر لیں۔

طلوع اسلام کے نزدیک بھی مناسب بات یہی ہے کہ ''ایسے سابقہ تمام نسخوں کو تلف کر دیا جائے جو اس امام کے مطابق نہ تھے'' اب یہی مناسب بات جب بھی روایت میں مذکور ہوتی ہے تو طلوع اسلام کے ہاتھ گویا ایک نیا شغل آ جاتا ہے اور مزے لے لے کر اسے اچھالنے کی کوشش کرتا ہے کہ مثلاً عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے صحیفے جلانے سے انکار کر دیا تھا یا مثلاً مروان نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا والے نسخے کو جلا دیا'' وغیرہ۔

قرآن کی موجودہ شکل تک کے مختلف مراحل

اب بیش تر اس کے کہ ہم قرآن کی جمع وتدوین پر 'طلوع اسلام' کے اعتراضات اور ان کا جائزہ پیش کریں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایسے تمام مراحل کا ذکر کر دیا جائے جن سے گزر کر قرآن مجید موجودہ شکل وصورت میں ہم تک پہنچا ہے۔

① دورِ نبوی ۱ نبوت تا ۱۱ھ

① طوالت کے لحاظ سے قرآن کریم کی سورتوں کی تین قسمیں ہیں:

① سبع طوال: یعنی سورۃ بقرۃ سے لے کر اعراف تک چھ، اور ساتویں سورۃ کہف

② مئین: وہ سورتیں جن میں آیات کی تعداد سو سے زائد ہے۔

③ مثانی: وہ سورتیں جن میں آیتوں کی تعداد سو سے کم ہے۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں تو بالعموم یکبارگی نازل ہوتی رہیں جو تیسویں پارہ کے آخر میں ہیں۔ لیکن بڑی سورتیں وقفوں کے ساتھ نازل ہوتی رہیں۔

② ہر ایک سورت خواہ کتنی ہی چھوٹی ہو، اسے بھی مفصل ہی کہا گیا کیونکہ وہ بھی اپنے مضمون میں ہر پہلو سے مکمل ہے۔ گویا قرآن کی ہر ایک سورت اپنے مقام پر ایک مستقل مضمون پمفلٹ یا کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لحاظ سے سورت اخلاص اور سورۃ فاتحہ بھی ایسے ہی ایک الگ کتاب ہے جیسے سورۃ البقرۃ ایک الگ اور مستقل کتاب ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾ [البینۃ:۳،۲]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

''اللہ کی طرف سے رسول ﷺ پاک صحیفے تلاوت کرتا ہے جو مستحکم کتابوں پر مشتمل ہیں۔''

اس آیت میں کتاب کے بجائے کتب کا لفظ انہی قرآن کی سورتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور ان سب سورتوں یا کتابوں کے مجموعہ کا نام قرآن ہے اور وہ بھی ایک کتاب ہے۔

③ کسی سورت کا کوئی حصہ جب نازل ہوتا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ بھی بتلا دیتے تھے کہ یہ نازل شدہ آیات فلاں سورت کے فلاں مقام پر پڑھی جائیں گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ [القیامۃ:۱۷]

''اس وحی کو جمع کرنا اور پڑھنا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔''

لمبی سورتوں کی تنزیل کی یہ صورت تھی کہ اگر اس کا کچھ حصہ ایک سال نازل ہوا تو اس کا کچھ حصہ کئی برس بعد نازل ہوا اور درمیان میں دوسری سورتوں کے بھی کچھ حصے نازل ہوتے رہے۔ لہٰذا ہم قرآن کو بحیثیت مجموعی سورتوں کے لحاظ سے تو یہ ترتیب نزول نمبر دے سکتے ہیں۔ مگر آیتوں کے لحاظ سے پورے قرآن کی ترتیب نزولی قائم کرنا منشائے الٰہی کے خلاف بھی ہے اور ناممکن بھی، کیونکہ ایسی صورت میں ان کئی ایک سورتوں کے، جو کسی ایک معین عرصہ کے درمیان نازل ہو رہی تھیں، مضامین گڈ مڈ ہو جاتے۔

④ اَحادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر سال رسول اللہ ﷺ سے قرآن کا معارضہ (یا جسے موجودہ زمانہ کے حفاظ کی اصطلاح میں 'دور' کہا جاتا ہے) کیا کرتے تھے۔ اور یہ معارضہ ماہ رمضان کے پورے مہینے میں ہوتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

لأن جبريل كان يلقاه في كل ليلة في شهر رمضان حتى ينسخ يعرض عليه رسول الله ﷺ القرآن" [صحيح البخاري كتاب التفسير، باب كان جبرايل يعرض القرآن......]

''رمضان کے مہینے کی ہر رات کو جبرائیل علیہ السلام، رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے اور قرآن کا معارضہ کرتے یہاں تک کہ یہ مہینہ گزر جاتا۔''

اور جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی، یہ معارضہ دوبار ہوا۔ ایک دفعہ تو ماہ رمضان (۱۰ھ) میں اور دوسری باری تنزیل وحی کے خاتمہ (سورۃ النصر کی تنزیل) پر اور یہ دوسرا معارضہ گویا آپ ﷺ کے لیے اجل کا پیغام تھا۔ [صحيح البخاري، حوالہ، ايضا] اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ معارضہ ہر سال اتنا ہی ہوتا تھا جتنا کہ قرآن نازل ہو چکا ہوتا۔ البتہ آخری سال میں دوسری بار جو معارضہ ہوا تو وہ پورے قرآن حکیم کا ہوا تھا۔

⑤ نماز کے دوران یا تلاوت کے وقت یہ کوئی پابندی نہ تھی کہ فلاں سورۃ پہلے پڑھی جائے اور فلاں بعد میں۔ البتہ یہ پابندی ضرور تھی کہ آیات کا ربط و نظم، جو بذریعہ وحی مقرر کیا گیا تھا، اس میں کسی قسم کی تقدیم و تاخیر نہیں کی جا سکتی۔

⑥ عہد نبوی ﷺ میں ہر شخص بلا لحاظ تقدم و تاخیر قرآن کریم کی مختلف سورتوں کو جمع کرنے اور مصحف کی شکل دینے میں بھی آزاد تھا۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ جیسے ایک ہی مصنف کی چند کتابیں ہیں جنھیں کوئی شخص ایک جلد میں اکٹھی کرنا چاہتا ہے تو وہ اس سلسلہ میں آزاد ہے کہ جونسی کتاب چاہے پہلے رکھ لے اور دوسری بعد میں۔ اس سے نہ تو تصنیف کی ذات پر کوئی حرف آ سکتا ہے نہ مضامین میں ہی کچھ فرق پڑ سکتا ہے۔ مثلاً شیخ سعدی رحمہ اللہ کی دو کتابیں ہیں، گلستان اور بوستان۔ ان دونوں کتابوں کی الگ الگ اور مستقل حیثیت ہے۔ اگر ایک شخص ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دونوں کتابوں کو اکٹھا جلد کراتے وقت گلستان کو پہلے رکھ لے یا بوستان کو، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یہی صورت دورِ نبوی ﷺ میں قرآن کی سورتوں کو اپنے وقت میں جمع کرنے کی تھی۔

⑦ قرآن کی حفاظت کے طریقے:

قرآن کریم کی حفاظت کے سلسلہ میں دو طریقے اختیار کیے گئے تھے۔

① زبانی یاد کرنا، کرانا یا حفظ ② ضابطہ تحریر میں لانا یا کتابت قرآن۔

ان دونوں میں سے رسول اللہ ﷺ نے حفظ قرآن پر نسبتاً زیادہ زور دیا تھا اور اس کی مندرجہ ذیل وجوہ تھیں۔

❶ قرآن کریم مکتوب شکل میں نہیں بلکہ صوتی انداز میں نازل ہوا جس طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اکرم ﷺ قرآن پڑھایا۔ اسی انداز میں آپ ﷺ نے صحابہ کو سنایا اور حفظ کروایا۔ اس طریق حفاظت میں نہ کسی مخصوص رسم الخط کی ضرورت تھی نہ حروف کی شکلوں، نقاط، اعراب وغیرہ کی اور نہ ہی آیات کے ربط میں رموز اوقاف وغیرہ کی معلومات کی۔ یہ طریقہ نہایت سادہ اور فطری تھا لہٰذا اسی پر زیادہ توجہ صرف کی گئی۔

❷ اہل عرب کا حافظہ بہت قوی تھا لیکن پڑھے لکھے لوگ بہت کم تھے۔ ان کی تعداد پانچ فیصد سے بھی کم تھی۔

❸ تورات، جو لکھی ہوئی شکل میں ہی نازل ہوئی تھی، پڑھے لکھے طبقے سے ہی مخصوص ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر بعد میں آنے والے پڑھے لکھے لوگوں نے ہی اس میں تحریف کر ڈالی۔ لہٰذا قرآن کریم کی حفاظت کے سلسلہ میں ان دونوں طریقوں کو لازم و ملزوم قرار دیا گیا اور ماحول چونکہ حفظ کے لئے بہت زیادہ سازگار تھا، اس لیے اس طریقہ حفظ کو بالخصوص اپنایا گیا۔ اس حقیقت کو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ [العنکبوت:۴۹]

''بلکہ وہ قرآن تو واضح آیات ہیں، جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں، جنہیں علم دیا گیا ہے۔''

❹ لکھے ہوئے کو پڑھتے وقت ایک کم پڑھا لکھا آدمی غلطی کر جاتا ہے لیکن حافظ تلاوت کرتے وقت ایسی غلطی نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے وقت زیادہ سے زیادہ سترہ مصاحف کا پتہ چلتا ہے جبکہ حفاظ کرام کی تعداد اس سے بہت زیادہ تھی۔ غزوۂ بئر معونہ، جو ۴ھ میں پیش آیا۔ اس میں تقریباً ستر (۷۰) حفاظ شہید ہوئے تھے۔ یہ سب حفاظ قرآن کے حفظ میں سورتوں کی موجودہ ترتیب سے آزاد تھے۔

⑧ قرآن کی کتابت کے لئے جن چیزوں کا انتخاب کیا گیا تھا، وہ ایسی تھیں جو آفات و حوادث عالم کا زیادہ سے زیادہ مقابلہ کر سکتی ہوں۔ کاغذ جو آج ہمیں دستیاب ہے وہ تو اس وقت معروف ہی نہ تھا۔ قرطاس موجود تھا، لیکن پانی اور آگ اس پر اثر انداز ہو کر اسے جلد ختم کر سکتے تھے۔ لہٰذا مندرجہ ذیل پائیدار چیزوں کو اس کام کے لئے چنا گیا تھا۔

① أدیم یارق: جو باریک کھال کو دباغت کے بعد لکھنے کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ میثاق مدینہ اور صلح نامہ حدیبیہ بھی اس ادیم یا چمڑہ پر تحریر ہوا تھا۔

② نحاف: سفید رنگ کی پتلی پتلی اور چوڑی سلیٹ کی طرح کی تختیاں جو پتھر سے بنائی جاتی تھیں۔

③ کتف: اونٹ کے مونڈھے کے پاس گول طشتری نما ہڈی، جسے خاص طریقہ سے تراشا جاتا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

④ عسیب: کھجور، ناریل یا پام کی شاخ کا وہ حصہ جو تنے سے متصل اور خاصا چوڑا ہوتا ہے۔ اس کو شاخ سے جدا کر کے اور خشک کر کے اس پر لکھتے تھے۔

⑤ أقتاب: قتب کی جمع یعنی اونٹ کے کجاوے کی چھوٹی پھٹیاں جن کا گھسنے کے بعد کھردرا پن ختم ہو جاتا اور وہ لکھنے کے کام آتی تھیں۔

②دورِ صدیقی میں ۱۱ھ تا ۱۳ھ میں قرآن کی جمع وترتیب

جنگ یمامہ میں ۷۰۰ حفاظ شہید ہو گئے جس سے اس شعبۂ حفاظت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خیال آیا کہ اب حفاظتِ قرآن کے دوسرے شعبہ یعنی کتابتِ قرآن کی طرف خاص توجہ مبذول کی جائے اور قرآن کے ہی متفرق اور منتشر صحیفے جو متفرق افراد اپنے اپنے ذوق کے پیش نظر لکھتے رہے ہیں انہیں حکومت کی نگرانی میں منضبط اور مدون کرایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ صورت حال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیان کی تو انہوں نے کہا کہ جس کام کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ میں کیسے کروں؟ یہ تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جذبۂ اتباع رسول ﷺ اور اس میں احتیاط کا پہلو۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کو ایک جلد میں محفوظ کرنے اور اسے سرکاری تحویل میں رکھنے کی مصلحت سمجھائی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس کے قائل ہو گئے اور اس خدمتِ کتابتِ قرآن اور اس کو ایک جلد میں بنانے کا کام زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا جنہوں نے مدینہ میں بیشتر وحی کی کتابت کا کام سرانجام دیا تھا۔ جب ان سے ذکر کیا گیا کہ ان متفرق اجزاء کو مرتب اور مدون کرنا چاہیے تو یہ کام انہیں پہاڑ اٹھاتے سے بھی بڑا معلوم ہوا۔ لیکن جب ان کی توجہ بھی قرآن کریم کی حفاظت کے اس خاص پہلو پر دلائی گئی تو وہ تیار ہو گئے۔

اس کام کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نہایت محنت اور جانفشانی سے سرانجام دیا۔ رسول اللہ ﷺ لکھوائی ہوئی یادداشتوں کو بھی سامنے رکھا۔ پھر ہر آیت کی تصحیح دو دو حافظوں سے بھی کراتے چلے جاتے تھے۔ اور قرآن مجید کی کل سورتوں کو قراطیس یا ایک ہی تقطیع کے اوراق پر لکھا۔

تاہم ان میں سورتوں کی ایسی ترتیب نہیں دی گئی تھی جو آج کل قرآن میں پائی جاتی ہے یہ مصحف جو بین الدفتین میں لایا گیا، حکومت کی نگرانی میں رہتا تھا پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ مصحف الامام حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے پاس چلا گیا۔

[صحیح البخاري کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن]

گویا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمع قرآن کے محرکات دو تھے۔

① قرآن کریم کی مکتوب تحریروں کا متفرق افراد کے پاس ہونا اور منتشر اور بکھری ہوئی صورت میں ہونا۔

② حفاظ کا جن کے سینوں میں قرآن محفوظ تھا، کثرت سے شہید ہو جانا۔ لہٰذا اس جمع قرآن کا مقصد محض اس کی کسی آیت یا حصہ کو ضائع ہونے سے بچانا تھا۔

دورِ عثمانی ۲۵ھ تا ۳۵ھ میں قرآن کی نشر واشاعت

قرآن کی شیرازہ بندی تو دورِ صدیقی میں ہو گئی تھی، لیکن قراءت کے اختلاف کا مسئلہ ابھی باقی تھا۔ قاری اور حفاظ، حکومت کی طرف سے مختلف مراکز میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ پھر جو لوگ ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ